جلد دوم
فتوحاتِ مکیہ
تصنیف لطیف
شیخ اکبر محی الدین ابن العربی
علی برادران تاجران کتب ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد

جلد دوم

فتوحاتِ مکیہ

لطیف تصنیف حضرت امام الموحدین سید المکاشفین شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی طائی اندلسی المعروف بہ ابنِ عربی قدس اللہ سرہ

ترجمہ

حضرت علامہ صائم چشتی فیصل آباد

ناشران

علی برادران تاجرانِ کتب
ارشد مارکیٹ نزد جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ———— فتوحاتِ مکیّہ

مصنّف ———— شیخ محی الدین ابن العربی

مترجم ———— علامہ صائم چشتی

پہلی بار ———— مئی ۱۹۹۱ء

تعداد ———— ایک ہزار

طابع ———— علی اکبر

مطبع ———— ظفر اینڈ فضل پرنٹرز

کتابت ———— علم الدین اعوان

سائز ———— ٢٣ X ٣٦ / ١٦

صفحات مع متن ————

ناشر ———— علی برادران فیصل آباد

ھدیہ .... [illegible]/- روپے

ملنے کا پتہ

علی برادران تاجرانِ کتب

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

حروف کی تین قسمیں

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے جان لیں کہ عالم حروف سے جامع کلمات تین ہیں ''

۱۔ وہ حروف جو دوسرے حروف سے مستغنی ہیں اور بنفسہٖ قائم ہیں۔

۲۔ وہ حروف جو ان مستغنی اور غیر محتاج حروف کے محتاج ہیں اور بنفسہٖ قائم نہیں لیکن اُن میں سے اس کے مطلوبہ لااحتیاج حروف کی طرف اس کا ایک وصف راجع ہے جس سے وہ متصف ہے

کیونکہ وہ اس کی ذات سے نہیں مگر اس کے لیئے اسکی ذات کی مصاحبت ہے تو جس طرح دوسرے حروف کے لیے درست ہے اس کے لیئے بھی بنفسہٖ قائم لااحتیاج ذات کا محتاج ہونا محتاجی کی وجہ سے درست ہے۔

۳۔ تیسرے حروف وہ ہیں جو دو لااحتیاج حرفوں اور دو محتاج حرفوں کے درمیان کسی بھی لااحتیاج اور محتاج حرف کے درمیان رابطہ قائم کرتے ہیں اور یہ حروف لااحتیاج اور محتاج دونوں قسم کے حروف کے محتاج ہیں

چنانچہ لازم ہوا کہ ایک دوسرے کی طرف محتاجی کی حیثیت سے تمام حروف احتیاج وضرورت کے ساتھ قائم ہیں اگرچہ وجوہ مختلف ہوں یہاں تک کہ ذاتی حیثیت سے غنی الحمید کا اطلاق سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے پر درست نہیں تو غنی اور لااحتیاج کا نام ذات محتاج کا نام حدث اور تیسرے کا نام رابطہ رکھا گیا۔

حقائق کلمات

تو ہم کہتے ہیں کہ کلمات ان تین حقائق میں محصور ہیں۔

ذات ۔ ۲ حدث ، ۳ رابطہ۔

یہ تینوں حقائق جوامع الکلم یعنی جامع کلمات ہیں۔ پس ذوات میں سے بہت سی انواع جنس ذات کے تحت داخل ہیں ایسے کلمۂ حدث اور رابطہ کی جنس کے تحت داخل ہیں اور اس کتاب میں ان انواع اور ان کے مساق کے تفصیل کی احتیاج و ضرورت نہیں اور ہم نے اپنی تفسیر قرآن میں ان انواع کو کھول کر بیان کیا ہے۔

نحویوں کا کلام دیکھیں۔

اگر ہمارے بیان کو قیاس کرنا چاہیں تو نحویوں کے کلام اور اسم و فعل و حرف میں ان کی تقسیم پر غور فرمائیں اور ایسے ہی اہل منطق کے کلام پر نظر کریں۔

۱ ان کے نزدیک جو اسم ہے ہمارے نزدیک وہ ذات ہے۔

۲۔ ان کے نزدیک جو فعل ہے ہمارے نزدیک وہ حدث ہے۔

ان کے نزدیک جو حرف ہے ہمارے نزدیک وہ رابطہ ہے

ان کے ہاں بعض احداث بلکہ تمام تر اسماء ہیں جیسا قیام کھڑے ہونا۔ قعود بیٹھنا اور ضرب مارنا ہے۔

وہ ہر اس کلمہ کو فعل قرار دیتے ہیں جو تعلق زمان سے مقید ہو اور کلمات سے ہمارا مقصد ان حقائق پر چلتا ہے۔ جن پر وہ ہیں اور ہم نے قیام۔ قائم۔ یقوم اور قم مقرر کیا اور ان کے درمیان ہم نے مبہم و معین زمانہ کے ساتھ فاصلہ کیا

زجاجی نے اس امر کو اچھی طرح جان کر کہا کہ حدث جسکی مثال قیام ہے وہ مصدر ہے
زجاجی کی مراد اس سے یہ ہے کہ جو محدث سے صادر ہوا وہ اسمِ فعل ہے جس سے
اسکی مراد اسم کلمہ کا قائم ہونا اس مخصوص حرکت کا نام ہے جس کے ساتھ اس کا نام
قائم ہوا۔

تو یہ وہ ہیئت ہے جس کا نام اس کے وجود کے حال کی نظر کے ساتھ قیام اور
اس کے ختم اور معدوم ہونے کے حال کی نظر سے قام ہے اور اسکی نظر کے ساتھ
توہم واقع ہونے سے اس کا نام قُم ہے اور یہ امر سوائے متحرک لفظ کے کبھی
نہیں پایا جاتا اور یہ کلمات بنفسہٖ غیر قائم ہیں۔ اور پھر قالَ اور فعل لفظ قائم اور
یقوم کو چاہتے ہیں نہ کہ اس نفسِ فعل کو جو متحرک سے صادر ہوا۔

مثلاً قائماً جس سے ہا کا اشتقاق ہو کر لفظ فعل کے اسم پر لوٹتا ہے اور
وہ لفظ قیام سے ماخوذ ہے یعنی قام اور یقوم سے نکلے ہیں۔ کیونکہ اس کے
نزدیک نکرہ معرفہ سے پہلے ہے۔ اور نکرہ مبہم اور معرفہ زمانے کے ساتھ مختص
اور قیام مجہول الزمان اور قام مختص الزمان ہے اگر اس پر اَن داخل کیا جائے اور
یقوم مختص الزمان ہے اگر اس پر لَمْ داخل کریں۔ اور یہ اس شخص کا مذہب ہے۔ جو
تمیل کا قائل ہے۔ اور کہتا ہے کہ تحلیل ترکیب سے فرع ہے اور مرکب یقیناً مرکب
ہی پایا جاتا ہے۔

اور اس شخص کے مذہب پر جو کہتا ہے کہ تفریق کے ساتھ ہے اور یقیناً ترکیب
طاری ہوتی ہے تو یہ وہ امر ہے جو اکثر طور پر نقل کے باب میں مدد دیتا ہے۔ کیونکہ
یہ ظاہر و باہر ہے کہ نکرہ معرفہ سے پہلے ہے اور زید کا لفظ معین شخص کے لئے وضع
ہوا ہے۔ پھر اس لفظ میں اس کی مشارکت سے تنکیر طاری ہوتی ہے تو اس کی
تعریف کی طرف نعت اور بدل وغیرہما کی احتیاج ہوتی ہے۔ پس محققین کے

نزدیک مرتبہ نلہ سے مقدم ہے اگرچہ اس کے لیے اور وجہ ہو لیکن اس کے لائق یہی ہے۔

کہ ہم اور ہمارے راستے پر چل کر ترقی حاصل کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس سے ہماری غرض و غایت ایک دوسرا امر ہے اور وہ سوائے نسبتوں اور اضافات کے ان دونوں اقوال سے ہی نہیں اور ان وجوہ پر نظر ہے جس کا ذکر طویل ہے اور نہ ہی اس تذکرہ کو چھونے کی اس کتاب میں ضرورت ہے اس لیے کہ ہم نے اس کتاب کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔

حرکات کی قسمیں

ہم بیان کرتے ہیں کہ حرکات دو قسموں پر مشتمل ہے۔ حرکتِ جسمانیہ [۱]، حرکت [۲] روحانیہ

جبکہ حرکتِ جسمانیہ کے لیئے بہت سی انواع ہیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں آئے گا۔ اور ایسے ہی حرکتِ روحانیہ کی انواع ہیں مگر ان کا تذکرہ اس کتاب میں ضروری نہیں مگر کلام کی حرکات لفظاً اور تحریراً بیان کی جائیں گی۔

پس تحریری حرکات جسموں کی طرح اور لفظی حرکات اُن کے لیئے روحوں کی طرح ہوتی ہیں۔

متحرکات دو قسموں پر مشتمل ہیں۔

۱۔ متمکّن ۲۔ متلوّن۔

متلوّن ہر اس متحرک کو کہتے ہیں جو تمام حرکات یا بعض حرکات کے ساتھ حرکت کرے چنانچہ تمام حرکات کے ساتھ اس کا متحرک ہونا اس طرح ہے جیسا کہ زید سے لفظ دال کا متحرک ہونا اور اس کا بعض لفظوں کے ساتھ

متحرک ہونا اس طرح ہے جیسا کہ وہ اسماء جو غیر منصرف حال میں ہونے کی بناء پر پھرتے نہیں۔ کیونکہ وہ تنکیر و اضافت میں منصرف نہیں ہوتے جیسا کہ لفظِ احمد سے دال ہے۔

متمکن۔ متمکن ہر وہ متحرک لفظ ہے جو ایک حرکت پر ثابت ہے اور اس سے منتقل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مبنی اسماء مثلاً ھولاء اور حذام۔

اور جیسا کہ معرّب اسماء کے حروف جو ان سے اعراب کے حرف قبول کرتے ہیں جیسا کہ زید سے زاء اور یا اور ان کی مثلی حروف۔

جاننا چاہیئے کہ افلاک حرکات وہی افلاک حروف ہیں جن پر لفظاً اور خطاً وہ حرکات ہیں انہیں وہاں دیکھیں جہاں ان کے لبساط و احوال اور مقامات بیان کیئے گئے۔ جیسا کہ حروف کے لیئے ہے جن کا ذکر ہم انشاء اللہ تعالیٰ علمِ حروف کے لیئے مخصوص کتاب مبادی میں کریں گے۔

تلوین و تمکینِ حروف

جیسا کہ تلوین اور تمکین ذات کے لیئے ثابت ہے ایسے ہی حدث اور رابطے کے لیئے ثابت ہے۔ لیکن رفع اور نصب اور حذف صفت اور حذفِ رسم میں ہے اور یہ کہ تلوین دو امروں کے لیئے موافقت اور استعارہ و اضطرار کے ساتھ رابطے کی ترکیب ہوتی ہے جبکہ موافقت سے مراد اتباع ہے جیسا کہ ھذا ابنم، یہ ابنم ہے، رأیت ابنما، میں نے ابنم کو دیکھا اور عجبت ابنم یعنی ابنم سے متعجب ہوا۔

استعارہ سے مراد حرکتِ نقل ہے جیسا کہ قد افلح کے دال کی حرکت نقل کرنے والے کی قرأت میں ہوتی ہے۔

اور اضطرار کے ساتھ ساکن حروف کے ملنے کی تحریک اور ترکیب ذاتی میں موافق کے اتباع کی حرکت ہوتی ہے۔ اگرچہ تمام حروف کی اصل تمکین ہے اور اُس کی بنیاد ہماری فطرت کے مطابق ہے اور یہاں عقل مند آدمی کے لیئے اسرار ہیں۔ مگر والدین فطرتِ مقیدہ سے نقل کرتے ہیں نہ کہ فطرتِ مطلقہ سے۔

ایسے ہی متمکن حروف کو اپنے مقام میں خلل نہیں آتا اور وہ تمام تر ثابت مبنی اپنے حال پر ساکن اور ٹھہرے ہوئے ہیں۔

پس جسے بیان کرنے والا اپنے دل کی بات سننے والے کو پہنچاتا ہے تو اُسے تلوین کی طرف محتاجی ہوتی ہے اور ابو طالب مکی کے نزدیک وہ اس فلک کو حرکت دیتا ہے۔ جس سے حرکات پیدا ہوتی ہیں اور اُس کے علاوہ کے نزدیک وہی پہلی بات ہے اور لفظ یا تحریر اس فلک سے پیدا ہوتے ہیں۔

اور یہ مقام معائنہ حقائق کا ارادہ کرنے والے کے لیئے ہے اور ہم وہ نہیں کہتے جو ابی طالب نے کہا اور مختصراً بیان کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کہتے ہیں جو ابی طالب کے علاوہ نے کہا بلکہ اُس میں انحصار کرتے ہیں کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک جہت سے حق کہا ہے۔ اور اُسے پورا نہیں کیا،،

ہم کہتے ہیں کہ حقائق الٰہیہ پہلے افلاکِ علویہ پر اُس وجہ کے ساتھ توجہ دیتے ہیں جس کے ساتھ اپنے آثار کے محلات پر متوجہ ہیں اور یہ امر ابن طالب کے علاوہ کے نزدیک ہے اور ہر حقیقت اپنے مرتبے کو قبول کرتی ہے کہ ابی طالب کے علاوہ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ چونکہ افلاک لطافت میں حقائق کے بہت قریب ہیں لہٰذا علائق کی کدورتوں سے صاف اور پاک مقام پر ہونے اور عدم شغل کی بناء پر وہ بہت پہلے قبول کر لیتے ہیں اس لیئے انہیں مؤثر سبب بنایا۔

اور اگر اس بات کا قائل یہ جانتا ہے کہ یہ حقائق پہلے لطافت میں مناسبت

کی بناء پر توجہ دیتے ہیں جو کہ انسان کے انفاکس ہیں تو وہ عالم انفاکس سے اُس فلک علوی کو حرکت دیتا جو اُس کے مناسب ہے اور یہ ابی طالب کا مذہب ہے

پھر یہ فلکِ علوی عضوِ مطلوب کو مطلوبہ غرض کے ساتھ اُس مناسبت کے ساتھ حرکت دیتا ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے کیونکہ فلک علوی اگرچہ لطیف ہے تاہم وہ ہمارے عالم انفاکس کے برعکس کثافت کے پہلے اور لطافت کے آخری درجہ میں ہوتا ہے۔

نیز یہ کہ مذاہب اکٹھے ہوئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اختلاف درست نہیں اور نہ ہی یہ ہمارے طریق میں ہے مگر یہ سب کچھ کھولنے اور مزید وضاحت کی بناء پر ہے۔

یہاں آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بہت بڑے اسرار میں سے اُس عجیب راز کو جان لیں جسکی طرف ہم نے اور ابو طالب مکی نے اپنی کتاب قوت القلوب میں اشارہ کیا ہے۔

متکلم کو تلوین کی محتاجی ہے

پھر ہم اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ متکلم اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیئے تلوین کا محتاج ہوتا ہے تو حروف حرکات کے جاننے اور اُن سے اپنی مراد حاصل کرنے کے لیئے عالم حروف و حرکات کو اپنے مقابل پاتا ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اپنے حال سے زائد ہوتے ہیں اور نہ اُن کی حقیقت باطل ہوتی ہے مگر متکلم کے تخیل میں ہوتا ہے کہ اُس نے حرف میں تغیر واقع کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ متغیر نہیں ہوتا۔

دلیل یہ ہے کہ اگر آپ کی نظر زید کی دال میں اس حیثیت سے فنا ہو جائے کہ وہ دال تو اس میں اُس کے تقدم کی حیثیت سے غور کریں۔ مثلاً قائم تو اُس پر فارغ ہو کر غور کریں یا یہ کہ کوئی فعل لفظی جس کے ساتھ اُس سے گفتگو کی جائے تو آپ کے لیے یہ درست نہیں۔ کہ سوائے مخصوص رفع یعنی زبر کے کوئی اور حرکت استعمال کریں تو وہ اپنی اُس بناء سے زائل نہیں ہوتا جس پر وہ پایا گیا ہے اور جس کا خیال ہے کہ فاعل کا دال ہی مفعول یا مجرور کا دال ہے تو وہ ملاوٹ کرتا ہے اور اُس کا عقیدہ ہے کہ پہلا کلمہ دوسرے کلمہ کی عین ہے اُسکی مثل نہیں ،،

اور جس کا اعتقاد ہے کہ یہ امر وجود میں ہے تو وہ بھی راہِ صواب سے دور ہٹا ہوا ہے۔ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے الہام کیا تو کسی قدر الفاظ کو اس فصل میں بیان کریں گے۔

اشتراکِ لفظی حقیقتوں کو نہیں بدلتا

آپ پر ظاہر ہو چکا ہے کہ اصل میں ہر چیز مسلّم الثبوت ہے کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ عبد کے ثبوت کی حقیقت اور اُس کا ممکن عبودیت میں ہے۔ اگر وہ ایک یوم وصفِ ربانی کے ساتھ متّصف ہو تو یہ نہ کہیں کہ وہ وصف اُس کے پاس عاریتاً ہے لیکن اُس حقیقت کو مدِنظر رکھیں جس نے اُس وصف کو قبول کیا اور جس کا ثبوت اس حقیقت میں پایا جاتا ہے اور جب اُس حقیقت کے عین کا ظہور ہوتا ہے۔ تو اُس کا محل اس خلیہ میں ہوتا ہے پس جسے آپ یہ نہ کہیں کہ اپنے رب کے وصف کے ساتھ وہ اپنے طور سے نکل گیا ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا وصف نکال کر اُس کو نہیں دیتا بلکہ لفظ و معنی میں شبہ واقع ہوتا ہے۔ ساتھ اُس کے کہ وہ غیر محقق کے پاس تو کہتا ہے یہ وہی ہے اور

ہم جانتے ہیں کہ یہ نہیں ہے اور یہ بات اُس کے لائق ہے اور یہ بات اُس کے لائق نہیں ولیکن اُس کے نزدیک جیسے عاریتاً یا امانتاً یہ امر نہیں پہنچا تو یہ اُس کا قصور ہے اور اُس کا کلام اور اک حقائق سے نابینا کا کلام ہے کیونکہ یہ ہے تو لازماً اُسے یہ حق پہنچا پس وہ عبد رب نہیں ہوتا۔ اگرچہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے حق میں کہا جاتا ہے کہ وہ عالم ہے اور عبد یعنی بندے کے حق میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عالم ہے اور ایسے ہی حیی و مرید، سمیع و بصیر اور تمام صفات اور برکات ہیں جن میں رب اور عبد کے درمیان اشتراک لفظی ہے،،

پس جب اگر آپ نے حد میں حیاتِ حق کو حیاتِ عبد قرار دے دیا تو آپ پر محالات لازم آئیں گے۔ کیونکہ جب آپ رب تعالیٰ کی زندگی کو اُس کے حق ربوبیت پر مقرر کریں گے اور عبد کی زندگی کو کائنات کے استحقاق پر شمار کریں گے تو عبد کا حق ہے کہ وہ زندہ ہو اور اگر اُسے یہ حق نہ پہنچتا تو یہ امر درست نہ ہوتا۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ آمر و قاہر نہیں مگر اپنی ذات کے لیے اور اللہ تعالیٰ اُس سے پاک ہے کہ وہ مامور یا مقہور ہو،،

اب جبکہ یہ ثابت ہے کہ مامور اور مقہور دوسرا امر اور دوسری علین ہے۔ تو لازماً عبد، حیی، عالم مرید اُس امر کے ساتھ متمکن ہو جس سے اُس کے ساتھ ارادہ کیا گیا اور حقائق سے یہی پتہ چلتا ہے۔

تو اُس پر ایک حرف ہے جو سوائے اپنی حرکت کے قبول نہیں کرتا جیسا کہ ہٰذا میں ھا ہے۔ اور پھر ایک حرف ہے جو اپنی جسمانی اور روحانی صورت کی جہت سے دو اور تین حرکات کو قبول کرتا ہے جیسے لہٗ، لَہَا اور بِہٖ کے ضمیر میں ھا ہے جیسا کہ آپ اپنی ذات کے ساتھ خجالت قبول کرتے ہیں تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور آپ کی ذات خوف قبول کرتی ہے۔ تو آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے اور کپڑا مختلف رنگوں کو قبول کر لیتا ہے۔ اور کشف باقی نہیں رہتا۔ مگر اُس حقیقت سے جو اعراض کو قبول کرتی ہے

کیا وہ ایک ہی ہے یا اُس کی شان عدم اور وجود میں اعراض کی حالت جیسی ہے اور یہ بحث نظارے سے بیتے ہے اور ہم اس کے محتاج نہیں اور نہ ہی اسکی طرف التفات کرتے ہیں کیونکہ یہ ایک بحرِ عمیق ہے۔ جسکی معرفت مرید کے حال کے ساتھ بابِ کشف سے ہے۔ کیونکہ نگاہِ کشف سے آسان اور نگاہ عقل سے اس کو جان لینا مشکل ہے۔

اگر آپ ہماری طرح جانتے ہوں

پھر ہم اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حقیقتِ فاعلیت اپنی مخصوص بناء پر فعل سے فراغت کے بعد حرف پر قائم ہوتی ہے تو آپ کہتے ہیں۔ قال اللہ اور جب اُسکو طلب کرنے والی حقیقت اُس کے ساتھ قائم ہو تو اُس کے نزدیک اُس کا نام منصوب بالفصل یا مفعول جو چاہیں رکھ لیں اور یہ کہ آپ اُس سے امداد طلب کریں یا اُس کا قصد کریں جیسا کہ مجھ سے اُس کا قصد کریں جیسا کہ مجھ سے اُس امر کے ساتھ قیام طلب کیا جس کے ساتھ میں مکلف ہوں۔ تو اُس نے مجھے نہیں عطا کیا۔ مگر عطا میرے سوال کے بعد ہوئی ہے پس میرا سوال یا حال اُس وعدہ کے ساتھ میرے سوال کا قائم مقام ہوا جو اُس نے مجھے عطا کرنے کا کیا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور مومنوں کی امداد کرنا ہم پر اُن کا حق ہے۔ الروم آیت ۴۷

پس میرا سوال اُس کے امر سے ہے اور اُس کی عطا اُس سے میرے مانگنے سے ہوئی۔

آپ کہتے ہیں دعوت اللہ تو حرفِ ہا کو نصب کرتے ہیں اور کبھی ہا پر پیش کی جگہ زبر ہو گی تو ہم حرکات کے ساتھ اختلافِ حقائق کو جان لیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ بعض

لوگوں کے لحن میں اصطلاح ثابت ہے اور یہ تب ہوگا۔ جب ہمارے ساتھ دوسرا کلام کرے گا اور کلام کرنے والا حقائق کو پہلے ہی جانتا ہے۔ اور مخصوص افلاک کی طرف اقتضاء نظر یا اجزاء افلاک کرتا ہے، اگرچہ اس مقام و مشابہ کا ہر متکلم اس کی تفصیل کا علم نہ رکھتا ہو اور وہ نہ جاننے کی حیثیت سے اُسے جانتا ہے۔

اور یہ امر اُس کا اشیاء کا وہ تلفظ ادا کرنا ہے جس کے ساتھ لفظ معنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ مقام لفظ میں بحث کرنے والے کا ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کا مدلول کیا ہے۔ جس پر متکلم کے مقصود معانی کی دلالت ہو اور جو معنی لفظ کے ساتھ دلالت کرتا ہے وہ متحقق امر کی خبر دیتا ہے۔

ہم نے لحن اور آواز کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ اُس کے افلاک ان افلاک کے علاوہ ہیں۔ اور ایک گروہ کے برعکس دوسرے گروہ کے حق میں تحریر سے حرکات کو گرا دینے کا سبب کیا ہے اور کہاں سے ہے تو ان تمام کا ذکر کتاب مبادی میں ہے اس لیئے کہ اس کتاب کی لطافت کی بناء پر اس میں ہمارا مقصد ایجاز و اختصار ہے۔

اگر آپ حقائق اور عالمِ ارواح پر اسی طرح مطلع ہو جائیں جس طرح ہم ہیں تو آپ ہر حقیقت و روح اور معنی کو اُس کے مرتبہ پر ملاحظہ فرمائیں گے تو اس پر غور کریں اور اسے لازم کر لیجے۔

الفاظِ تجسیم و تشبیہ

ہم نے اس کتاب کے لائق بعض حقائقِ حرکات کا ذکر کر دیا ہے اور عنان کو موڑتے ہوئے ان کلمات کی معرفت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جن کا ہم نے ذکر کیا تھا۔

مثلاً۔ اِستواء۔ اَیْنَ، فی عَمَاء، ضحک، فرح، تبشبش، تعجب۔ ملل، معیت۔ عین، ید، قدم، وجہ، صورت تحوّل، غضب۔ حیاء۔ صلوٰۃ، فواغت اور ان

جیسے وہ دوسرے الفاظ جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں اور ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے تشبیہ و تجسیم کا وہم لاحق ہوتا ہے۔ اور جو خاص عقل کے نزدیک فکری نظر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کے لائق معلوم نہیں ہوتے۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس میں وہی ہے جو عربی زبان میں ہے پایا جاتا ہے۔

چونکہ اہل عرب عقل میں نہ آنے والی بات کا شعور نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ کلمات اس صورت پر نازل ہوئے کہ وہ انہیں سمجھ سکیں۔ جیساکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ؕ النجم آیت

چونکہ عرب کے بادشاہ اپنے مقرب و مکرم بندے کو صاف اسی قدر فاصلے پر بٹھاتے تھے تو اس خطاب سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے پروردگار سے قربت کی تفہیم ہوگئی تو اس سے سوائے قربت کے اور ہمیں پس برہانِ عقلی سے حد اور مسافت و فاصلہ کی نفی ہوگئی۔ یہاں تک کہ ہمیں اس باب سے ملحق تیسرے باب میں تنزیہہ باری تعالیٰ کے سلسلہ میں ایسا کلام آئے گا۔ جس سے ان الفاظ میں تشبیہہ کا وہم دور ہو جائے گا۔

الفاظ کی قسمیں

اہل عرب کے نزدیک الفاظ چار اقسام پر مشتمل ہیں۔

۱۔ الفاظ متبائینہ اور یہ وہ اسماء ہیں جو اپنے مسمیٰ سے تجاوز نہیں کرتے جیساکہ بحر، مفتاح مقصان یعنی سمندر، چابی اور مقصان

۲۔ الفاظ متواطیہ، یہ ہر وہ لفظ ہے جسمیں متعدد انواع سے کسی ایک نوع پر اطلاق کر ناطے شدہ ہے جیساکہ رجل، امراۃ یعنی مرد اور عورت۔۔۔۔۔

۳۔ الفاظ مشترکہ، یہ واحد کے صیغہ پر آنے والا ہر وہ لفظ ہے جس کا اطلاق مختلف معانی پر ہو۔ جیسا کہ عین، مشتری، انسان، یعنی آنکھ، خریدار اور انسان۔

۴۔ الفاظ مترادفہ ان الفاظ کا مختلف صیغوں میں ایک ہی معنی پر اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ، اسد، ہزبر اور غضنفر،، ان تینوں لفظوں کا معنی شیر ہے،،

یا یہ کہ،، سیف، حسام، صارم،، ان تینوں الفاظ کا معنی تلوار ہے،،

یا یہ کہ، خمر، رحیق، صہبا اور خندریس،،، تو ان چاروں الفاظ کا معنی شراب ہے۔

اشتباہ لفظی۔

طبائع میں یہی الفاظ اُمہات ہیں۔ مثلاً ٹھنڈک، گرمی، خشکی اور تری پھر متشابہ مستعار اور منقولہ وغیرہ الفاظ ہیں جو تمام تر اصطلاح کے ساتھ انہی اُمہات کی طرف لوٹتے ہیں۔ کیونکہ مشتبہ ہیں اگر آپ کہیں کہ الفاظ کے قبیلوں سے مشتبہ پانچواں قبیلہ ہے۔ مثلاً نور کا اطلاق معلوم پر اور علم پر ہوتا ہے کیونکہ نور کی علم سے مشابہت ہے جس کے ساتھ چشم بصیرت وا ہو کر معلوم کو جان لیتی ہے۔ جیسا کہ مرئی محسوس کے کشف میں بصارت کے ساتھ نور ہوتا ہے۔

اب جبکہ یہ تشبیہ درست ہے تو علم کا نام نور رکھا اور اس کا مشترکہ الفاظ سے الحاق کر دیا۔ چونکہ ان امہات سے کوئی لفظ الگ نہیں ہوتا اس لیئے اس باب میں دیکھنے والے کی یہ حد ہے اور ہم ان کے ساتھ اس سلسلہ میں یہی بات کہتے ہیں بلکہ ہمارے پاس حقائق پر اطلاع پانے کی جہت سے مزید علم ہے جس پر وہ لوگ مطلع نہیں ہوئے۔ چنانچہ ہمارے علم میں یہ امر بھی ہے کہ تمام تر الفاظ متبائن اور الگ الگ ہیں اگرچہ نطق میں مشترک ہوں اور دوسری جہت سے مشترک ہیں اگرچہ نطق میں الگ الگ ہوں۔ اور اس بات کی طرف اس باب میں حروف کی فصل کے آخر میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

تشبیہ خداوندی کے بارے میں آیات و احادیث۔

اے میرے پیارے دوست اب جبکہ آپ اس امر کو جان چکے ہیں تو یہ بھی جان لیں کہ واقف کار محقق عارف کے لیئے وہ آیات و احادیث حجاب نہیں بنتیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقدیس و تنزیہہ کے اثبات اور مماثلت و تشبیہ کی نفی کے مقابلہ میں وارد ہوئی ہیں اور جن میں اللہ تبارک وتقدس کے لیئے تشبیہ، جہت اور مکان و زمان کی قید ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو فرمایا "این اللہ" یعنی اللہ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تو آپ نے اس عورت کے مومنہ ہونے کا اثبات فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اللہ تعالیٰ کی ظرف و مکان کے بارے میں پوچھا تھا۔ جبکہ عقلِ نظری میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا مکان میں مقید ہونا جائز نہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات کو سب سے زیادہ جانتا ہے اور اس نے ظاہر طور پر ارشاد رکھا ہے۔

ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ" الملک آیت ۔

کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو آسمان میں ہے۔

اور فرمایا۔ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ احزاب آیت ۴۰

اور اللہ سب کچھ جانتا تھا (ہے)

اور فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى طٰہٰ آیت ۵

رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا

اور فرمایا! وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ

اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے الحدید آیت ۔ ۴

اور فرمایا۔ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ

جہاں کہیں تین شخص سرگوشی کرتے ہیں چوتھا وہ موجود ہے۔ المجادلہ آیت ۷

علاوہ ازیں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

يَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ .

یعنی اُسے بندہ کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے۔

وَلَيَعْجَبُ مِنَ الشَّابِ لَيْسَتْ لَهٗ صَبْوَةٌ

یعنی اللہ تعالیٰ اُس نوجوان پر تعجب کرتا ہے جسے عشق نہ ہو۔

ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں بھی الفاظ آئے ہیں۔ تاہم برہانِ عقلی سے مقرر ہو چکا ہے۔ کہ زمان ومکان، جہات والفاظ حروف واَدوات اور متکلم و مخاطبین پیدا کئے گئے ہیں اور ان سب کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ تحقیق کرنے والا قطعی طور پر جان لیتا ہے کہ یہ الفاظ اُس کے علاوہ وجہ کی طرف لوٹتے ہیں جس سے تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں تشبیہ وتمثیل کا گمان ہوتا ہے اور حقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی تشبیہ وتمثیل کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کرتی۔

لیکن جن علماء کے عقائد میں اللہ تعالیٰ کے لئے تجسیم کا ہونا سالم ہے وہ تجسیم وتشبیہ الٰہی کے بارے میں زیادتی کرتے ہیں، کیونکہ جن علماء پر مشبہ ومجسمہ ہونے کا اطلاق ہوتا ہے وہ ان کے دیگر امور کے علم کی حیثیت سے ہے۔

پس علماء کا اُس وجہ سے اس تصرف میں ایک دوسرے سے بڑھ جانا حق تعالیٰ جلِ شانہٗ کے بارے میں وہ بات کہہ دینا ہے جو اُس کی شان کے لائق نہیں۔

اہلِ تنزیہہ کا ایک گروہ:

ایک گروہ وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے تجسیم کا قائل ہے اور نہ تشبیہ کا اور اپنے علم کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی طرف لوٹا دیتا ہے اور تجسیم وتشبیہِ خداوندی کے سلسلہ میں تاویل کے دروازے میں ایک قدم بھی نہیں رکھتا۔

اور صرف ایمان رکھنے پر قناعت کی۔ اُسے علم عطا فرمایا اور تاویل نہیں رکھتا اور نہ ہی اُسی بات پر ایمان رکھنے پر قانع ہے جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ہی حروف کے بارے میں اسے علم عطا فرمایا اور تاویل نہیں کرتا اور نہ ہی وجوہ تنزیہہ میں سے کسی وجہ کی طرف پھیرتا ہے بلکہ ایک ہی جو کسائے کہ میں نہیں جانتا لیکن میں تشبیہ کی وجہ سے اس پر باقی رکھنا محال سمجھتا ہوں اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ یعنی اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ اور نہ ہی اس وجہ سے کہ اس امر سے عقلی نظر روکتی ہے چنانچہ اہل ظواہر میں سے فضلاء محدثین جنکے عقائد تشبیہ وتعطیل سے سالم ہیں یہی کہتے ہیں۔

اہل تنزیہہ کا دوسرا گروہ۔

اہل تنزیہہ سے دوسرا گروہ ان کلمات کے ساتھ اس وجہ سے جو نظر عقلی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کے لائق نہیں تنزیہہ کی مُتعیّنہ وجوہ کی طرف پھر گیا جو نظر عقلی میں جائز ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس سے مُتّصف ہو۔ بلکہ وہ اس کے ساتھ متصف ہے۔ ان کلمات کی تاویل ضروری ہے جبکہ نظر عقلی میں صرف یہ ایک بات باقی رہتی ہے کہ کیا تاویل سے وہ مراد ہے یا نہیں جو لی گئی ہے؟ اور یہ تاویل اسکی الوہیت میں عیب نہیں لگاتی اور لبسا اوقات اس کے ساتھ دو یا تین یا زیادہ وجہوں کی طرف عدول کرتے ہیں جو کلمہ کی حقیقت کے اعتبار سے زبان میں وضع کیئے گئے ہیں لیکن منزّہ وجوہ سے دوسری وجوہ سے نہیں۔

اور جب اس حدیث یا آیت کریمہ میں تاویل کرتے وقت زبان میں ایک وجہ کے سوا کوئی وجہ نہیں پاتے تو اس خبر کو اسی تنزیہہ کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں اور قصر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ وہ امر نہیں مگر ہمارے علم وفہم میں یہی آیا ہے اور جب اس کے لیئے متعدد وجوہ کی طرف پھیرنا پاتے ہیں تو اس حدیث یا آیت کو ان مصارف

کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

اہل تنزیہہ کا تیسرا گروہ

ایک گروہ کہتا ہے! احتمال ہے کہ اس سے ایسے مراد ہو اور احتمال ہے کہ اس سے ویسے مراد ہو اور ان کے ہاں تنزیہہ کی متعدد وجوہ ہوتی ہیں پھر کہتے ہیں واللہ اعلم یعنی اللہ ہی اسکی مراد کو بہتر جانتا ہے۔

اہل تنزیہہ کا چوتھا گروہ

ان میں سے ایک گروہ کے ہاں ان وجوہ تنزیہہ میں سے قرینہ کے ساتھ ایک ہی وجہ بہو مضبوط اور قوی ہوتی ہے چنانچہ وہ خبر اور حدیث پر اس وجہ کے ساتھ اس قرینہ کو قطع نہیں کرتے اور اسی امر پر اختصار و اقتصار کرتے ہیں۔

اہل تنزیہہ کا پانچواں گروہ

اہل تنزیہہ میں سے ایک گروہ اور بھی ہے اور وہ ان چاروں سے بلند ہے اور وہ ہمارے اُن ساتھیوں سے ہے جن کے دل فکر و نظر سے فارغ اور خالی ہو چکے ہیں اس لیے کہ متقدمین سے مقدمہ اور تاویل کرنے والے گروہ اہل فکر و نظر تھے اور بحث کیا کرتے تھے تو یہ توفیق دیا گیا طائفہ مبارکہ موفقہ قائم ہوا اور بحمد اللہ تعالیٰ تمام موفقون یعنی توفیق دیئے گئے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نفوس کو حق تعالیٰ جل جلالہ، کی جو تعظیم حاصل ہو چکی ہے اس سے پیش نظر ہمیں یہ قدرت حاصل نہیں کہ ہمارے پاس جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس کی معرفت کے لیئے دقیق فکر و نظر کو کام میں لائیں یہ لوگ اپنے عقیدہ میں اُن محدثین کرام سے نسبت رکھتے ہیں جن کے عقائد سلامتی والے ہیں، اس حیثیت سے کہ نہ تو وہ ان کلمات میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی تاویل کرتے ہیں اور نہ ہی پھرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں ہم نہیں سمجھ پائے۔

ہمارے ساتھی انہی کے قول پر ہیں۔ پھر ان کے مرتبہ سے منتقل ہو کر کہتے ہیں ان

کلمات کی تفہیم کے لیے ہم دوسرے راستے پر چلتے ہیں جس کے ساتھ قلوب فکری نظر سے فراغت حاصل کر کے ذکر ہی سے حق تعالیٰ کے ساتھ بساطِ ادب و مراقبہ اور حضوری پر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جو چیز ہمارے دلوں پر لوٹائی جائے اُسے قبول کریں یہاں تک کہ حق تعالیٰ جل شانہ، کشف و تحقیق پر ہماری تعلیم کا متولی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہم اُس کا یہ فرمان سنتے ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ، البقرہ آیت ۲۸۲

اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

اور اُس کا فرمان ہے۔

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا الانفال آیت ۲۹

اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو

اور فرمایا۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا طٰہٰ آیت ۱۱۴

کہیے اے رب میرا علم زیادہ فرما۔

اور فرمایا۔

عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ الکہف آیت ۶۵

ہم نے اُسے اپنا علم لدنی سکھایا

تو جب اُن کے قلوب اور ہمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور وہ اُسی کی طرف آجاتے ہیں۔ تو بحث و نظر کا دعویٰ کرنے والوں سے تمسک نہیں کرتے۔ ان کی عقلیں سلیم دل پاکیزہ اور فارغ ہو جاتے ہیں پھر جب ان میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی تجلی اُن کی معلّم بن جاتی ہے تو یہ مشاہدہ اُن اخبار و کلمات کے معنوں پر انہیں ایک ہی بار میں اطلاع کر دیتا ہے۔

یہ مکاشفہ کا علم ہے

یہ قسم مکاشفہ کی قسموں سے ہے تو جب ادراکِ فکری کرنے والے علماء جن کا ذکر پہلے ہوا ہے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس کشف و معائنہ کے وقت ان کے لیے ان خبروں کے بارے میں انہیں جو وہم تھا اُسے بغیر جاننے کے چھوڑ دینا درست نہیں اور نہ ہی اُن کے لیے یہ درست ہے کہ احتمالاتِ تنزیہیہ کے معنوں کو بغیر متعین و مقرر کرنے کے چھوڑ دیں بلکہ وہ اس کلمہ کو اور اس کے معنیٰ کے سیاق کو جان لیتے ہیں اور اس سے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی مراد ہے اُس پر آگاہ ہو جاتے ہیں۔

اور اگر دوسری خبر یعنی حدیث وغیرہ میں بعینہٖ یہ لفظ آیا ہو تو ان مقدس و متعین وجوہات میں سے اس مشاہدہ کرنے والے کے لیے دوسری وجہ ہوتی ہے۔ یہ ہمارے گروہ کا حال ہے اور ہم میں سے ایک اور گروہ بھی ہے جن کے لیے یہ تجلّی تو نہیں لیکن انہیں القاء والہام اور لقاء و کتابت حاصل ہوتی ہے اُن کے ہاں ایک علامت اور نشانی ہے جس میں انہیں القاء ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اس القاء کی خبر نہیں ہوتی چنانچہ وہ اپنے اس القاءِ الٰہی میں معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں اور وہی بات کرتے ہیں جس کا انہیں خطاب و الہام کیا جاتا ہے یا لقاء و کتابت ہوئی ہے۔

ان تمام محققین کے نزدیک جنہوں نے اس خبر کے قائل کو تسلیم کر لیا اور نظر نہ کی اور نہ ہی تشبیہ و تعطل کو جانا،، اور وہ محققین جنہوں نے مباحثہ اور اجتہاد کیا اور اپنے طبقہ کے لوگوں سے مناظرہ بھی کیا اور وہ محققین جو صاحبان کشف و معائنہ نہیں اور وہ محققین جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خطاب و الہام ہوتا ہے۔ عقلی طور پر محدثات نزول حدود و تشبیہ سے مقیدیہ ادوات دکھانے اللہ تبارک و تعالیٰ

کی ذاتِ اقدس پر داخل نہیں کرتے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر تنزیہہ و تقدیس والے معنوں میں داخل کرتے ہیں چنانچہ علماء و محققین کے نزدیک ذاتِ خداوندی کے لیئے ان کلمات کا ان پاکیزہ معنوں میں قبول کرنا ہے۔ جن کا تنزیہہ خداوندی اقتضاء کرتی ہے۔

اگر جسم سے مراد وجود ہے

اب جبکہ یہ امر طے شدہ ہے تو ظاہر ہو گیا کہ یہ اوادات و کلمات بات کو مخاطبین کے افہام تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں اور ہر عالم اس امر میں اپنے فہم و قوت اور نفوذ و بصیرت کی حیثیت سے بات کرتا ہے اور اس عقیدہ تکلیف پر فطرتِ عالم ہے۔

اگر مشبہ فرقہ کے لوگ یعنی تشبیہ الٰہی کے قائلین اپنی فطرت پر رہتے تو کافر نہ ہوتے اور نہ ہی تجسیم باریٔ تعالیٰ کے قائل ہوتے۔

تاہم! اگر اُن کے ارادہ تجسیم کا مقصد وجودِ حق تعالیٰ کا اثبات ہے اور اپنے افہام کے تصوّر کی بناء پر اپنے اس تخیّل سے اثباتِ وجود کرتے ہیں تو اُن کی نجات ہو جائے گی۔

چونکہ محققین کے نزدیک مدارجِ تحقیق میں اُن کے رُتبوں کے ساتھ تفاضل ثابت ہے اس لیئے دیگر حقائق کو نقل کیا جاتا ہے۔

وجود حق تعالیٰ عالم کے ساتھ مُقیّد نہیں

جن لوگوں کو حقائق عطا ہوتے ہیں وہ اس امر پر توقف کرتے ہیں کہ وجود حقِ تعالیٰ وجودِ عالم کے ساتھ نہ تو قبلیت و معیت کے ساتھ مقید ہے اور نہ ہی بعدیت زمانہ سے۔ کیونکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے لیئے تقدم زمانی و مکانی کا قائل امر جس کے ساتھ تحدید پر ہے حقائق اُسکی تردید کر دیتے ہیں۔ ہاں! اگر وہ اس بات کو

بابِ توصیل یعنی سمجھانے کے ارادہ سے کرے تو کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا! اللہ کی کتاب کا نطق ہے اس لیے کہ ہر شخص ان حقائق کے کشف کی قوت نہیں رکھتا۔

اندریں حالات ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بذاتہٖ اپنی ذات کے لیے اپنے غیر کے ساتھ مقید نہیں اور مطلق الوجود موجود ہے۔ نہ ہی وہ کسی چیز سے معلول ہے اور نہ ہی کسی چیز کی علت بلکہ وہ تمام معلولات و علل کا خالق اور ہمیشہ ہمیشہ سے ملک القدوس پاکیزہ بادشاہ ہے۔''

جبکہ یہ عالم نہ تو اپنی ذات کے لیے موجود ہے اور نہ ہی اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ موجود ہے اور وجودِ حق تعالیٰ کے ساتھ مقید الوجود ہے چنانچہ عالم کا وجود بغیر حق تعالیٰ کے وجود کے درست نہیں ہوگا۔

زمانہ تھا ہی نہیں

اب جبکہ حق تعالیٰ کے وجود سے زمانہ کی نفی ہو گئی اور ابتداءِ عالم سے بھی زمانہ کا فقدان ہے تو وجودِ عالم زمانہ کے بغیر ہوگا۔ ہم ایک جہت سے نہیں کہتے کہ یہ امر کس چیز پر واقع ہے تاہم حق تعالیٰ جل شانہ، وجودِ عالم سے قبل موجود ہے۔ اس لیے کہ یہ امر ثابت ہے کہ ''قبل'' صیغہ ہائے زمان سے ہے اور زمانہ تھا ہی نہیں اور نہ ہی یہ بات ہے کہ عالم وجودِ حق تعالیٰ کے بعد موجود ہوا ہے اور یہ صورت اس لیے ہے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے ساتھ نہ بعدیت نہ معیت اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے عالم کو پیدا کیا اور وہ عالم کا فاعل ہے اور اس نے اسکی اُس وقت اختراع فرمائی جب کوئی چیز نہ تھی ولیکن جس طرح ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ بذاتہٖ موجود ہے اور عالم اُس کے ساتھ موجود ہے۔

اگر کوئی شخص ہم سے یہ سوال کرے کہ وجودِ عالم وجودِ حق تعالیٰ سے کب ظاہر ہوا۔

تو ہم کہیں گے کہ "کب" سوالِ زمانی ہے اور زمانہ عالم کی نسبتوں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے کیونکہ اس کے لیے نسبتوں کا عالم ہے جبکہ خلق تقدیر ہے ایجاد نہیں تو اس صورت میں یہ سوال ہی باطل قرار پاتا ہے۔

وجودِ حق تعالیٰ اور وجودِ عالم۔

آپ غور فرمائیں کہ آپ نے کیسا سوال کیا ہے؟ اس لیے کہ اس طرح تو آپ کی ذات میں ان کلمات کے معانی آپ کو تحصیل وافہام تک پہنچانے سے رد کریں گے۔

پس صرف اور صرف حق تعالیٰ کا وجود خالص باقی ہے جو عدم میں نہیں آیا اور جو وجود عدم سے آیا بنفسہٖ عین الوجود ہے اور یہ وجود عالم ہے۔

حق یہ ہے کہ وجودِ حق تعالیٰ اور وجودِ عالم، دونوں وجودوں کے درمیان نہ تو علیحدگی ہے اور نہ ہی اتحاد مگر یہ توہم مقدر ہے جو علم کے لیے محال ہے اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں مگر یہ کہ وجودِ مطلق و مقید اور وجود فاعل اور وجود منفعل۔ حقائق یہی کچھ عطا کرتے ہیں والسلام

کیا اللہ تعالیٰ اختراع فرماتا ہے۔

مجھ سے ایک وقت آنے والے نے سوال کیا کیا حق تعالیٰ پر اطلاقِ اختراع ہو سکتا ہے؟

میں نے اس سے کہا حق تعالیٰ کا علم بذاتہٖ عین عالم کو اس کا جاننا ہے۔ اس لیے کہ عالم باوجود عدم سے متصف ہونے کے ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا مشہور رہا ہے اور اس کا مشہور ہونا اپنی ذات سے نہیں اس لیے کہ وہ موجود ہی نہ تھا۔ اور یہ مسئلہ ایسا بحرِ ہلاکت ہے جس میں اغوا کرنے والے ایسے لوگ ہلاک ہو گئے۔ جنہیں کشف حاصل حاصل نہ تھا۔

بہر کیف! ایک نسبت سے عالم ازل سے موجود ہے تو اس کا علمِ ازل سے

موجود ہوگا اور اُس کا علم بنفسہٖ اُسے عالم کا علم ہے تو عالم کے ساتھ اُس کا علم ازل سے موجود ہے۔

پس حق تعالیٰ جل شانہٗ کو عالم کا علم عالم کے عدم کے حال میں تھا چنانچہ اُس نے اسے اپنے علم کی صورت میں پیدا فرمایا۔ تاہم اُس کا بیان کتاب کے آخر میں آئے گا۔ اور یہ قدر کا ایک راز ہے جو اکثر محققین سے پوشیدہ ہے۔

اندریں صورت عالم میں اختراع کی بات درست نہیں تا کہ ایک وجہ سے اختراع کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر اس وجہ سے نہیں ہوتا جس کا اقتضاء حقیقتِ اختراع کرتی ہے کیوں کہ یہ امر جناب الٰہی میں نقص کی طرف سے جاتا ہے پس لفظ اختراع صرف عبد میں کہنا درست ہے۔

اختراع کون کرتا ہے؟

یہ امر اس طرح ہے کہ درحقیقت مخترع اختراع نہیں کرتا یہاں تک کہ پہلے اُس مثال کی اختراع کرے جس کے اظہار کی مراد کو فی نفسہٖ وجود میں لاتا ہے پھر جس چیز کی مثل اُس کے علم میں تھی اُسے قوتِ عمل سے وجودِ حسی کی طرف اُس شکل پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اب جبکہ وہ کسی چیز کو فی نفسہٖ پہلے اختراع نہیں کرتا تو وہ حقیقتہً مخترع نہیں ہوگا۔

پھر جب تجھے اُس امر پر قدرت حاصل ہو جائے جس کا علم تجھے کسی دوسرے شخص سے ہوا اور اُس کی شکل کی ترتیب کی مثل وجود میں ظاہر نہیں ہوتی تو جب بھی تجھے اُس کا علم تو ہو ہی چکا ہے جسے تو نے اپنے علم کے مطابق وجود کی صورت میں ظاہر کر دیا۔

اندریں صورت نفس الامر میں تو اپنی ذات کے نزدیک اُس چیز کا مخترع نہیں اور نہ ہی تو نے اُس کی اختراع کی ہے۔

چنانچہ فی الحقیقت مخترع وہ ہو سکتا ہے جو فی نفسہٖ اس چیز کی مثال کی اختراع کرے اور پھر تجھے اس کا علم عطا کرے اور اگر لوگ اس اختراع کی نسبت تیری طرف محض اس لیے کر دیں کہ تیری تیار کردہ چیز تجھ سے پہلے انہوں نے کہیں نہیں دیکھی تو تجھے ان کی باتوں پر دھیان نہ دینا چاہیئے جو تیرے امور کو نہیں جانتے بلکہ تجھے اس امر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جسے تو بذاتہٖ جانتا ہے۔

خدا کا تدبیرِ عالم فرمانا اختراع نہیں ہے۔

جان لیں کہ حق سبحانہ، تعالیٰ نے اس شخص کی طرح تدبیرِ عالم نہیں کی جسے کچھ حاصل نہ ہوا اور نہ ہی اس نے جہان کو پیدا کرنے میں غور و فکر سے کام لیا ہے اور نہ ہی یہ امور اس کی ذات والا صفات کے لیئے جائز ہیں۔ اور نہ ہی فی نفسہٖ اس نے کسی ایسی چیز کی اختراع فرمائی ہے جس پر وہ پہلے موجود نہ تھی اور نہ ہی فی ذاتہٖ اس نے یہ فرمایا ہے کہ میں اس چیز کو ایسے اور ایسے بناؤں گا، لہٰذا یہ تمام صورتیں اس کی ذاتِ پاک کے لیئے جائز اور درست نہیں۔

ضروریاتِ اختراع:۔

جاننا چاہیئے کہ اختراع کرنے والا پہلے موجودات میں موجودہ متفرق اجزاء کو حاصل کرتا ہے پھر اپنے ذہن دہیت میں ان اجزاء کی اس طرح تالیف کرتا ہے۔ کہ قبل ازیں اس کی مثل اس کے علم میں نہ تھی اور اگر تھی بھی تو کچھ حرج نہیں کیونکہ یہ اس پہلے شخص کی طرح ہے جس پر کسی نے سبقت حاصل نہیں کی جیسا کہ شعراء اور فصحاء حضرات اختراعِ معانی میں حسنِ نگارش کا اہتمام کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اختراع کو ان معنوں میں بھی لیا جاتا ہے کہ کسی کی اختراع کردہ چیز کا اس سے پہلے بھی کوئی مخترع ہو جب سننے والا اس کے بارے میں سنے تو اسے سرقہ اور چوری کا گمان کرے،،

پس اگر مخترع اپنی اختراع سے لذت اندوز ہونے اور تمتع حاصل کرنے کا خواہش مند ہے۔ تو اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی پیدا کردہ مخصوص چیز کے علاوہ کسی چیز پر نظر رکھے اِس لیے کہ اگر مخترع ایسی چیز کو دیکھے گا جو اس سے پہلے ہی اختراع کی جا چکی تھی اور اس نے بعد میں اختراع کی ہے تو بسا اوقات یہ امر اُسکی ہلاکت اور جگر پھٹ جانے کا باعث بھی ہو جاتا ہے۔

اکثر علماء بلغاء ریاضی دان، بڑھئی اور معمار کاریگر اختراع کیا کرتے ہیں اور بہت سے مخترعین کی فطرت میں ذکاوت ہوتی ہے اور وہ اپنے عقول پر کامل تصرف رکھتے ہیں چنانچہ حقیقتِ اختراع اُس شخص پر درست ہو گی جو کسی ایسی چیز کو اپنی فکر سے نکالے جو اُس کے علم میں اس سے پہلے نہ تھی، اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے پہلے قوت یا قوت و فعل کے ساتھ اُس کا علم ہو خواہ ان علوم ہی سے کیوں نہ ہو جنکی غایت وانتہاء عمل ہے۔

علمِ الٰہی ازلی ہے۔

اس کے برعکس اللہ جلّ شانہٗ، عالم کو ازل ہی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جانتا ہے اور اس پر یہ حالت کبھی نہیں آتی جس میں اُسے اِس عالم کا عِلم نہ رہا ہو پس اُس نے فی نفسہٖ ایسی کوئی چیز اختراع نہیں فرمائی جس کا اُسے عِلم نہ ہو۔

اب جبکہ علماء باللہ کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ کا عِلم پاک قدیم اور ازلی ہے تو ثابت ہوا کہ اُس نے بالفعل ہماری اختراع فرمائی ہے نہ کہ اُس نے فی نفسہٖ ہماری مثال کی اسطرح اختراع فرمائی ہے جو اُس کے علم کی صورت میں ہے کیونکہ ہمارا وجود اس حد پر تھا جو اُس کے علم میں ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم وجود کی طرف اُس حد پر نکلتے جو اُس کے علم میں نہ ہوتی اور جو بات اُس کے علم میں نہ ہوتی اُس کا وہ ارادہ نہ فرماتا اور جس چیز کا وہ ارادہ نہ فرماتا اور اُس کا علم نہ رکھتا تو اُسے پیدا نہ فرماتا۔

بندریں صورت ہماری موجودگی دو طرح پر ہو سکتی تھی یا تو یہ کہ ہم خود بخود AUTOMATIC پیدا ہو جاتے یا اتفاقاً پیدا ہو جاتے "اور اگر ایسا ہوتا تو ہمارے وجود کا عدم سے آنا درست نہ ہوتا حالانکہ ہمارے عدم سے وجود میں آنے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم میں ہونے پر برہان و لایت کرتی ہے کہ اُس نے ہمیں وجود دینا چاہا تو ہمیں اُس صورت ثانیہ پر پیدا فرمادیا جو ہمارے ساتھ اُس کے علم میں تھی اور ہم اپنے اعیان و وجودات میں معدوم تھے۔

اب جبکہ مثال میں اختراع نہیں تو صرفِ اختراعِ فعل باقی رہ جائے گی اور یہ امر عین میں موجود مثال کے عدم اور نہ ہونے کی بناء پر درُست ہے۔

پس جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اسکی تحقیق کریں اور بعد میں جو کہنا چاہیں کہہ لیں اگر چاہیں تو اُس کا وصف اختراع اور مثال کے ساتھ بیان کریں اور اگر چاہیں تو اس امر کی نفی کریں جس کی نفی ہوئی ہے۔ مگر یہ بات اُس وقت کریں جب اُس امر پر واقفیت حاصل کریں جو میں آپ کے علم میں لایا ہوں۔

تیسری فصل

علم، عالم، اور معلوم کے بیان میں

اَلعِلمُ وَ المَعلُومُ وَالعَالِمُ
ثَلَاثَةٌ حُکمُهُمُ وَاحِدٌ
وَاِن تَشَآءَ اَحکَامُهُم مِثلُهُم
ثَلَاثَةٌ اَثبَتَهَا الشَّاهِدُ
وَصَاحِبُ الغَیبِ یَرٰی وَاحِدَ
لَیسَ عَلَیهِ فِی العُلیٰ زَائِدٌ

علم و عالم اور معلوم تینوں کا حکم ایک ہے۔

اگر آپ چاہیں تو ان کی مثل ان کے تین حکم شاہد یعنی حاضر نے ثابت کیئے ہیں اور صاحب غیب ان تینوں کو ایک دیکھتا ہے بلندی میں اس پر زائد نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی مدد فرمائے جان لیں کہ علم کسی امر کو دل کا اس کی اس حد پر حاصل کرنا ہے جس پر وہ امر فی نفسہٖ ہے خواہ معدوم ہو۔ یا موجود۔

پس علم وہ صفت ہے جو دل سے حاصل کرنے کو واجب کرتی ہے اور عالم وہ دل ہے جس سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور معلوم وہ امر ہے جسے حاصل کرنا ہے جبکہ حقیقت علم کا تصور انتہائی مشکل امر ہے لیکن حصول علم کے لیئے کمربستہ رہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ظاہر ہوگا۔

دل کا آئینہ؛

جان لیں کہ دل مرأتِ مصقولہ یعنی صیقل کیا گیا آئینہ ہے اور تمام کا تمام چہرہ ہے جو کبھی زنگ آلود اور مکدر نہیں ہوتا اور اگر کسی روز اس پر زنگ آلود ہونے کا اطلاق ہو جائے تو حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ذکرِ الٰہی اور تلاوت قرآن سے مُصفا کریں۔ حدیث شریف ہے۔

اِنَّ الْقُلُوْبَ لَتَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِنَّ جَلَاءَهَا ذِكْرُ اللّٰهِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ

یعنی دل لوہے کے زنگ کی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں تو ان کی صفائی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت سے ہوتی ہے۔

ولیکن اس ذکر الحکیم سے مراد یہ زنگ نہیں کہ دل کے چہرے پر زنگ آجاتا ہے ہاں جب وہ علم باللہ سے اسبابِ علم کے ساتھ مشغولیت اور تعلق پیدا کر لیتا ہے تو اس غیر اللہ کے تعلق سے دل کی تہہ پر زنگ آجاتا ہے کیونکہ غیر اللہ سے یہ تعلق اس دل کی طرف آنے والی حق تعالیٰ کی تجلی کو روک دیتا ہے چونکہ حضرتِ یہ علی الدوام متجلا ہے اور اُس کے حق میں ہم سے حجاب کا تصور نہیں کیا جا سکتا چنانچہ یہ دل خطاب شرعی محمود کی جہت سے اُسے قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ اُس غیر کے زنگ کو قبول کر چکا ہے اور اس پر قفل لگ چکا ہے اور اندھا پن وغیرہ آچکا ہے۔

مگر حق تعالیٰ تجھے اپنے پاس سے علم عطا فرماتا ہے۔ ولیکن اُس کے علم میں غیر اللہ ہے جبکہ علماء کے نزدیک نفس الامر میں وہ علم باللہ ہے اور ہمارے قول کی تائید اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ (حم السجدہ ایت ۵)

اور بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں اُس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔

چنانچہ وہ اُس امر سے پردے میں تھے جس کی طرف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصیت سے دعوت دیتے تھے نہ یہ کہ وہ کسی پردہ میں تھے۔ لیکن انہیں اُس امر سے تعلق پیدا ہو گیا تھا جس کی دعوت نہیں دی جاتی تھی۔

پس وہ اُس امر کے ادراک سے نابینا ہو گئے تھے جس کی طرف سے دعوت دی جاتی تھی اور انہیں کچھ نظر نہ آتا تھا اور دل تو ہمیشہ جلاء مصقولہ صافیہ پر شگفتہ ہیں اور ہر وہ دل جس میں حضرتِ الٰہیہ کی تجلّی وارد ہوتی ہو یاقوتِ احمر کی طرح ہے۔ اور وہ تجلی ذاتی ہے تو یہ قلبِ مشاہد ایسا کمل اور عالم ہے جسکے اُوپر تجلیات میں سے کوئی تجلی نہیں اسکے نیچے تجلّی صفات اور دونوں کے نیچے تجلّیٔ افعال ہے اور جس پر کوئی تجلی وارد نہ ہو وہ دل اللہ تعالیٰ سے غافل اور قربِ الٰہی سے مردود مقرر کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے قلب کے بارے میں جس حد پر ہم نے ذکر کیا ہے اس پر غور کریں اور دیکھ لیں کہ آپ اسے علم مقرر کرتے ہیں تو یہ درست نہیں اگر آپ کہیں کہ یہ صفات ذاتیہ ہے تو اس کے لئے کوئی راہ نہیں۔ ولیکن یہی سبب ہے جیسا کہ دل کے لئے ظہور معلوم سبب ہے۔

اگر آپ کہیں کہ سبب وہ ہے جو دل میں معلوم حاصل کرتا ہے تو یہ بھی راہ نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں معلوم سے نفس میں مثال منقوش و منطبع ہوتی ہے اور یہ معلوم کا تصور ہے تو یہ بھی طریق نہیں۔

عِلم کیا ہے۔

اگر آپ سے کہا جائے کہ علم کیا ہے تو کہیں کہ

ادراک کرنے والے کا اُس حد پر ادراک کرنا جس پر وہ فی نفسہٖ ہے جبکہ اس کا ادراک غیر ممتنع ہو اور جس کا ادراک ممتنع نہ ہو تو اُس کا ادراک نہ کرنا ہی عِلم ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

اَلعِجزُ عَن دَرَکِ الاِدرَاکِ اِدرَاکٌ

یعنی درک الادراک سے عاجز آنا ہی ادراک ہے۔

پس مقرر کیا گیا کہ علم باللہ وہ ہے جس کا ادراک نہ کیا جاسکے۔ اسے جان لیں ولیکن اُس کا ادراک کسب عقل کی جہت سے نہیں جیسا کہ بغیر اُس کے اس کا جاننا ہے۔ تاہم اُس کا ادراک اس کے جود و کرم اور اُس کی عطا سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل شہود و مشاہدہ عارفوں کو اُس کی معرفت حاصل ہے۔ اور یہ معرفت مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ نظر کی حیثیت سے قوتِ عقل کے ساتھ

کیا خدا کی مناسبت مخلوق سے ہے؟

اب جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کسی امر کا علم معرفت کے سوا حاصل نہیں ہوتا جو دوسرے امر کے ساتھ اُس معرفت سے قبل تھا تو لازماً اُس سے دونوں معروفوں کے درمیان مناسبت ہو گی اور یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُسکی مخلوق کے درمیان کوئی مناسبت اس مناسبت کی جہت سے موجود ہی نہیں جو اشیاء کے درمیان ہوتی ہے اور یہ مناسبت جنس نوع یا شخص کی مناسبت ہے

پس ہمیں کسی چیز کا متقدم اور پہلا علم نہیں جسکے ساتھ ہم ذاتِ حق کا ادراک کر سکیں۔ اس لیئے کہ ادراک کے لیئے دونوں کے درمیان مناسبت ہونا چاہیئے اسکی مثال یوں ہے کہ ہم نے افلاک کی طبیعت کو جانا کہ یہ طبیعت خامسہ ہے اور اگر ہمیں امہات اربع کا علم پہلے نہ ہوتا تو ہرگز ہرگز نہ جان پاتے۔

پس جب ہم نے دیکھا کہ افلاک ان طبائع نے اُس حکم کے ساتھ خارج ہے کہ وہ ان اُمہات سے نہیں تو ہمیں علم ہو گیا کہ حرکت علویہ کی جہت سے جو اثیر ہوا اور سفلیہ میں پانی اور مٹی میں ہے افلاک پانچویں طبیعت ہے۔ اور افلاک و امہات جوہریہ کے درمیان سو کہ ایک جنس ہیں کل اور نوعیت کی جامع مناسبت ہے تو یہ نوع ہے

جیساکہ جنسِ واحد کے لیئے ایک نوع ہو اور ایسے ہی شخصیت ہوتی ہے اور اگر یہ تناسب نہ ہوتا تو ہم علمِ طبائع سے مزاجِ فلک کو نہ جان پاتے ۔

بہرکیف باری تعالیٰ اور عالم کے درمیان ان وجوہ سے کوئی مناسبت نہیں تو اُسے علمِ سابق کی بناء پر بغیر اُس کے کبھی نہیں جانا جاسکتا جیساکہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ غائب پر شاہد کا استدلال علم وارادہ اور کلام وغیرہ سے ہوتا ہے ۔ پھر وہ اپنی ذات پر محمول کرتے ہوئے اُس کا قیاس کرنے کے بعد اُسکی تقدیس وپاکیزگی بیان کرتا ہے ۔

اللہ تعالےٰ کو جان لینا کیسے ہے ۔

جو بات ہمارے علم باللہ تعالیٰ اور ہمارے مذہب کی مؤید ہے وہ یہ ہے کہ علم حسبِ معلوم مترتب ہوتا ہے اور حسبِ انفعالِ معلوم اپنی ذات میں اپنے غیر سے منفصل ہوتا ہے اور وہ چیز جس کے ساتھ معلوم منفصل اور علیحدہ ہوتا ہے یا تو جوہریت کی جہت سے ذات ہوگی جیساکہ عقل یا نفس یا پھر اپنے مزاج کی جہت سے ذات ہوگی۔ جیساکہ حرارت اور آگ کا جلانا ہے ۔

تو جس طرح عقل نفس سے اپنی جوہریت کی جہت سے علیحدہ ہے ایسے ہی آگ اپنے غیر سے الگ ہے جیساکہ ہم نے اس کا ذکر کیا ۔

اب یا تو وہ اُس سے بذاتہٖ منفصل اور علیحدہ ہے مگر جس کے ساتھ اُس میں وہ معمول ہے یا حال کے ساتھ ہے جیساکہ بیٹھنے والے کا بیٹھنا اور کتابت کرنے والے کا لکھنا اور یا ہئیت کے ساتھ ہے جیساکہ سیاہ کی سیاہی اور سفید کی سفیدی اور یہ اہلِ عقل کے نزدیک مدارکِ عقل کا حصّہ ہے تو خارج کی حیثیت سے عقل کے لیئے اُس سے کوئی معلوم نہیں پایا جاتا جیساکہ ہم نے اُس کا وصف بیان کیا مگر جاننا چاہیئے کہ جو چیز اپنے غیر سے الگ ہوتی ہے یا تو وہ اپنے

جوہر کی جہت سے ہو گی یا اپنے مزاج یا حال یا ماہیت کے اعتبار سے ہو گی اور عقل ایسی کسی چیز کو نہیں پا سکتی۔ جس میں یہ چیزیں نہ ہوں اور یہ چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ میں نہیں پائی جاتیں تو بحیثیت ناظرہ باحثہ کے عقل ہرگز ہرگز اُسے نہیں جان سکتی اور عقل اُسے اُس نظر و برہان کی حیثیت سے جان بھی کیسے سکتی ہے جسکی طرف حس یا ضرورت یا تجربہ کا استثناء ہو، اور باری تعالیٰ جل شانہٗ کا ادراک ان اصولوں سے نہیں ہو سکتا۔ جن کی طرف عقل اپنی برہان میں رجوع کرتی ہے اس وقت اُس کے لیئے برہانِ وجودی درست ہو گی۔

پس اہلِ عقل کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ دلیل کی جہت سے اپنے رب کو جانتا ہے اور باری تعالیٰ جل شانہ کو اُس نے معلوم کر لیا ہے۔

اگر یہ اہلِ عقل، صناعیہ، طبیعیہ، تکوینیہ، انبعاثیہ اور ابداعیہ معقولات کی طرف دیکھتا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے فاعل سے ناواقف ہے تو جان لیتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو دلیل کے ساتھ کبھی نہیں جانا جا سکتا۔ لیکن اتنا علم ہوتا ہے کہ وہ موجود ہے اور عالم اُس کا محتاج ہے اور عالم کی محتاجی ذاتی ہے جس سے اُس کے لیئے ہرگز ہرگز چارہ کار نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

پس جو شخص چاہتا ہے کہ توحید کے لبِ لباب کی معرفت حاصل کرے تو اُسکو کتاب عزیز قرآن مجید میں وارد ہونے والی آیات توحید پر غور کرنا چاہیئے اس لیئے کہ جس قدر کوئی اپنی ذات کو جانتا ہے دوسرا اپنی ذات سے اُس کے بارے میں اتنا نہیں جانتا۔ پس اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنا جو وصف بنفسہ بیان فرمایا ہے اُس پر غور فرمائیں اور اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو یہ تفہیم عطا فرمائے

کہ آپ اُس علمِ الٰہی کی واقفیت حاصل کریں جسکی طرف عقل اپنی فکر سے اَبدَ الآباد تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی۔ ہم اس باب سے ملحقہ باب یعنی باب سوم میں عنقریب توحید کے بارے میں آیاتِ بینات نقل کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان کا فہم نصیب فرمائے اور ان عالموں میں سے بنائے جو اس کی آیات کا شعور رکھتے ہیں۔ آمین۔

باب ۲ دوم کا ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ الطَّاہِرِیْنَ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ملتمسِ دعا!

ناچیز صائم چشتی

باب سوم

قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ادا ہونے والے اُن کلمات کا بیان جن سے تنزیہہ باری تعالیٰ میں تجسیم و تشبیہہ کا اطلاق ہوتا ہے جب کہ ظالم اس چیز کو بڑی برتری کہتے ہیں.

تنزیہہ باری تعالیٰ

فی نظر العبد الی ربه	فی قدس الابلو تنزیهه
وعلوه عن أدوات أتت	تلحق بالکیف وتشبیهه
دلالة تحکم قطعا علی	منزلة العبد وتنویهه
وصحة العلم واثباته	وطرح بدعی" دعویه

تنزیہہ و قدس میں بندے کی نظر اپنے رب کی طرف ہے "

اُس کی بلندی سے کیف و تشبیہہ کے ساتھ آلات و اسباب ملحق ہیں

منزلتِ عبد اور حق کی دوری ایسی دلالت ہے جس کا حکم قطعی ہے "

علم کی صحت و اثبات نے بدعتی اور اُس کے توہمات کو رد کر دیا اور اُس کے

دعویٰ کو پھینکنا ہے "

اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے. جاننا چاہیئے کہ اُس کی بلندی و پستی کی وہ تمام تر معلومات جن کی عقل حامل ہے بغیر واسطہ کے اللہ تعالیٰ سے ماخوذ ہیں پس کائنات کے اعلیٰ و اسفل علم اور نفسِ اشیاء کے وجود کو اُس کی عطا سے معرفت کے حصول پر اُس کے نور و تجلی اور فیضِ اقدس سے بہت

کچھ کر سکتا ہے"

کون کیسے فائدہ اُٹھاتا ہے

عقل حق تعالیٰ سے مُستفید ہو کر نفس کو مُستفید کرتی ہے اور نفس عقل سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اُس کا فعل اُن تمام اشیاء میں جاری ہے جس کے ساتھ اُس کے علاوہ عقل کے جاننے کا تعلق ہے۔

اس کے علاوہ کہنا یہ ہماری اپنی لگائی ہوئی وہ قید ہے جس کا ذکر ہم نے آپ کی نگاہ میں افادہ و تحفظ کے نام سے اللہ تعالیٰ کے اُس قول سے کیا جیسے ہم جانتے ہیں اور وہ عالم ہے تو سبب کو جان لیا۔

جان لیں کہ عالم مُہیم عقلِ اوّل سے کچھ فائدہ نہیں لیتا اور اس کے لئے دو مہیموں پر دلالت کرتا ہے بلکہ وہ اور یہ ایک مرتبہ میں ہیں۔ جیسا کہ قُطب کے حُکم سے افراد ہم سے خارج ہیں۔ اگرچہ افراد سے قُطب ایک ہوتا ہے۔ لیکن عقل اِفادہ کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ افراد کے درمیان قُطب تولیت سے مخصوص ہے اور وہ سوائے عِلمِ مجرّد توحیدِ خاص کے اُس تمام میں جاری ہے جس کا تعلق عقل کے علم سے ہے۔

یقیناً یہ امر جمیع وجوہ سے تمام معلومات کے مخالف ہے اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کے درمیان ہرگز ہرگز مناسبت نہیں، اور اگر ایک رو ز کے لئے مناسبت کا اطلاق ہو جیسا کہ امام ابُو حامد غزالی نے اور دوسروں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے تو یہ تکلّف اور حقائق سے بعید تر چلا گیا۔"

حادث و قدیم کے درمیان کوئی نسبت نہیں پس مُحدث اور قدیم کے

درمیان کون سی نسبت ہے یا یہ کہ اُسے کیسے تشبیہ میں لایا جائے جو مثال کو قبول نہیں کرتا اس کا مثال قبول کرنے والے کے مشابہ ہونا محال ہے یہاں بیان کیا گیا العباس بن عریف صنہاجی نے "محاسن المجالس" میں فرمایا جسکا اُس کی طرف منہ کہ اللہ تعالیٰ کے اور اُس کے بندوں کے درمیان نسبت نہیں سِوائے عنایت کے اور نہ سبب ہے سِوائے حُکم کے اور نہ وقت ہے سِوائے ازل کے اور جو باقی ہے وہ اندھاپن اور تلبیس ہے اور ایک روایت میں اندھے پن کے بالعکس کہا گیا کہ علم ہے۔

پس اُسے دیکھیں جو اِس کلام کا حُسن، اِس معرفت باللہ کا کمال اور اِس مُشاہدہ کا اقدس ہے اور دیگر جو اِن کلمات کے ساتھ کہا۔ اللہ تعالیٰ اُس سے نفع عطا فرمائے۔

عِلم باللہ کا ادراک عقل اور نفس نہیں کر سکتے اور اِس سے عاجز ہوئے مگر اِس حیثیت سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وتقدّس موجود ہے اُس کے ساتھ جو الفاظ مخلوق کے حق میں یا مرکبات وغیرہ کے توہُم میں آتے ہیں تو اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ عقلِ سلیم کی نظر میں اُس کے فکر وعِصمت کے اعتبار سے ہے۔ بخلاف اِس کے کہ اِس پر یہ وہم جائز نہیں اور نہ اِس پر یہ لفظ عقلاً اُس وجہ سے اِس پر جاری ہوتا ہے جسے مخلوقات قبول کرتی ہے۔

یقیناً اِس کا اطلاق سامع کے نزدیک افہام پر ثبوتِ وجُود کے لئے تقریب کی وجہ پر ہوتا ہے نہ کہ اُس حقیقت کے ثبُوت کے لئے جو جنس پر حق ہے تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ ولیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے وعدہ کے ارشاد سے شرعاً واجب ہے کہ اِس کا اقرار کریں۔

جاننا چاہیئے کہ یقیناً لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میری

خبردار اپنی نظر کے موافق جان لو تاکہ علم کیونکہ تمہارا ایمان درست ہو جیسا کہ تیرے لئے خیر البیان
سے وہ علم درست ہے جو تعریف سے قبل ہے تو یہ وہ امر ہے جو بعض لوگوں کی
نظر میں اس امر پہ وعدہ ہے اور ہماری نظر نے اُسے اُس میں نہیں دیکھا تو
اُس کی معرفت کی طرف کیسے پہنچ سکتا ہے۔

پس ہم نے حکم الصفات پر دیکھا اور جو اُس کی عقل کامل کو ممکنہ جدوجہد
کے بعد اُس سے نظر آیا اِس سے اللہ سبحانہٗ کی معرفت کی طرف سوائے اُس کی
معرفت سے عاجز آنے کے کوئی امر نہیں پہنچتا۔ اِس لئے ہم اُس کی معرفت کو
طلب کرتے ہیں جیسا کہ اُس حقیقت کی جہت سے تمام اشیاء کی معرفت
طلب کرتے ہیں جو اِس پر معلوم ہیں۔

پھر جب ہم نے جان لیا کہ وہ موجود ہے اور اُس کے لئے مثال نہیں اور
نہ ہی ذہن میں اُس کا تصور کیا جا سکتا ہے نہ اُس کا ادراک ہو سکتا ہے تو یہ
عقل اُسے کیسے ضبط کر سکتی ہے جو باوجود اُس کے وجود کے ثبوتِ علم کے مجاز نہیں۔

پس ہم جانتے ہیں کہ بے شک وہ اپنی الوہیت میں اکیلا موجود ہے اور
یہ وہ علم ہے جسے ہم سے اُس کی ذات کی اِس حقیقت کے ساتھ دوسرے
عالمین طلب کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ بذاتہٖ جانتا ہے اور وہ عدمِ علم
کے بعد علم ہے جو ہم سے طلب کرتے ہیں جب کہ عقل کی نظر میں مخلوقات میں
کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں اور نہ وہ اِس سے کسی چیز کے مشابہ ہے
جب ہمیں کہا گیا ہے تو جان لیں کہ یہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے جو ہم پر پہلے واجب تھا۔

جو علم ہے اُسے ہم جانتے ہیں اور ہمیں اُس کا علم ہے اور بے شک
ہم اُسے جانتے ہیں جو علم العلم سے پہلے ہم پر واجب ہے۔

الحمد للہ آٹھویں جز تمام ہوئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

الفاظ کی اصلیں

ہم نا قل ہیں کہ اِس کے لئے مطالب کی چار اُمہات ہیں۔

ہَلۡ[۱]، مَا[۲]، کَیۡفَ[۳]، لِمَ[۴]، یعنی کیا، جو، کیسے اور نہیں۔

ہَلۡ اور لِمَ دو بسیط رُوحانی مطلب ہیں۔ دونوں کا ساتھی مَاھُوَ ہے۔ پس ہَلۡ اور لِمَ بسائط کی دو درُست اصلیں ہیں، اِس لئے کہ مَاھُوَ میں خاص ترکیب سے ضرب ہیں اور اِن چاروں مطالب میں وُہ مطلب نہیں پہنچا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اُس کی حقیقت عطا ہونے کی جہت سے سوال کیا جائے کیونکہ علمِ توحید کی معرفت سِوائے اِس کے درُست نہیں کہ جو اِس میں ماسوا اللہ سے پایا جاتا ہے اُس کی نفی کی جائے اِس لئے کہ اُس نے فرمایا ہے۔ "لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ" اِس کی مثل کوئی چیز نہیں اور سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ، یعنی تیرا رَبّ ربُّ العزت اُس چیز سے پاک ہے جس سے اُسے مُتّصِف کرتے ہیں۔ پس علم کا سلب ہونا ہی اللہ کے ساتھ علم ہونا ہے جیسا کہ ارواح کے بارے میں ہم گفتگو نہیں کر سکتے کہ وہ کیسے ہوتے ہیں وہ اِن کیفیتوں سے پاک ہیں، کیونکہ اُن کے حقائق کا اِس عبارت میں تخالف ہے۔

ایسے ہی ارواح پر جن آلات و اسباب کا اطلاق ہوتا ہے جن کیساتھ اُن سے سوال کیا جاتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پر اُن کا اطلاق جائز نہیں، اور نہ ہی اُس توحید پرست محقق کو حق پہنچتا ہے جو اپنے خالق اور بنانے والے کا احترام کرتا ہے کہ وہ اِن الفاظ کا اُس پر اطلاق کرے اِسلئے کہ وہ

اِن مطالب کو کبھی نہیں جان سکتا۔

حق تعالیٰ کا اِدراک نہیں ہو سکتا

وصل پھر ہم نے تمام ماسوا اللہ کو دیکھا تو اُسے دو قسموں پر پایا۔

۱۔ اُس کا ذات کے ساتھ اِدراک کرنا اور یہ محسوس اور کثیف ہے۔

۲۔ اُس کا فعل کے ساتھ اِدراک کرنا تو یہ معقول اور لطیف ہے، اِس مقام پر معقول محسوس سے بلند ہو جاتا ہے

اگر اُس کی ذات کا اِدراک مقصود ہو تو وہ منزّہ ہے چنانچہ سِوائے اِس کے نہیں کہ اُس کا فعل کے ساتھ اِدراک ہو سکے جب کہ یہ مخلوقوں کے اوصاف ہیں۔ اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کا اِدراک نہیں ہو سکتا جیسا کہ محسوس یا اُس کا فعل اور جیسا کہ لطیف یا معقول اِس لئے کہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کے درمیان ہرگز ہرگز مناسبت نہیں کیونکہ وہ ہمارے لئے غیر مدرکہ ہے یعنی ہم اُس کا اِدراک نہیں کر سکتے کہ ہمیں سے محسوس کی مشابہت ہو

مصنوعات صانع کو نہیں جانتیں

اُس کا فعل لطیف امر کے فعل کے مانند نہیں کہ لطیف کے مُشابہ ہے۔ اِس لئے کہ حق تبارک و تعالیٰ کا فعل اشیاء کو پیدا کرتا ہے کسی چیز کا فعل نہیں ہوتا جب کہ لطیف رُوحانی اشیاء سے کسی چیز کا فعل ہے تو دونوں کے درمیان کون سی مناسبت ہو گی۔ اب جب کہ فعل میں مشابہت ممنوع ہے تو ذات میں مشابہت کا ممنوع ہونا زیادہ مناسب ہو گا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس فعل سے کسی چیز کو متحقق کریں تو حسبِ اصناف

مفعولِ صناعی کی طرح اس فعل کے مفعول کو دیکھیں، جیساکہ قمیص اور کرسی۔ ہم نے انہیں اس حال میں پایا کہ یہ اپنے کاریگر کو نہیں جانتیں مگر اُن کی ذات اپنے بنانے والے کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ اُسے اُس کی صنعت سے پہچانا گیا۔

مفعولات کا تعارف

ایسے ہی مفعول تکوینی یعنی فلک اور کواکب اپنے صانع کو نہیں جانتے اور نہ اپنے ترکیب دینے والے کو جانتے ہیں اور وہ نفسِ کلیہ ہے جو اُن پر محیط ہے۔

ایسے ہی مفعول طبیعی ہے جیساکہ معدنیات پیدا ہونا اور نباتات و حیوانات ہیں۔ یہ مفعولِ تکوینی سے طبیعی طور پر کام کرنے والے ہیں، وہ اپنے فاعل سے واقف نہیں ہو پاتے جو کہ فی الحقیقت فلک اور کواکب و ستارے ہیں پس افلاک کا وُہ علم نہیں اور نہ ہی وہ اس کا جسم ہے جسے تُو جانتا ہے اور نہ ہی تیری حس اُس کا ادراک کر سکتی ہے۔ اور سُورج کا اُس کی اپنی ذات میں جسم کہاں ہے جسے ہم اُس کے لئے دیکھتے ہیں۔ یقیناً علم افلاک اُس کی رُوح اور اُس کے اُس ملنے کی جہت سے ہے جو اُس کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نفسِ کلیہ محیط سے بنائے، یہی امر افلاک اور جو افلاک میں ہے، کے ہونے کا سبب ہے۔

ایسے ہی مفعول انبعاثی ہے۔ اس نفسِ کلیہ کا عقل سے مبعوث ہونا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی صورت میں حقیقتِ جبرائیلیہ کا مبعوث ہونا ہے۔ یقیناً وہ قطعاً نہیں جانتا کہ اُس کی بعثت اُس سے ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ اُس کے احاطہ کے تحت ہے اور اُس نے اُس کا احاطہ کر رکھا

ہے۔ اس لئے کہ یہ اُس کی خاطروں سے خاطر ہے۔ تو جو اُس کے اُوپر ہے اور جو اُس میں اُس سے نہیں ہے اُسے کیسے جانے گا۔ سوائے اس کے کہ جو اُس میں ہے اُس سے بھی سوائے ماہیت کے نہیں جانتا۔ پس وہ اُس کی ذات کے ساتھ جانتا ہے نہ کہ دونوں کے سبب کو جانتا ہے۔

ایسے ہی مفعولِ ابراعی ہے۔ یہ ہمارے نزدیک حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے اور ہمارے علاوہ کے نزدیک عقلِ اوّل ہے اور یہ قلم اعلیٰ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی چیز کے بنایا اور وہ ہر مفعول سے اُس کے فاعل کا اِدراک کرنے سے عاجز و قاصر ہے جس کا پہلے ذکر ہوا۔ اس لئے ہر فاعل و مفعول کے درمیان وہ چیز ہے جس سے وہ ضرب مناسبت و مشاکلت ہے جو بیان ہوئی۔

پس اُس سے دونوں کے درمیان مناسبت کی مقدار جاننا ضروری ہے رہا! جوہر یہ یا اس کے علاوہ کی جہت سے ہے جوہر یہ یہ دوسری جہت ہے۔ تو حق تعالیٰ اور مُبدع اوّل کے درمیان مناسبت نہیں۔ پس وہ اپنے فاعل کے ساتھ اُس کے علاوہ اسبابِ مفعول سے اُس کی معرفت سے عاجز ہے اس لئے کہ مفعول اُس چیز سے عاجز ہے جو اُس کے فاعل کے لئے اُس کے اِدراک و علم کی وجہ سے متشابہ ہے۔ پس اس پر غور کریں اور اس کی تحقیق کریں تو بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مُحدَث کے تعلقِ علم سے توحید کے باب میں بہت زیادہ نافع ہے۔

حواسِ خمسہ کا اِدراک

وصل: اِس کی تائید ہمارے اُس بیان سے ہوتی ہے کہ انسان اپنی پانچوں

حِسّیہ قوتوں، شامہ، طائمہ، لامسہ، سامعہ اور باصرہ میں سے کسی ایک قوّت کے ساتھ تمام معلومات کا اِدراک کر سکے۔

باصرہ یعنی دیکھنے کی قوّت نزدیک و دُور سے رنگوں اور تغیرات و اشخاص کا اِدراک کرتی ہے چنانچہ ایک چیز کا ایک میل سے جو اِدراک ہوتا ہے ویسی وہ اُسے دو میل سے نظر نہیں آتی اور اُسے بیس گز کے فاصلہ پر ویسا ہی نہیں دیکھا جاسکتا جو ایک ہاتھ کے مقابل سے دوسرے ہاتھ کی دُوری تک کا اِدراک ہوتا ہے۔

پس جو شخص اُس کو دو میل سے دیکھتا ہے تو اُسے نہیں جانتا کیا ہے جو ایک میل سے دیکھتا ہے تو وہ اُسے پہچانتا ہے کہ وہ انسان ہے یا درخت؟ اور جو بیس گز کے فاصلے پر ہے وہ اُس کے رنگ کو پہچانتا ہے کہ سفید ہے یا سیاہ، اور جس کے ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہے وہ جان لیتا ہے کہ ازرق ہے یا اکمل یعنی اُس کا رنگ نیلا ہے یا سبز، پس ایسے ہی قرب و بعد سے اِس کے مدرکات میں تمام حواس ہیں۔

ہمارے نزدیک اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت کے حصُول کے وقت میں اُسے محسوس نہیں کیا جاسکتا یعنی حِس کے ساتھ اُس کا اِدراک نہیں ہو سکتا تو اُسے حِس کے طریق سے نہیں جان سکتے۔

رہی قوّتِ خیالیہ! تو یہ وہی ضبط کرے گی جو اُسے حِس عطا کرے گی اور یا وہ صُورت ہوگی جو اُسے اُس کے بعض محسوسات پر بعض کو محل کرنے پر فکر دے گا اور یہاں معرفتِ حق کا طریقہ مجھ پر منتہی ہوتا ہے تو یہ اُن کی زبان ہے ہماری زبان نہیں ہے۔ اگرچہ حق ہے لیکن یہ اُن کی طرف منسُوب ہے تو ہم نے اُن سے نقل کیا ہے۔

پس! اِس قوّت کا بڑھنا کیسا ہی ہو اُس کا اِدراک قطعی طور پر حِس سے

نہیں بڑھ سکتا اور بے شک ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کا تعلق باطل ہے تو یقیناً اس کے ساتھ تعلقِ خیال باطل ہوگا۔

قوّتِ مفکّرہ

رہی قوتِ مفکّرہ تو انسان ہمیشہ اُن اشیاء میں غور وفکر کرتا ہے جو اُس کے پاس موجود ہوں اور جو اُسے اوائلِ عقل اور حواس کی جہت سے ملی ہوں، اور ان اشیاء کے بارے میں خزانۂ خیال میں غور وفکر کرنے سے وہ ایک دوسرے امر کو جان لیتا ہے جس کے درمیان اور اُن اشیاء کے درمیان ایک مناسبت ہوتی ہے جن میں اُس نے غور وفکر کیا تھا،

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کی مخلوق کے درمیان مناسبت موجود نہیں لہٰذا فکر کی جہت سے اللہ تعالیٰ کو جان لینا درست نہیں۔ اسی لئے عُلماء کرام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کرنے سے منع کر دیا ہے۔

قوّتِ عقلیہ

رہی قوتِ عقلیہ؟ تو ذاتِ باری تعالیٰ کا ادراک عقل نہیں کر سکتی کیونکہ عقل اُسی امر کو قبول کرے گی جس کا اُسے بدیہی علم ہو یا اُسے غور وفکر نے دیا ہو۔ چونکہ فکر کا ادراکِ الٰہی کر لینا باطل ہے۔ اس لئے عقل کا بھی اُسے ادراک کر لینا باطل ہوگا۔ لیکن عقل کے لئے یہ امر ہے کہ جو کچھ اُس کے پاس ہے اُس کو سمجھے اور اُسے ضبط ومحفوظ کرے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے جو معرفت عطا فرماتا ہے وہ عقل کے سمجھنے سے ہوتی ہے نہ کہ فکر کے طریق سے۔

تو یہ وہ امر ہے جس سے ہم روکتے نہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے یہ معرفت عطا فرما دیتا ہے اور اس کے ادراک کے ساتھ عقل مستقل نہیں ہوتی لیکن اُسے قبول کرتی ہے اور اس پر دلیل وبرہان

تام نہیں ہوتی کیونکہ یہ ادراکِ عقل کے طور کے ورار اور علاوہ ہے۔

پھر ان اوصافِ ذاتیہ کو عبادت میں لانا ممکن نہیں کیونکہ یہ تمثیل و قیاس سے خارج ہیں، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں۔

اور ہر وہ عقل جس پر اس معرفت سے کوئی چیز کشف نہیں ہوئی دوسری عقل سے سوال کرتی ہے جس پر اس سے کوئی امر منکشف ہوا ہو اور اس عقل میں قوت نہیں ہوتی کہ اس سے عبادت کا سوال کیا جائے اور نہ ہی اس میں ممکن ہوتا ہے۔

اس لئے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ درک الادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک کر لینا ہے۔

اور اس کلام کے لئے دو مرتبے ہیں۔ پس غور فرمائیں اور سمجھ لیں کہ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنی فکر و نظر سے اپنی عقل کے ساتھ تلاش و طلب کرتا ہے وہ سرگردانی میں پڑا ہوا ہے۔ اس کے حسبِ حال یہی ہے کہ وہ اس امر کو قبول کرے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے پس اس پر غور کریں۔

قوتِ ذاکرہ

رہی قوتِ ذاکرہ، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کو جان لینے کا کوئی راستہ نہیں کیونکہ یہ قوت محض اس امر کو یاد دلاتی ہے جو عقل کے علم میں تھا پھر اس سے غفلت ہوئی یا اسے بھول گئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف قوتِ ذاکرہ کے لئے بھی راہ نہیں جب کہ انسان کے مدارک کا انحصار انہی امور پر ہے جو اس کے ساتھ ہیں اور یہ وہ ہیں جو اس کی ذات نے اسے دیئے اور انہی میں اس کا کسب ہے اور کچھ باقی نہیں مگر وہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت کو قبول کرنے کے لئے عقل

اُسے عطا کرتی ہے۔ تو وہ دلیل کی جہت سے سوائے معرفتِ وجود کے کبھی نہیں جانا پہچانا جا سکتا۔ کیونکہ اکیلا وہی معبود ہے دُوسرا نہیں۔

اور انسان کے لئے کبھی بھی ایسا ممکن نہیں کہ وہ ایسی چیز کا ادراک کر سکے جو اُس میں موجود نہ ہو اور اگر وہ چیز اُس میں نہیں تو اُس کا کبھی وہ ادراک کر سکتا ہے اور نہ اُسے پہچان سکتا ہے۔

تو جب وہ کسی چیز کو نہیں پہچان پاتا مگر اُس کو جو اُس میں وہ چیز یا اُس کی مثل موجود ہوتی ہے اُسے پہچانتا ہے اور وہ اُسے پہچانتا ہے۔ جو اُس کے مشابہ اور ہمشکل ہو۔

جب کہ باری تعالیٰ جَلّ مَجدُہٗ الکریم نہ تو کسی چیز کے مشابہ ہے اور نہ ہی کسی چیز میں اُس کی مثل ہے تو اُس کی پہچان کبھی نہیں ہو سکتی۔

اور ہمارے بیان کی تائید اِس اَمر سے ہوتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا کہ اشیاءِ طبعیہ غذا کو قبول نہیں کرتیں مگر اپنی ہم شکل اشیاء سے اور جو اُن کی ہم شکل نہیں اُن سے قطعی طور پر غذا کو قبول نہیں کرتیں۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ معدنیات و نباتات اور حیوانات میں سے موالد چار طبائع سے مرکب ہیں اور موالدِ غذا کو قبول نہیں کرتے مگر انہی طبائع سے کیونکہ اُن میں اِس سے اُن کا حصہ ہے۔

اور اگر خلقت میں سے کوئی اِن طبائع سے ترکیب کردہ اپنے جسم کی غذا کسی ایسی چیز سے بنائے جو اِن طبائع کے علاوہ ہو یا اِن سے مرکب نہ ہو تو اُسے اِس کی استطاعت نہیں۔

تو جیسے اجسامِ طبعیہ سے کسی چیز کے لئے غذا کو قبول کرنا ممکن نہیں سوائے اُس چیز کے جو اُن طبائع میں سے ہے جس سے وہ ہیں ایسے ہی کسی کے لئے ہرگز ہرگز یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسی چیز کو جان لے جس کی مثل اُس میں نہیں۔

کیا آپ نے نفس کو نہیں دیکھا کہ وہ عقل سے اسی اَمر کو قبول کرتا ہے جس میں اُس کا تشارک و تشاکل ہے اور جس میں اُس کی مشارکت نہیں اُسے کبھی نہیں جان سکتا چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے اِس میں کوئی چیز نہیں تو اِس پر وجُوہ سے کوئی وجہ بیان کرنا جائز نہیں اور اُسے کوئی بھی اپنی ذات اور فکر سے نہیں جان سکتا۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ عقلوں سے بھی ویسے ہی پوشیدہ ہے جیسے آنکھوں سے پردے میں ہے اور علماءِ اعلیٰ بھی اُسے ویسے ہی تلاش کرتے ہیں جیسے تم تلاش کرتے ہو۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ادراک نہ تو عقل اپنی فکر کے ساتھ کر سکتی ہے اور نہ آنکھ اپنی بصیرت کے ساتھ کر سکتی ہے جیسا کہ آنکھ اُسے نہیں دیکھ سکتی تو ہم اِس سے پہلے اپنے باب میں اِس کی طرف اشارا کر چکے ہیں پس اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں یہ الہام کیا اور ہمیں اُس اَمر کا علم دیا جسے ہم نہیں جانتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے۔

ایسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کریں اور مماثلت و مشابہت کی نفی کرنا چاہیئے اور فرقہ مُشبّہ سے جو بھی گمراہ ہُوا وہ تاویل سے ہُوا ہے۔ اُن لوگوں نے آیات و اخبار میں وارد ہونے والے اُس اَمر کو بغیر اُن میں نظر کیے کہ اُن میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ واجب ہوتی ہے فہموں کی طرف سبقت کرنے والی مشابہت پر محمول کر لیا۔"

تو یہ اَمر اُنہیں جہالت محض اور کفر صریح کی طرف کھینچ کر لے گیا۔ اور اگر وہ لوگ سلامتی کے طلب گار ہوتے تو اُن آیات و اخبار کے مفاہیم کو بغیر کسی چیز کی طرف لوٹانے کے اُسی حال پر چھوڑ دیتے جس پر وہ آتی تھیں اور اُن کا علم

اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرتے ہوئے کہتے ہم نہیں جانتے تو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کافی ہوتا یعنی اُس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

جب اُن کے پاس ایسی کوئی حدیث آئے جس میں تشبیہہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فلاں چیز کے مشابہ ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کی مشابہت کی نفی فرمائی ہے تو اس کے سوا اُس حدیث میں کوئی اَمر باقی نہیں رہتا کہ اس میں وجوہِ تنزیہہ سے کوئی وجہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ امر اس لئے آیا ہے کہ عربی زبان کو سمجھا جاسکے جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اور آپ حدیث اور آیت میں کبھی ایک جملہ اور ایک لفظ ایسا نہیں پائیں گے جو تشبیہہ میں نص کی صورت آیا ہو اور عربوں کے نزدیک وہ اس کی متعدد وجوہ پر حمل نہ ہوتا ہو۔

اِن میں سے وہ جملہ یا لفظ بعض کے نزدیک تشبیہہ کی طرف اور بعض کے نزدیک تنزیہہ کی طرف لوٹتا ہے تو تاویل کرنے والے کا اُس لفظ کو تشبیہہ کی طرف لوٹانا اُس پہ زبردستی اور جور کرنا ہے اس لئے کہ اُس لفظ کو زبان وضع کرنے سے جو حق دیا گیا تھا اُس نے ادا نہیں کیا۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ پر ظلم و تعدّی کرتا ہے کہ اُس کی پاک ذات پر ایسا لفظ حمل کیا جائے جو اُس کی شان کے لائق نہیں۔

اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بعض ایسی احادیث بیان کریں گے جن میں تشبیہہ وارد ہوئی ہے اور اُن میں تشبیہہ کی نص نہیں:

اللہ تعالیٰ کی اُنگلیاں

پس حجتِ بالغہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو آپ سب کو ہدایت فرمائے

اُن میں سے ایک حدیثِ پاک یہ ہے۔

قَلْبُ المؤمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اِصَابِعِ اللّٰہِ۔

مومن کا دِل اللہ تعالیٰ کی اُنگلیوں سے دو اُنگلیوں کے درمیان ہے۔

چنانچہ حقیقت و مجاز کے وضع کرنے سے جو اَمر مقتضی ہے اُس کے اور عقل کی نظر کے مطابق اللہ تعالیٰ پر عضو کا اطلاق محال ہے۔

اَصبع کا لفظ مشترک ہے اس کا اطلاق عضو پر بھی ہوتا ہے اور نعمت پر بھی ہوتا ہے، چرواہے نے کہا۔

صنعیف العصا بادی العروق تری لہ
علیھا اذا ما امحل الناس اصبعا

جب لوگوں پر قحط وارد ہوا تو اُن کی رگیں کمزور عصا کی طرح نظر آنے لگیں اور تو اُس شخص کے لئے دیکھے گا کہ وہ بہتر ہے۔ تو یہاں اِصبع سے مراد نعمت لی گئی ہے اُس نے کہا کہ تو اُس پر نعمت کا اثر حُسن نظر سے دیکھے گا۔

عرب کہتے ہیں۔

مَا اَحْسَنَ اِصْبَعَ فُلَانٍ عَلیٰ مَالِہٖ

یعنی فلاں شخص کی اپنے مال پر کتنی اچھی اِصبع ہے تو اس جگہ بجائے اُنگلی کے "اِصبع" کا معنیٰ اچھا اثر لیا گیا ہے۔

تو جیسے اُنگلیاں اپنے چھوٹے حجم اور کمال قدرت سے پھیریں۔ وہ چیز سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ پھرتی ہے اور اُنگلیوں کا حرکت دینا ہاتھ وغیرہ کے حرکت دینے سے تیز ہوتا ہے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں عربوں کے لئے زیادہ فصاحت سے فرمایا تاکہ وہ اُس کا شعور کر سکیں اس لئے کہ ہمارے نزدیک پھیرنا ہاتھ کے سوا نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے انگلیوں کے ساتھ پھیرنا مقرر فرمایا۔ کیونکہ پھرنے کا عمل ہاتھ سے ہاتھ میں ہوتا ہے اور انگلیوں کی تیزی زیادہ ممکن ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا!

"یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ"

یعنی اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا دلوں کو پھیرنا یہ ہے جو وہ اُن میں اچھی یا بری بات ڈالتا ہے۔ پس جب انسان اُن خطراتِ مبہم کو محسوس کرتا ہے جو اس پر اُس کے قلب میں متعارض ہیں تو یہی امرِ حق کے دل کو پھیرنے سے عبارت ہے اور انسان اس پر قادر نہیں کہ اپنی ذات سے اُس کے علم کو دور کر سکے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

اس حدیث کو آپ کی ایک زوجۂ مطہرہ نے سُنا تو عرض کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ خوفزدہ ہیں؟

آپؐ نے فرمایا!

قلب المومن بین اصبعین من اصابع اللہ

یعنی مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ایمان کے تیزی سے کفر کی طرف پھرنے کی جانب اشارہ فرمایا ہے اور اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ پس اُسے اُس کے گناہ اور اس کے تقوے کا الہام کرتا ہے۔ یہ الہام وہ پھرنا اور انگلیوں کی سرعت ہے اور اُس کے لیئے دو انگلیاں فرمانا اچھی طبیعت اور بری طبیعت کے لیے ہے۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا ہے جو انگلیوں کے بارے میں بیان ہوا تو اب اس امرے اِصبع کے معنیٰ نعمت اور عُضو اور اچھا اثر کو سمجھ لیں۔

پھر آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ عُضو کا الحاق کیسے کرتے ہیں جبکہ اس کی طالب دیگر منزّہ وجوہات ہیں تو اس امر میں ہمارے لیئے خاموشی بہتر ہے اور چاہیئے اس کہ علم کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے مرسل رسول اور الہام کیئے گئے ولی کو سپرد کر دیں جنہیں حق تعالیٰ نے لفظ کے معنیٰ نفی عضو کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے ہم پر غلبہ حاصل کرئے تو ہم اُس تجسیم وتشبیہ کے قائل کا رد کریں تو وہ بے مقصد نہ ہوگا۔

بلکہ صاحب علم پر فرض ہے کہ ایسے موقعہ پر اس نقطہ میں اُن وجوہات کو بیان کرئے جو تنزیہہ پر دلالت کرتی ہیں۔ تاکہ تجسیم کے ذلیل ورسوا قائل کی دلیل باطل ہو جائے اللہ تبارک وتعالیٰ ہم پر اور اُس پر بخشش فرمائے اور اُسے اسلام نصیب کرے جب ہم اس کلمہ پر گفتگو کریں کہ جس پر تشبیہہ کا وہم ہوتا ہے تو لازماً ہم اُسے اُس شرح کی طرف لوٹائیں گے جو اللہ تعالیٰ سبحانہ کے لائق اور یہ وضع میں عقل کا بہترین حصہ ہے۔ جس کا اقتضاء عقل کی نظر کرتی ہے۔

اِصبعان، یعنی دو انگلیاں کمالِ ذاتی کا وہ راز ہیں جو قیامت کو کھلے گا تو انسان اپنے

کافر باپ کو جہنم کی آگ میں پھینکے گا۔ تو اُسے اُس کا کچھ رنج والم نہ ہوگا اور نہ ہی وہ اُس پر شفقت کرے گا۔

ان دو انگلیوں کے راز سے جن کا معنی متحد اور لفظ دو ہے تو جنت اور دوزخ کو پیدا کیا گیا اور منور و مظلم اور منعم و منتقم اسماء کا اظہار ہے تو اُسے دس انگلیوں میں سے دو نہ خیال کرو اور اس باب میں اس راز کی طرف ، حلتا یدیہ یمین میں لازماً اشارہ کیا جائے گا

کیونکہ اہل جنت کے لیئے دو نعیم ہیں۔

ایک نعیم جنت میں ہے اور اُن کے لیئے دوسرا نعیم اہل جہنم کو آگ کے عذاب سے ہے۔

ایسے ہی اہل جہنم کو دو عذاب ہیں اور دونوں فریق اللہ تبارک و تعالیٰ کا مشاہدہ اسماء کی رویت سے کریں گے۔ جیسا کہ دنیا میں مساوی اور برابر تھے۔ اور حضورؐ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے حق تعالیٰ کے حق میں جن دو قبضوں کا بیان آیا ہے اُس راز اور اُس کے معنی کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور اللہ حق فرماتا اور راہ ہدایت پر چلاتا ہے۔

قبضہ اور یمین ؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ[1]

اور اُس کا قبضہ تمام زمین کو سمیٹ دے گا اور اُس کا یمین تمام آسمانوں کو لپیٹ دے گا۔

بے شک اللہ سبحانہ، نے پہلے روک دیا ہے کہ اُس کی تقدیر قدر ہے۔ اس لئے اہلِ تجسیم وتشبیہہ نے اُن آیات واخبار کے ورُود کے وقت جو وجہ اِن وجوہ سے ہے عقلوں کی طرف سبقت کی۔ پھر اس تنزیہہ کے بعد وہ کہا جس کا شعور سِوائے عالموں کے نہیں ہوتا۔

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ " کو ہم —— عربی زبان کی وضع پر جانتے ہیں۔

---

[1] الزمر آیت ۶۷

جب میں کہتا ہوں : فلاں میرے قبضہ میں ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ فلاں میرے حکم کے تحت ہے۔ اگرچہ میرے ہاتھ میں اُس سے کوئی چیز نہیں لیکن میرا اُمر اُس میں گزرا ہوا ہے اور میرا حکم اُس پر میرے اُس حکم کی طرح فیصلہ کرنے والا ہے۔ جس کی ملکیت اور قبضہ میرے ہاتھ میں محسوس ہوتا ہے۔

ایسے ہی میں کہتا ہوں میرا مال میرے قبضہ میں ہے۔ یعنی میری ملکیت اور میرے تصرّف میں ہے اور اُس میں تصرّف کرنے پر متمکن ہوں۔ یعنی وہ مجھے روک نہیں سکتا اور جب وہ تصرّف کرے گا اُس وقت اُس میں میرا تصرّف ہوگا۔ اگر میں کہتا ہوں کہ وہ میرے قبضے میں ہے تو اُس میں میرا تصرّف ہے اگرچہ میرے بندے میری اجازت سے اُس میں متصرّف ہوں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ پر جارحہ محال ہے تو عقل رُوح کے قبضہ کی طرف پھرے گی اور اس کا معنی اور فائدہ ہوگا اور وہ مُلک ہے جس پر اس کا فی الحال قبضہ ہے اور اگرچہ اُس کے لئے نہیں ہوگا یعنی قابض کے لئے نہیں کہ جس میں اُس پر کسی چیز کا قبضہ ہے ولیکن وہ قطعی طور پر قبضہ کی ملکیت میں ہے۔

ایسے ہی دُنیا حق تعالیٰ کے قبضے میں ہے اور زمین دارِ آخرت میں بعض املاک کا تعین ہے۔ جیسا کہ میں کہتا ہوں میرا خادم میرے قبضہ میں ہے۔ اگرچہ میرا خادم من کے جُملہ سے میرے قبضہ میں ہے۔ سوائے اِس کے نہیں کہ اس کا ذکر وقوعِ نازلہ کے لئے مامخصوص ہے اور یمین ہمارے نزدیک مُطلق مضبوط تصریف کا محل ہے اور بے شک یسار با قوتِ یمین جیسا طاقتور نہیں، پس میں تمکّن کی طرف سے پلٹنے سے یمین کے ساتھ متمکّن ہوں تو اس فعل سے قدرت کے تمکّن کی طرف اشارہ ہے تو یہ اَمر

عربوں کے افہام کی طرف اُن الفاظ کے ساتھ پہنچا ہے جنہیں وہ جانتے تھے اور سرعت کا لفظ اُس کی ملاقات کے معنوں میں ہے۔ شاعر نے کہا۔

ضعیف العصا بادی العروق ترى له　　علیها اذا ما أمحل الناس أصبعا

دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ

مجد "بزرگی" کے لئے رائتِ محسوسہ یعنی دیکھنے کا احساس نہیں تو یہ جارحہ یمین کو نہیں مل پاتا، جیسا کہ کہتے ہیں۔ اگر مجد کے لئے رائیت محسوسہ اس لئے ظاہر ہو کہ اُس کے محل یا حامل کے ساتھ اُس کی صفت مجد قائم اور اس میں کامل ہے تو جسے جارحہ قبول نہ کرے عرب ہمیشہ دونوں کے اشتراک کے لئے معنی کے طریق سے اُس پر جوارح کا اطلاق کیا کرتے۔

"رُوح کا روع میں نفث" جب حق تبارک و تعالیٰ کی تجلّی اُس کے عبد کے راز کے لئے ہوتی ہے تو تمام اسرار اُس کی ملکیّت میں دے کر اُسے احرار کے ساتھ ملا دیتی ہے اور یمین کی جہت سے اُس کا تصرّف ذاتی ہوتا ہے۔ یقیناً شمال یا بائیں کا شرف دوسرے کے لئے اور یمین یعنی دائیں کا شرف اُس کی اپنی ذات کے ساتھ ہے، پھر یمین کا شرف خطاب کے ساتھ اور شمال کا شرف تجلّی کے ساتھ نازل فرمایا۔

انسان کا شرف اُس کی حقیقت کے ساتھ اُسے جاننے اور اُس پر اطلاع کے ساتھ عبارت ہے اور یسار اُس کے شمال کی حیثیت سے ہے۔

"یَدَیۡہِ" یعنی اُس کے دو ہاتھ کہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا یدِ یمین اُس کا داہنا ہاتھ اتحاد کی طرف لَوٹتا ہے اور عَبد کا داہنا ہاتھ توحید کی طرف پلٹتا ہے۔

ایک ہاتھ دایاں ہے اور ایک بایاں تو کبھی جمع اور جمع الجمع میں ہوتا

ہے اور کبھی تفریق اور تفریق التفریق میں تجلی اور واردات کے حکم پر ہوتا ہوں"

یوماً یمان اذا لاقیت ذا یمن　　وان لقیت معدیاً فعدنانی

جس روز میں یمنی سے ملوں یمنی ہوتا ہوں اور اگر معدی سے ملوں تو عدنانی ہوتا ہوں

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے تعجب، ہنسی، فرحت اور غضب ہے"

خُدا کا تعجّب اور ہنسی

سوائے اس کے نہیں کہ تعجّب کرنے والا موجود امر کے وقوع کو نہیں جانتا پھر جب اُسے اُس کا علم ہوتا ہے تو وہ متعجب ہو جاتا ہے اور ہنسنا بھی اس کے ساتھ ملحق ہے یعنی اسی قبیل سے ہے اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر محال ہے۔ کیونکہ اُس کے علم سے کوئی چیز خارج نہیں۔

جب وجود میں کوئی چیز واقع ہوئی جس سے وہ متعجب ہے تو ہمارے نزدیک یہ امر تعجب اور ہنسی پر محمول ہو گا جب کہ اُس پر یعنی اللہ تعالیٰ پر تعجّب اور ہنسی جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے تعجب امر واقع ہے جیسا کہ جوان شخص بچّہ نہیں ہوتا تو یہ اُس سے امر تعجب ہے۔ پس جو ہمارے نزدیک تعجّب خیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اُس کا جائز ہونا محال ہے۔

ہنسی اور فرحت کا اخراج قبولیت و رضا کی طرف ہوتا ہے اگر تُو نے اُس کے لئے ایسا کام کیا جس سے تیرے لئے اُس کی ہنسی اور فرحت کا وعدہ ظاہر ہے تو اس کام کی قبولیت اور اُس پر راضی ہونے کے ساتھ اُس کی ہنسی اور فرحت ہے اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہم سے راضی ہونا اور اُس کا قبول کرنا ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا غضب اُس جوش سے پاک ہے جو بدلہ لینے

کے لئے دِل کا خون طلب کرتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ جسمیت اور عرض[1] سے پاک ہے، تو یہ غضب سے اُس فعل کی طرف لوٹتا ہے، جس سے اُس پر غضب جائز ہو اور وہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا جبر دمخالفت کرنے والوں اور اُس کی حدُود سے بڑھ جانے والوں سے اُس اَمر کا انتقام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔ اُس پر ناراض ہے یعنی اُس پر مغضوب کو بدلہ دینا جائز ہے تو مجازاً غاضب ہوگا۔ پس فعل رضا کے ظہور کا اطلاق اِسم ہوگا

اللہ تعالیٰ کی بشاشت

خوشی کے باب سے دو روایتیں آئی ہیں۔

۱:۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو اُس شخص سے بشاشت ہوتی ہے جو نماز کے لئے مسجدوں کا فرش رَوندتا ہے۔

اور حدیث بیان ہوئی کہ جب اکوان[2] کے ساتھ جہان پردے میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر اللہ تعالیٰ کے مشغول ہوتے ہیں تو یہ فعل اللہ تعالیٰ سے پوشیدگی کے حال میں انجام دیتے ہیں۔

جب اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے حضور میں کسی قسم کے اچھے فعل سے حاضر ہوتے ہیں

تو . . . اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے دلوں میں اپنی محاضرت ومشاہدت اور مناجات کی لذت ڈال دیتا ہے جس سے اُن کی طرف محبت کا ظہور ہوتا ہے حضور رسالتمآب

---

[1] عرض جو چیز بذاتہٖ قائم نہ ہو بلکہ جوہر کے برعکس دوسری چیز کے باعث قائم ہو۔

[2] اکوان اُس کا واحد کون ہے یعنی کائنات۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

حبوا اللہ لما یغذوکم بہ من نعمہ

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں نعمتوں کی غذا عطا فرمائے

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فعل میں بشاشت کا کنایہ ہے، اس لئے کہ تمہارے اس پر آنے کے ساتھ اظہار مسرت ہے اور تیرے اس آنے پر خوش ہونا تیری طرف نیکی کے ساتھ اُس کی خوشی کی علامت کا اظہار ہے اور اُس کے ساتھ جو تیری طرف اُس کی محبت اور اُس کا ارسال کرنا ہے۔ چنانچہ جب اُس کے ساتھ یہ چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اُس کے بندوں کیلئے مؤثر ہوتی ہیں تو اس کا نام بشش وبشاشت رکھا گیا

خدا تعالیٰ کی طرف نسبتِ نسیان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا!

"فنسیھم" یعنی اللہ تعالیٰ اُنہیں بھول جائے گا۔ اُس پر نسیان جائز نہیں۔ ولیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ اُنہیں ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا تو اُنہیں اُس کی رحمت نہیں پہنچے گی۔ گویا کہ وہ اُس کے نزدیک بھلائے جا چکے ہیں جیساکہ یہ اُن کے لئے بھولنا ہے۔ یعنی یہ فعل ناسی ہے اور جو یہ تذکرہ نہ کیا کہ وہ اس میں عذابِ الیم سے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ وہ اپنی دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے تھے تو اُن کے ساتھ اُن کا یہ فعل جائز ہے چنانچہ مناسبت کے لئے اُن کا فعل اُن پر لوٹا دیا۔ اور بے شک وہ بھولے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بھلا دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اَمر کو متواتر کرتے تھے اور اس کے ساتھ عمل نہ کرتے تھے آخر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جہنم رسید کر دیا۔ جب

ان کے علاوہ کو دوزخ میں داخل کرکے نکال لیا تو یہ اس باب سے حق تعالیٰ کے مکر و استہزاء اور تمسخر سے متصف ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا!

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ [1] یعنی اللہ نے اُن سے تمسخر کیا یعنی تمسخر کا بدلہ دیا۔

اور فرمایا وَمَكَرَ اللّٰهُ [2] یعنی اور اللہ تعالیٰ نے مکر کیا یعنی خفیہ تدبیر فرمائی۔

اور فرمایا اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ [3] اللہ تعالیٰ اُن سے استہزاء فرماتا ہے یعنی اُن کے استہزاء کا بدلہ دیتا ہے۔

نفسِ باری تعالیٰ

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا! ہُوا کو گالی نہ دو۔ بے شک یہ نفسِ رحمان سے ہے۔ اور میں یمن کی طرف سے نفسِ رحمان کو پاتا ہوں اور یہ تمام تنفیس سے ہے۔ یعنی نفس کا مادہ تنفیس سے ہے"۔

جیسا کہ آپؐ نے فرمایا! ہوا کو گالی نہ دو۔ تو یہ اُس کے بندوں کیساتھ وہ امر ہے جس سے اللہ ان کی [illegible] دور کرتا ہے اور فرمایا، صَبا کے ساتھ مدد فرمایا گیا"

ایسے ہی فرمایا! میں نفسِ رحمان کو پاتا ہوں یعنی مجھے کرب سے تنفیسِ رحمان ہے۔ یہ اُس کرب کی بات ہے جو یمن سے پہلے آپ اپنی قوم پر حق پیش کرتے تو وہ آپ کی تکذیب کیا کرتی تھی چنانچہ آپؐ کو جھٹلائے جانے کا جو کرب تھا اُسے دُور کرنے کے لئے نفسِ خدا انصار کے ساتھ تھا۔

پس رب تعالیٰ نفس سے پاک ہے اور نفس سے مُراد وہ سانس ہے جو اہلِ نفس سے خارج ہوتی ہے۔ خدا کی قسم! جس چیز کی نسبت ظالم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کرتے ہیں وہ اُس سے بہت بلند اور بڑا ہے۔

---

[1] سورہ توبہ آیت ۷۹ [2] آلِ عمران آیت ۵۴ [3] البقرۃ آیت ۱۵

خُدا کی صُورت

لوگوں کے نزدیک صُورت کا اطلاق اُمرادر معلوم پر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی طرح صحیح حدیث میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف صوُرت کی اضافت وارد ہوئی ہے۔

حضوُر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا!

مَیں نے اپنے رَب کو نوجوان کی صُورت میں دیکھا۔ (الحدیث)

یہ حالت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے ہے اور کلام عرب میں معلوم و متعارف ہے۔

اَیسے ہی حضوُر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صُورت پر پیدا فرمایا۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید میں مِثلیتِ لُغویہ وُ۔ دہوئی ہے عقلیہ نہیں کیونکہ مِثلیتِ عقلیہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر محال ہے۔ مثلاً کہا کہ زید شیر ہے تو یہ سختی کی بنا پر ہو گا اور اگر کہا زید زہر ہے تو یہ شعر کو حیرت ہے چونکہ ایک یا دو صفتوں کے ساتھ وَصف موجود ہے پھر اُس کے علاوہ دوسرا اِس صفت سے موصُوف ہے تو اگرچہ دوسرے حقائق کی جہت سے دونوں کے درمیان تباین و تخالف ہے۔ ولیکن دونوں کی رُوح میں یہ صفت مشترک ہے اور دونوں میں سے ہر ایک یہ اِس خاص صِفت میں اِس کا معنیٰ دوسری صوُرت پر ہو گا۔

پس غور سے سمجھ اور دیکھ تیرے ہونے کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ پر ہے کیا صفت کمال کے ساتھ اُس کا وَصف تیرے سِوا نہیں۔ غور کر کہ جب تُو مناظرہ کی طرف بابِ تعریّت سے داخل ہو گا تو وہ نقائص مسلب ہو جائیں گے جو تجھ

پر اُس سے جائز ہیں۔ وہ اس کے ساتھ سوائے تجسیم و تشبیہہ کے قائل ہرگز قائم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُس کی طرف جو اضافت نقص ہو وہ تم اُسی سے سلب کر لو اور اگر اس امر کا وہم نہ ہوتا تو تم اِسی سلب سے کچھ نہ کر پاتے"

پس جان لیں کہ یہاں صورت کے لئے بہت سے مدخل ہیں جس کی مثال بیان ہوئی اور اِس کتاب میں ہمارا مقصد طویل بحث کو حذف کرتا ہے اور اللہ ہی حق فرماتا اور سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

خُدا کا بازو

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی حدیث میں ہے کہ کافر کی ڈاڑھ جہنّم میں اُحد کی طرح ہوتی ہے اور اُس کی جلد کی موٹائی جبّار کے ہاتھ سے چالیس ہاتھ ہے۔

یہ اضافتِ تشریفی اُس مقدار سے ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُس کے مضاف کی طرف مقرّر فرمائی۔ جیسا کہ کہتے ہیں، یہ چیز بادشاہ کے ہاتھ سے ایسے اور ایسے ناپی گئی ہے اس سے مُراد بڑا ہاتھ ہے جو اُس بادشاہ نے مقرّر کیا اور اگر اس کی مثل بادشاہ کے ہاتھ سے ہے تو وہ لوگوں کے ہاتھ کی طرح جارحہ ہے اور جو ذراع جارحہ یعنی کہنی کے اوپر اُس کا نصف یا تیسرا حصّہ زیادہ مقدار مقرّر کی تو وہ اُس کی حقیقت پر اُس کا ذراع نہیں اور یہ مقدار اُس کی نصب ہے پھر اُس کی اضافت اُس کے مقرّر کرنے والے کی طرف کی۔

پس جاننا چاہیئے کہ جبّار عربی زبان میں بہت بڑا بادشاہ ہے اور یہ ایسے ہی ہے۔

خُداکے قدم

حدیث میں آیا ہے کہ جبار اپنا قدم دوزخ میں ڈالے گا اور کہتے ہیں فلاں اس امر میں ثابت قدم ہے تو قدم کا معنیٰ ثبوت بھی ہے اور گروہ بھی تو قدم اضافت ہوگی اور جب جبار کا معنیٰ بادشاہ ہوگا تو یہ قدم اُس بادشاہ کے ہوں گے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر جارحہ محال ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر عُضو کا اطلاق محال ہے۔

اِستواءِ الٰہی

استواء کا اطلاق بھی اسقرار وقصد اور استیلاء پر ہوتا ہے اور استقرار یعنی قرار پکڑنا جسموں کی صفات سے ہے پس اللہ تبارک وتعالیٰ پر قرار پکڑنا جائز نہیں مگر جب ثبوت اور قصد کی وجہ پر ہوگا اور یہ ثبوت اور قصد اُس کا ارادہ فرمانا ہے جب کہ یہ اُمر صفاتِ کمال سے ہے فرمایا! پھر آسمانوں کی طرف استویٰ فرمایا یعنی عرش پر قصد واستویٰ کیا یعنی عرش پر غالب آیا۔

قد استوی بشر علی العراق

من غیر سیف ودم مہراق

بے شک بشر نے بغیر تلوار اور خون بہانے کے عراق پر غلبہ حاصل کرلیا۔
اس سلسلہ میں بہت سی اخبار وآیات ہیں جن میں صحیح اور سقیم ہیں اور اُن میں سے کوئی خبر ایسی نہیں جس کے لئے وجوہِ تنزیہہ سے کوئی وجہ نہ ہو۔
اگر تو چاہتا ہے کہ یہ تجھ پر قریب ہو تو اُس لفظ کی طرف اعتماد کر جس میں تشبیہہ کا وہم ہوتا ہے اور اُس کی رُوح اور فائدہ کو لے یا اُسے دیکھ جو اُس سے ہوگا پس اُسے حق الحق میں مقرر کرتے ہوئے تنزیہہ کے درجہ کے ساتھ قائم ہو گے جب کہ

تیرے علاوہ تشبیہہ کا ادراک کرے گا"۔

پس ایسے ہی کر اور اپنے کپڑے کو پاک کر یعنی دامن سمیٹ لے اور ان خبروں سے اسی پر اکتفا کر اس لئے کہ یہ باب طویل ہو گیا ہے"۔

اِن تشبیہوں سے کیا مُراد ہے

جب مُتعجب اُس کی صُورت پر خارج ہونے والے امُور پر تعجب کرتے ہُوئے اپنے دِل میں مخالف ہُوا تو پاکیزہ رُوح نے نفسِ دِل میں یُوں کہا کہ!

فرحت اُس کے وجود کے ساتھ ہے۔

ہنسی اُس کے شہُود سے ہے۔

غضب اُس کی تولیّت کے لئے ہے۔

بشاشت اُس کے نزُول کے لئے ہے۔

بُھلا دینا اُس کا ظاہر ہے۔

تنفّس کا اطلاق اُس کا مواخر ہے۔

بادشاہی پر ثابت قدمی اپنی سلطنت میں تقدیر کا حکم نافذ کرنا ہے۔

پس جو اُس نے چاہا ہُوا، لَوٹنا یعنی آخرت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ یہ ارواح اکیلی ہیں اشباح اِن کی نسبت کے منتظر ہیں۔

جب تو میقات یعنی میدانِ حشر میں پہنچے گا اوقات ٹوٹ جائیں گے۔

آسمان سمیٹ دیئے جائیں گے۔

سُورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

زمین تبدیل ہو جائے گی۔

ستارے دُھندلا جائیں گے۔

امُور منتقل ہو جائیں گے اور ... آخرت کا ظہور ہو جائے گا۔
انسان وغیرہ کا حشر گڑھوں میں ہو گا۔ اُس وقت اجسام حمد بیان کریں گے اور رُوحیں سانس لیں گی یعنی جسموں میں داخل ہو جائیں گی"
کھولنے والا تجلّی بار ہو گا۔
چراغ روشن ہو جائے گا"
راحتیں روشنی بکھیریں گی۔
محبتِ و مُودّت پوشیدگی کے بعد ظاہر ہو جائے گی۔
گڑگڑانا زائل ہو جائے گا۔
بازو اور پَر پھڑ پھڑائیں گے۔
رات کے پہلے حصّہ سے صبح تک ہمارے کفر متعابر سے ساتھ ہونگے تو اُس کی منزل کیا ہی درخشاں ہوگی اور یہ حالت نفوسِ کاملہ کی پسندیدہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس .... سے فائدہ عطا فرمائے گا۔

تیسرا باب ختم ہُوا؛
اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین ؕ

باب چہارم

تمام عالم سے اسمارِ حسنیٰ کے مراتب اور نشاۃ عالم کے سبب کا بیان

فی سببِ البدءِ وَ احکامِہ ‌ ‌ ‌ وَغایتِ الصنع وَ اِحکامِہ

والمفرق مابین رعاۃ العلیٰ ‌ ‌ ‌ فی نشئِہ وبین حکامِہ

دلائل دلت علیٰ صانِعٍ ‌ ‌ ‌ قد قہر الکل بِاَحکامِہ

نشاۃِ عالم اور احکامِ الٰہی کے سبب اور خدا کی انتہائی صنعت اور اُس کے استحکام میں۔

اس کی نشاۃ وحکام اور اعلیٰ ورعایا کے درمیان فرق میں دلائل صانع پر دلالت کرتے جس نے سب کو احکام کا تابع اور مغلوب کر رکھا ہے۔

دوستوں کی خواہش

ہمارا پیارا دوست اللہ اُسے باقی رکھے نشاۃ و پیدائش عالم کے بارے میں ہماری کتاب "عنقا مغرب فی ختم الاولیا" "شمس المغرب" اور "انشا الدوائر" میں واقف ہوچکا ہے جس کا کچھ حصّہ ہم نے ۵۹۸ھ میں آپ کی زیارت کے وقت آپ کے بیت الکریم میں تالیف کیا تھا۔

اُس وقت ہم حج کے لیے جارہے تھے اور آپ کے خدمت گار عبد الجبار، خدا اُس کو عزت دے، نے اُس تالیف کو نقل کر لیا تھا اور اُسی سال اصل نسخہ میں مکہ مکرمہ زاد اللہ تشریفاً میں اپنے ساتھ لے آیا تاکہ اُسے پورا کروں۔

مکہ معظمہ میں آکر امر الٰہی کے باعث ہم اِس کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کی تالیف میں مشغول ہو گئے اور پہلی کتب کو پورا نہ کر سکے کیونکہ ہمارے بھائیوں اور فقراء، جو علم کی زیادتی کے طالب تھے، نے ہمیں رغبت دلائی کہ اِس بیتِ مبارک شریف اور محلِ برکات وہدایت اور آیات بینات سے اُن پر جو امور وارد ہوتے ہیں میں انہیں رقم کروں اور اِن موضوعات کو بھی اپنے بزرگ دوست ابو محمد عبد العزیز "خدا اُس پر راضی ہو" کے سامنے لاؤں اور مکہ معظمہ کے وسیلہ سے حاصل ہونے والی برکتوں سے انہیں رُوشناس کراؤں۔

چونکہ مکہ معظمہ عبادت کا بہترین وسیلہ اور عالمِ جمادات وخاک میں زیادہ شرف والا ہے۔ اِس لئے میری خواہش ہے کہ میرے "ان بیانات" سے آپ کو آپ ہمتِ شوق اِس طرف اُبھارے اور آپ مزید رغبت کے ساتھ مکہ معظمہ کو اپنی منزل بنائیں۔ اِس لئے کہ صاحبِ جامع کلمات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود قُربت قابَ قوسین سے بھی قریب تر قُربت کے اور اپنے پروردگار کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے اور اِس تقریبِ اکمل اور وافر حصہ کے آپ کو ارشادِ ربانی ہوا "قُل رَّبِّ زِدنِی عِلماً" یعنی اے میرے پروردگار میرا علم زیادہ فرما۔

مکانوں کی تاثیریں

مقامات ومشاہدِ غیبیہ کو دیکھنے والے عالم کے لئے شرط ہے کہ وہ لطیف قلوب میں مکانوں کی تاثیر کا علم رکھتا ہو اور جونسا مکان بھی ہو اُس کا دل اُس کے وجود کی تاثیر کو عام طور پر پا لیتا ہے تو مکہ معظمہ زاد اللہ تشریفاً میں اس کا وجود زیادہ روشن اور کامل ہے، جس طرح منازلِ روحانیہ گھٹتی بڑھتی ہیں ایسے ہی منازلِ جسمانیہ میں کمی بیشی ہوتی ہے اور صاحبِ حال کے علاوہ "دوسروں کی نظر میں" موتی

اور پتھر برابر نہیں ہوتے

رہا وہ صاحبِ حال جو کامل و مکمل ہے تو وہ دونوں کے درمیان تمیز کر لیتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے دونوں کے درمیان امتیاز رکھا ہے۔ کیا مٹی کی اینٹوں اور گھاس پھوس سے تیار کئے گئے گھر کو اور سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کئے گئے گھر کو حق تعالیٰ سبحانہٗ برابر فرما دے گا۔ پس حکمت والا دراصل وہ ہے جو ہر حقدار کو اُس کا حق عطا کرے تو یہ صاحبِ وقت و زمانہ ایک ہی ہوتا ہے جو ہر حق دار کا حق ادا کرے۔ اور بہت سے شہروں میں اکثر عمارتوں کی بنیاد خواہشات پر رکھی جاتی ہے اور بہت سے شہروں میں اکثر عمارتیں روشن دلیلوں پر تعمیر ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ میرے دوست کو باقی رکھے کیا وہ مجھ سے امر میں اتفاق کرے گا کہ ہمارے قلوب کچھ مقامات میں دوسرے مقامات سے زیادہ پاتے ہیں اور اللہ اُس پر راضی ہو جبھی تو منارہ کے گھروں میں اپنے خلوت کدے سے تیونس کے مشرق کی طرف وہ ساحلِ سمندر کے اُس گھر میں تخلیہ فرمانے لگے جو منارہ کے دروازہ کی جہت سے منارہ کے قریبی قبرستان میں واقع ہے اور یہ کٹیا حضرت خضر علیہ السلام کی رہائش گاہ کہلاتی ہے چنانچہ جب میں نے اُن سے اس تبدیلی کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا میرا دل یہاں اس سے زیادہ وُجدان حاصل کرتا ہے جتنا منارہ میں کرتا تھا تو میرا بھی یہی حال ہے جو شیخ نے فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرے دوست کو باقی رکھے اُسے معلوم ہے کہ اُس مقام میں یہ اثر بزرگ فرشتوں یا سچے جنوں کے ٹھکانے کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے یا اُس جگہ رہنے والے کی ہمت کی بنا پر ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے گھر کو بیت الابرار کہا جاتا ہے اور "سلطان الطائفہ" حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلوت کدے کا گوشہ شونیزیہ میں

اور حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غار تعن میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس دنیا سے نقل مکانی کر جانے والے صالحین کے مکانوں میں ان کے آثار باقی رہتے ہیں جن کی تاثیر سے لطیف قلوب بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اس لئے وجودِ قلب میں مسجدوں میں تفاضل لوٹتا ہے نہ کہ ثواب کی زیادتی ہوتی ہے، تو یقیناً کبھی کبھی آپ کا دل ایک مسجد میں دوسری مسجدوں سے زیادہ حظ حاصل کرتا ہے تو یہ مٹی کی وجہ سے نہیں بلکہ مٹی پر بیٹھنے والوں کی وجہ سے یا ان کی ہمتوں کی بنا پر ہوتا ہے اور جو شخص اپنی وجدانِ قلبی میں بازار اور مسجد کے درمیان فرق نہیں پاتا وہ صاحب حال ہے نہ کہ صاحبِ مقام۔ مجھے کشفاً اور علماً کچھ شک نہیں کہ اگرچہ فرشتے تمام زمین پر رہائش پذیر ہیں مگر باوجود اس کے ان کے معارف و مراتب میں تفاضل ہے۔ چنانچہ مسجد حرام میں رہائش پذیر ملائکہ دوسروں سے بلند مرتبہ اور علم و معرفت میں بڑی منزلت والے ہیں اور آپ کا وجدان آپ کے ساتھ بیٹھنے والے کی شان کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ ہم جلیس کے دل میں اس کے ساتھ بیٹھنے والوں کی ہمتوں کا اثر ہوتا ہے اور ان کی ہمتیں اور تاثیر ان کے مرتبوں کے مطابق ہوتی ہیں۔

اور اگر ہمت کی جہت سے دیکھیں تو اس بیت الحرام کا طواف اولیائے عظام کے علاوہ ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) انبیائے کرام نے کیا ہے اور انبیاء و اولیاء میں سے ہر ایک نے اس پاک گھر اور پاک شہر کے ساتھ اپنی ہمت کا تعلق رکھا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو تمام گھروں پر پسند کیا ہے اور اس کے لئے عبادت گاہوں میں اولیت کا ارادہ ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ○ (آل عمران آیت ۹۶)

بے شک لوگوں کی عبادت کا جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا وہ برکت والے مکہ میں ہے اور وہ سارے جہان کا رہنما ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں آئے ہر خوف سے امان میں آ گئے۔

بیت اللہ شریف کی طرف آؤ

میرے دوست اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو باقی رکھے۔ اُن معارف و زیادت کے حصول کے لئے بلدِ حرام شریف کی طرف روانہ ہو جائیں جو آپ نے اس سے پہلے نہیں دیکھے اور نہ اُن کے لئے آپ کے دل میں خیال بگو اللہ تعالیٰ آ سے راضی ہو آپ کو علم ہے کہ نفس کا حشر علمی صورت پر اور جسم کا حشر عملی صورت پر ہوگا اور مکۃ معظمہ میں دوسری جگہ کی نسبت علم و عمل کی صورت تمام و کمال ہے۔

اگر صاحبِ دل ایک ساعت کے لئے مکۃ معظمہ میں داخل ہو تو وہ بھی اسے جانتا لیتا ہے اور جو شخص اس کا مجاور بن کر کھڑا ہے اور تمام فرائض و قواعد کو بجا لاتا ہے اُس کا کیا حال ہوگا۔ یقیناً مجاورِ کعبہ کا مشاہدہ کامل اور روشن تر ہوتا ہے۔ اُس کا نور مُصفّا اور لذیذ و شیریں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو باقی رکھے۔ آپ نے مجھے بتایا ہے کہ مَیں اماکن و امزجہ کی کمی بیشی کو محسوس کر لیتا ہوں، اور آپ کو علم ہے کہ یہ امر اُن اماکن کے مکینوں کی حقیقت اور اُن کی ہمّت کی طرف لوٹتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

ہمارے نزدیک اِس میں کچھ شُبہ نہیں کہ اِس فن کی معرفت یعنی اماکن کا علم ہونا اور تمام تمکّن کی کمی بیشی کا احساس عارف کی معرفت، اُس کے مقام کی بلندی، اشیاء پر اُس کی واقفیت اور اُن کی امتیاز کرنے کی قوّت پر دلالت کرتا ہے جو اُسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرماتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ میرے دوست کو اِس میں اچھے اثرات اور پاکیزہ خیر عطا فرمائے کیونکہ وہی اِس کا سرچشمہ اور اِس پر قادر ہے۔

ہم ابتداءِ عالم کو کیسے جانتے ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اور آپ کو او

تمام مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے جاننا چاہیئے کہ اہلِ کشف و حقائق سے اکثر علمائے ربانیین کے نزدیک ابتدائے عالم کے سبب کو جاننا سوائے اُس علمِ قدیم کے تعلق کے نہیں جو اُس نے ایجاد فرمایا۔ اور اُس نے وہی پیدا فرمایا جس کا اُسے علم تھا، یہاں پہنچ کر اکثر لوگوں کے علم کی انتہا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک اِس کے علاوہ پیدائشِ عالم کے سبب کا کوئی علم نہیں۔

مگر ہم اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری طرح اس علم پر اطلاع دی ہے اور وہ اِن کے علاوہ دوسرے امور پر واقفیت رکھتے ہیں۔ اور وہ امر یہ ہے کہ جب آپ عالم کو اُس کے حقائق اور اُس کی نسبت سے تفصیلاً دیکھیں گے تو اُسے اُن حقائق اور نسبتوں میں محصور پاؤ گے جس کے منازل و مراتب معلوم ہیں اور متماثل و مختلف تحدود اجناس کے درمیان ہیں۔

جب آپ اس امر سے واقف ہو جائیں تو جان لیں کہ اس کا ایسا ہتر لطیف اور امرِ عجیب ہے جس کی حقیقت کو دقیق فکر و نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ یہ علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے عطا فرمودہ علومِ کشفیہ اور صاحبانِ ہمت کے مجاہدات کے نتائج سے بر آمد ہوگا۔ کیونکہ جو مجاہدہ بغیر ہمت کے ہوگا اُس کا نہ تو کچھ نتیجہ بر آمد ہوگا اور نہ ہی وہ علم میں مؤثر ہے۔ لیکن رِقّت و صفا سے حال میں اثرات مرتب کرتا ہے جیسے مجاہدہ کرنے والا پا لیتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سرائرِ حکم اور جوامع کلم کا علم عطا فرمائے اور اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنیٰ جو گنتی کے لحاظ سے اسما کے اُوپر پہنچتے ہیں اور اسمائے حمد کے علاوہ سعادت کے لحاظ سے نیچے ہوتے ہیں۔ وُہی اِس عالم میں اثرات مرتب کرتے ہیں اور یہی اِس جہان کی پہلی کُنجیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ہر حقیقت کا ایک اسم ہے

ہر حقیقت کے لئے ایک اسم ہے جو اسماء سے اُسی کے لئے مختص ہے حقیقت کا مطلب وہ حقیقت ہے جو مختلف حقائق جمع کر کے ایک جنس بنا دیتی ہے۔ اس حقیقت کا رَب وہ اسم ہوتا ہے اور یہ حقیقت اُس اسم کی عبادت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے تکلف کے نیچے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور اگر آپ کے لئے کوئی اشیائے کثیرہ کو جمع کرلے تو یہ وہ امر نہیں جو آپ کے گمان میں ہے۔ کیونکہ اگر آپ اُس کی طرف دیکھیں گے تو اُس چیز کے لئے کئی وجہیں پائیں گے جو اُن اسمآ کے مقابلہ میں اُس پر دلالت کرتی ہیں اور یہی وہ حقائق ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور اس کی وہی مثال ہے جو آپ کے لئے اس علم میں ثابت کی جا چکی ہے۔ جو ظاہر عقلوں میں موجود ہے اور ہر موجود کے حق میں اُس کے تحت ایک نہ تقسیم ہونے والا فرد ہے جو ہر اُس جُز دکی طرح ہے جو تقسیم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں متعدد حقائق ہیں۔ جو اپنی گنتی پر اسمائے الٰہیہ کو طلب کرتے ہیں۔ پس اُس کے ایجاد کی حقیقت اسمِ قادر کو طلب کرتی ہے اور اُس کے احکام کی وجہ اسمِ عالم کو طلب کرتی ہے اور اُس کے اختصاص کی وجہ اسمِ مُرید کو طلب کرتی ہے اور اُس کے ظہور کی وجہ اسمِ بصیر اور رائے وغیرہ کو طلب کرتی ہے۔ یہ اگرچہ ایک ہی فرد ہے مگر اس کی وجوہ وغیرہ بہت سی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔

ہر ایک وجہ کے لئے متعدد وجوہ ہیں جو اپنے حسبِ حال اسمار کی طالب ہیں اور یہ وہی حقائق ہیں جو ہمارے نزدیک دوہرے ہیں اور ان پر واقفیت حاصل کرنا بہت مشکل ہے اور ان کا کشف کے طریق پر حاصل کرنا اور بھی مشکل ہے۔

اُمّہاتِ اسمار کو دیکھیں

جاننا چاہیئے کہ جب ہمیں اِن اسمار کا علم ہُوا تو اُن کی کثرت کی بنار پر ترک کردیا اور اُس کے لئے عالم سے طالب علموں کے وجوہ کا ملاحظہ کیا۔ جب اِس کا ملاحظہ نہیں کریں گے تو اُمّہات المطالب کے ملاحظہ کی طرف لوٹ جائیں جس سے ہم مستغنی نہیں ہو سکتے۔ پس جان لیں کہ اسمار وہی اُمّہات ہیں جو اِس پر موقوف ہیں اور وہ بھی اُمّہات الاسمار ہیں۔ پس نظر آسان ہو جائے گی اور غایت پُوری ہو جائے گی اور اِن اُمّہات سے بنات کی طرف لوٹنا آسان ہو جائے گا۔ جیسا کہ بنات کا اُمّہات کی طرف لوٹ آنا آسان ہے۔

اسمار سبعہ

جب آپ عالم علوی اور سفلی میں تمام معلوم اشیار کو دیکھیں گے تو اصحابِ علم کلام کے نزدیک صفاتِ سبعہ سے تعبیر کئے جانے والے سات اسمار کو پاؤ گے جو اِس کے ضمن میں ہیں اور جن کا ذکر ہم نے اپنی "انشار الدوائر" نامی کتاب میں کیا ہے۔ اِن اُمّہات سبعہ کا جو صفات سے تعبیر کی جاتی ہیں کا اس کتاب میں ذکر کرنا ہماری غرض نہیں۔ ولیکن ہمارا ارادہ اُن اُمّہات کو بیان کرنا ہے جو اِن سے ایجادِ عالم کے لئے ضروری ہیں۔

جیسا کہ ہم حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معرفت سے عقلوں کے دلائل میں محتاج نہیں۔ مگر ہم اُس کے عالم، مُرید، قادر اور حیٔی ہونے میں اس کے علاوہ دلائل کی احتیاج رکھتے ہیں۔ جو اِس پر زائد ہیں تو بے شک وہ تکلیف کا مقتضی ہے۔

پس اس کا رسُول علیہ السلام آتا ہے تو ہم اُس کا متکلّم ہونا مقرّر کر

لیتے ہیں اور مکلّف ہوتے ہوئے اُس کے سمیع و بصیر وغیرہ اسماؔ کو جان لیتے ہیں۔
چنانچہ وہ جو وجودِ عالم کے لئے معرفتِ اسماء سے اُس کی طرف محتاج ہیں۔ وہی
اربابُ الاسماؔ ہیں۔ اور جو اِن اسماء کے علاوہ ہیں وہ اُن کے خادم ہیں جیسا
کہ ان اِرباب میں سے بعض ایک دوسرے کے خادم ہیں۔

اُمّہاتِ اسماء کی مزید تشریح

اُمّہاتِ اسماء حیّ، عالم، مُرید، قادر، قائل، جوّاد اور مقسط ہیں اور یہی
اسماء مدبّر اور مفصّل دونوں اسماء کی بنات ہیں۔ پس حیّ آپ کی پیدائش کے
بعد اور پہلے آپ کی عقل کا اثبات کرتا ہے، عالم آپ کے وجود میں آپ کے احکام کو
ثابت کرتا ہے اور آپ کے وجود سے پہلے آپ کی تقدیر کو ثابت کرتا ہے۔ مُرید
آپ کے اختصاص کا اثبات کرتا ہے، قادر آپ کے عدم کو ثابت کرتا ہے قائل
آپ کے قِدم کو ثابت کرتا ہے، جوّاد آپ کی ایجاد کو ثابت کرتا ہے اور مقسط
آپ کے مرتبے کو ثابت کرتا ہے اور مرتبہ وجود کی منزلوں کی آخری منزل ہے۔
یہ وہ حقائق ہیں جن کا وجود اِن اسمائے الٰہیہ سے لازم ہے۔ جو اِن کے
ارباب ہیں پس حیّ ربّ الارباب و مربُوبین ہے اور وہ امام ہے اور وہ عالم
کے رُتبہ میں مِلا ہُوا ہے۔ اور عالم مُرید سے نیچے کی طرف مِلا ہُوا ہے۔ مُرید قائل
سے نیچے ملا ہُوا ہے۔ قائل قادر سے نیچے کی طرف مِلا ہُوا ہے اور قادر جوّاد سے
نیچے ملتی ہے۔ اور اِن کے آخر میں مقسط ہے تو بے شک یہ ربّ مراتب ہے
اور یہی منازلِ وجود میں آخری ہے۔

ایجادِ عالم کا سبب اسماؔ ہیں

باقی اسماء اِن اُئمّہ اربابِ اسماؔ کے تحت

اطاعت گذار ہیں۔

ایجادِ عالم میں ان اسماء کی اسم اللہ کی طرف توجہ کا باعث یہ ہیں اور باقی اسمائ بھی اپنے حقائق سمیت انہی امور کے طالب ہیں اور سوائے عالم نظری کے اسماء کے یہ چار امام ہیں۔

حیّ¹، متکلم²، سمیع³، بصیر⁴

کیونکہ جب اُس نے اپنا کلام سُن کر اپنی ذات سے کہا تو عالم کی طرف نظر کے علاوہ اُس کا وجود اپنی ذات میں کامل تھا۔ اِن اسماء سے ہماری مُراد تو وہ اسم ہیں جو اِس عالم کے وجود کے قیام کا باعث ہیں۔

ہمارے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بہت سے اسماء ہیں جن میں سے اربابِ اسمآ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم اُن کے حضرات میں داخل ہوئے تو اُن کے سِوا کِسی کو نہ دیکھا اور جو ہم نے دیکھا اُسے ظاہر کر دیا۔

علاوہ ازیں باقی اسماء ہمارے اَعیان کی پیدائش میں اربابِ اسمآ کو اسم اللہ کی طرف متوجہ کرنے کا سبب ہیں۔ اِس عالم کو طلب کرنے کے لئے جو پہلے اسم قائم ہوئے وہ مُدبّر و مفصّل ہیں۔

یہ اسم جب کِسی چیز پر توجہ کے وقت اسمِ ملک سے سوال کرتا ہے تو نفسِ عالم میں پہلے عدم کے علاوہ اُسے مثالی وجود پیدا کرتا ہے لیکن یہ اوّلیت مرتبہ کی ہے وجُود کا تقدّم نہیں جیسا کہ طلوعِ آفتاب کا تقدم دِن کے تقدّم پر دلالت کرتا ہے' اگرچہ دن کی اوّلیت آفتاب کے طلُوع سے ملحق ہے، لیکن طلُوعِ آفتاب کا سبب دن کا اوّل حصّہ ہے اور طلوعِ آفتاب کا وجود دِن کے پہلے حصّے سے مِلا ہوا ہے ایسے ہی یہ وہ اَمر ہے جب مُدبّر و مفصّل دونوں اسماء ہیں۔ پہلے جہل اور عدمِ عالم کے بغیر عالم کو پیدا کیا اور نفسِ عالم میں مثالی صُورت پیدا کی۔ اُس وقت

اسمِ عالم کا تعلق اسمِ مثال کے ساتھ ہو گیا جیسا کہ اُس کا اُس صورت سے تعلق ہوا جس سے وہ ماخوذ ہے اگرچہ وہ صورت موجود نہ ہونے کی بنا پر غیر مرئی تھی۔ ہم اِسے اُس باب میں بیان کریں گے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عالم کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔

چنانچہ اسمارِ عالم سے پہلے یہی دونوں اسم ہیں، اسمِ مُدبّر وہ ہے جو مقدّر پیدا کرنے کے وقت محقق ہوا۔ اِس کے ساتھ اسمِ مُرید کا تعلق اُس حد پر ہوا جو اسمِ مُدبّر نے ظاہر کی چنانچہ اِن دونوں اسماء نے اِس مثال کے پیدا ہوتے میں سوائے دوسرے اسمار میں شریک ہونے کے کوئی عمل نہیں کیا دلیکن یہ پیدائش دونوں اسموں کے پردے کے پیچھے سے ظہور میں آتی ہے۔ اس لئے اِن دونوں کی امامت درُست ہے اور دوسروں نے اس کا شعور نہ کیا یہاں تک کہ مثالی صورت پیدا ہوئی تو اُس میں اُن حقائقِ مناسبہ کو دیکھا جو اُنہیں اِس کے ساتھ اپنے ساتھ عشق میں جذب کرتے تھے۔ پس ہر اسم اپنی مثالی حقیقت پر عاشق ہونے لگا دلیکن اس میں اپنی تاثیر پر قادر نہ ہو سکا کیونکہ وہ حضرت یہ مثال عطا نہیں کرتا جس میں اُس کی تجلّی ہے۔

چنانچہ عشق و محبت کے اِس تعلق نے اُن میں اُس مثالی وجود کو پیدا کرنے کی کوشش اور طلب و رغبت پیدا کر دی۔ تاکہ اُن کا غلبہ ظاہر ہو جائے۔ پس دونوں کی عزیز سے بڑی کوئی چیز نہیں عزیز کا اُس پر غلبہ نہ پایا یہاں تک کہ جو اُس کے غلبے کے تحت ہے۔ پس جو اُس کے غِنا کی طرف محتاج نہ پایا گیا۔ اُس پر اُس کے عزّ و غنا کا تسلّط درُست ہے۔ یہی حال تمام اسمار کا ہے۔

پھر اُنہوں نے اپنے اَئمہ اربابِ سبعہ کی طرف التجا کی جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور جو اُنہیں اُس مثال کی عین پیدا کرنے کے لئے راغب کر رہے

تھے جسے انہوں نے اُس کے ساتھ ذاتِ عالم میں دیکھا تھا اور جسے عالم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حقیقتِ اسماء

بسا اوقات کہنے والا کہتا ہے۔ اے محقق اِس مثال کو یہ اسماء کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ اور اسے سوائے اسم بصیر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہر اسم اِس حقیقت پر قائم ہے جس پہ دوسرا اسم نہیں، ہم نے یہ اس لئے کہا ہے کہ آپ اسے جان لیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے، ہر اسمِ الٰہی تمام اسماء کو متضمن ہے، اُس کا ہر اسم اپنے اُفق میں تمام تر اسماء کے ساتھ تعریف کیا جاتا ہے، ہر اسم اپنے اُفق و علم میں حیّ، قادر، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ اپنے عابد کا رب کیسے درست ہوگا، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

علاوہ ازیں آپ یہ ایک ناقابلِ فہم لطیفہ قطعی طور پہ جان لیں کہ گندم اور اُس جیسے غلہ وغیرہ کے دانوں میں وہ حقائق موجود ہیں جو اُس کی جنس کے دوسرے دانے میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اگرچہ اُن میں اُس کی مثل حقائق شامل ہیں مگر یہ دانے اُس دانے کی عین نہیں ہوتے اِس لئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مثل ہوتے ہیں۔

آپ اُس حقیقت کی تلاش و جستجو کریں جس سے آپ اِن دونوں میں تفریق کر سکیں، جب آپ جان لیں گے تو خود کہیں گے کہ یہ دانہ و حقیقت دوسرے دانہ و حقیقت کی عین نہیں۔ چنانچہ یہ اَمر اِس کے ساتھ مثلیت کی وجہ سے تمام مماثلات میں سرایت کر گئے ہیں جیسا کہ اسماء ہیں اور ہر اسم تمام اسماء کے حقائق کا جامع ہے۔

پھر آپ قطعیت کے ساتھ جان لیں کہ گندم کے دانوں اور دیگر تمام مماثلتوں کے بارے میں بیان کردہ لطیفہ کے مطابق ایک اسم دوسرے اسم کا عین نہیں، اس معنیٰ و مفہوم کو آپ ذِکر کے ساتھ تلاش کریں تو جان لیں گے فکر کے ساتھ نہیں۔ اِس کے علاوہ میری خواہش ہے کہ آپ کو اُس حقیقت سے واقف کراؤں جسے متقدمین سے کسی نے بیان نہیں کیا۔ مَیں اِس کے ساتھ مختص ہوں اور کسی دُوسرے کو اِس پر اِطلاع نہیں اور مَیں نہیں جانتا کہ اُس حضرت سے میرے بعد کسی کو اِس حقیقت کا علم دیا جائے جس سے مجھے دیا گیا ہے۔

سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دِگر دانائے راز آید کہ نا آید

چنانچہ جو شخص بھی میری کتاب سے اُسے پڑھے گا یا سمجھے گا تو مَیں اُس کا معلّم قرار پاؤں گا، رہے متقدّمین تو اُنہوں نے اِس حقیقت کو نہیں پایا۔

جیساکہ ہم نے مقرّر کیا ہے کہ ہر اسم تمام اسماء کے حقائق کے ساتھ مع اُس لطیفہ کے اُن حقائق پر حاوی ہے جس سے آپ دو مِثلوں کے درمیان امتیاز کرتے ہیں۔

اسمِ مُنعِم اور اسمِ مُعذّب دونوں ظاہر اور باطن ہیں اِن میں سے اوّل تا آخر ہر ایک اپنے خادم پر حاوی ہے۔ علاوہ ازیں اربابِ اسماء اور جو دوسرے اسم ہیں اُن کے تین مرتبے ہیں۔

۱:۔ اِن میں سے بعض اربابِ اسماء کے درجہ سے مِلے ہوتے ہیں۔

۲:۔ بعض کو صرف ایک درجہ کے ساتھ انفرادیت حاصل ہے۔

۳:۔ بعض اِن میں مُنعم اور معذّب کے درجہ کے ساتھ منفرد ہیں، پس یہ اسماء عالم کے محصور ہیں اور اللہ ہی مدد فرماتا ہے۔

جب تمام اسماء نے ائمہ اسماء کی طرف اور ائمہ اسماء نے اسمِ اللہ کی طرف اور اسمِ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف التجا کی۔ اِس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات مستغنی ہے تو اسمِ اللہ نے اُس سے اپنی حاجت بیان کی جس کا اسمِ اللہ سے دوسرے اسماء نے سوال کیا تھا۔

پس احسان فرمانے والے جواد اور سخی نے اِس کے ساتھ اُن پر انعام فرمایا اور اسمِ اللہ سے فرمایا کہ ائمہ اسماء سے کہہ دے کہ جو تمہیں حقائق عطا کئے ہیں اُن کے ساتھ ظہورِ عالم کے لئے تعلق پیدا کرلیں۔ چنانچہ اسمِ اللہ نے اُن کی طرف نکل کر اُنہیں بتایا تو وہ شاد باد اور خوش ہو کر لوٹ گئے اور ہمیشہ اسی حالت پر رہتے ہُوئے اُس حضرت کی طرف جس کا ذکر مَیں نے اِس کتاب کے چھٹے باب میں کیا ہے دیکھا، وجودِ عالم کا ظہور اِنہی اسماء سے ہُوا ہے، اِس کا ذکر انشاء اللہ آئندہ ابواب میں آئے گا۔ اور اللہ ہی حق کہتا اور سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔

باب چہارم تمام ہُوا

اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین ۝

باب پنجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اور سورہ فاتحہ کے اسرار کی معرفت کا مختصر بیان

بسملة الاسماء ذو منظرين ‏ ‏ ‏ ما بين ابقاء وأفناء عين
الاين قالت لمن حين ما ‏ ‏ ‏ خافت على النمل من الحطمتين
فقال من أضحكه قولها ‏ ‏ ‏ هل أثر يطلب من بعد عين
يانفس يانفس استقيمي فقد ‏ ‏ ‏ عاينت من نملتنا القبضتين
وهكذا في الحمد فاستثنها ‏ ‏ ‏ ان شئت ان تنعم بالجنتين
احداهما من عسجد مشرق ‏ ‏ ‏ جنتها وأختها من لجين
ياأم قرآن العلى هل ترى ‏ ‏ ‏ من جهة الفرقان للفرقتين
أنت لنا السبع المثانى التى ‏ ‏ ‏ خص بها سيدنا دون مين
فانت مفتاح الهدى للنهى ‏ ‏ ‏ وخص من عاداك بالفرقتين

وجود کے فنا کرنے اور باقی رکھنے کے درمیان اسماء کی بسم اللہ کی دو نظریں ہیں۔ مگر اس چیونٹی کی طرح نہیں جس نے روندے جانے کے خوف سے بلوں میں گھس جانے کے لئے کہا تھا۔ پس کہا کہ وہ حضرت سلیمانؑ چیونٹی کا کلام سن کر ہنس پڑے۔ کیا وجود کے بعد طلب کا نشان باقی رہتا ہے۔ اے نفس، اے نفس قائم ہو جا۔ یقیناً تو ہماری چیونٹی سے دو مٹھیاں دیکھ چکا ہے۔

اگر تو چاہتا ہے کہ دو جنتوں کی نعمت حاصل کر لے تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی حمد کو مستثنیٰ کر دے۔ دونوں جنتوں میں سے ایک چمک دار سونے کی اور دوسری چاندی کی ہے۔

اے عالی شان اُمّ القرآن کیا تو فرقان کی جہت سے دو فرقوں کو دیکھتی ہے۔
تُو ہمارے لئے وہ سبع مثانی ہے جس کے ساتھ کذب کے بغیر ہمارا سردار مختص ہُوا۔
تُو منکروں کے لئے ہدایت کی کنجی ہے۔ نیز اُدشمن دونوں کے فرق سے مختص ہے۔

ابتداء عالم کیسے ہُوئی

ہمارا ارادہ ہے کہ وجُود کی معرفت اور عالم کی ابتداء کا ذکر شروع کریں اور وہ ہمارے نزدیک ایسا مُصحفِ کبیر ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں زبانِ حال میں پڑھ کر سُنایا جیسا کہ ہمارے نزدیک تلاوتِ قرآن قول سے ہے۔

عالم وجود منتشر کے وَرق پر مخطوط مرقومہ حروف ہیں جس میں ہمیشہ کتابت ہوتی رہے گی اور کبھی منتہی نہیں ہوگی۔

اب جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز کا آغاز فاتحۃ الکتاب سے کیا ہے اور یہ کتاب وہ عالم ہے جس پر ہماری گفتگو ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ سُورہ فاتحہ کے اسرار سے آغازِ کلام کریں۔

بسم اللہ سُورت فاتحہ کی فاتحہ ہے اور سُورہ فاتحہ کی آیتِ اوّل ہے یا فاتحہ کے لئے اتنی ضروری ہے جتنی چوکھٹ، اگرچہ اس میں علماؔ کا اختلاف ہے تاہم ضروری ہے کہ بسم اللہ پر گفتگو کی جائے۔ علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام سے خاص برکت حاصل کرنے کے لئے سُورہ بقرہ کی دو یا تین آیات پر بھی گفتگو ہوگی۔ پھر انشاء اللہ اُس کا باب آگے آئے گا۔ پیش ازیں ہم نے بیان کیا ہے کہ وجودِ عالم کا سبب اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء مبارک ہیں اور یہی اِس عالم پر مُسلّط اور مؤثر ہیں۔

ہمارے نزدیک بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ خبر ہے جس کی ابتداء پوشیدہ ہے اور یہی عالم کی ابتداء اور اس کا ظہور ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ظہورِ عالم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تین اسماء اللہ، رحمان اور رحیم ظہورِ عالم کے لئے مخصوص ہیں اس لئے کہ حقائق بھی یہی بتاتے ہیں۔

اللہ! یہ اسم تمام تر اسماء کا جامع ہے۔

رحمٰن! یہ صفت عام ہے۔ پس وہ اس کے ساتھ دُنیا و آخرت میں رحم فرمانے والا ہے۔ وہ دُنیا میں اس صفت کے ساتھ ہر چیز پر رحم کرتا ہے جبکہ آخرت میں اس کا قبضہ محض سعادت کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ وہاں یہ اپنے قبیل سے منفرد ہو گی اور دُنیا میں اس کا امتزاج ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کافر پیدا ہوتا ہے اور مومن مرتا ہے۔ یعنی کبھی عالمِ شہادت میں کافر پیدا ہوتا ہے اور کبھی اس کے بالعکس ہوتا ہے اور رسولِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبروں کے مطابق دونوں قبضوں سے ایک کے ساتھ امتیاز کیا جاتا ہے۔

اسمِ رحیم ہر ایمان والے کے لئے دارِ آخرت کے ساتھ مخصوص آیا ہے اور جہان اِنہی تین اسماء کے ساتھ تمام ہو گیا۔ سب اسماء اجمالاً اسمِ اللہ میں اور تفصیلاً رحمٰن و رحیم دونوں اسماء میں ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اس کی تحقیق کریں۔

ہم چاہتے ہیں کہ بسم اللہ اور سُورہ فاتحہ میں داخل بعض اسرار کو بیان کریں جیسا کہ ہم۔ نے وعدہ کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہ کی باء اور باء کا نقطہ

ہم کہتے ہیں کہ بسم کی باء نے وجودِ عالم کو ظاہر کیا اور باء کے نقطہ کے ساتھ

عابد اور معبود کی تمیز پیدا ہوئی۔

حضرتِ شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا "آپ شبلی ہیں؟"

اُنہوں نے کہا! میں وہ نقطہ ہُوں جو تحت الباء ہے اور یہی ہمارا قول ہے کہ یہ تمیز کے لئے ہے اور وہ عبد کا وجود ہے جس کے ساتھ حقیقتِ عبودیت کا تقاضا ہوتا ہے۔

شیخ ابُو مدین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اُس پر باء لکھی ہوئی تھی، پس مقامِ جمع اور وجُود میں حضرتِ حق سے باء کی موجودات کے لئے مصاحبت ہے یعنی میرے ساتھ ہر چیز قائم اور ظاہر ہے اور یہ عالمِ شہادت سے ہے اور یہ باء اُس ہمزۂ وصل کا بدل ہے جو باء کے داخل ہونے سے پہلے اسم میں موجود تھا اور اُس کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔ کیونکہ ساکن حرف کے ساتھ گفتگو نہیں ہوسکتی۔

پس ہمزہ نے جو قدرتِ محرکہ کے ساتھ تعبیر ہوتا ہے وجُود سے ایک عبارت کی خواہش کی تاکہ اُس کلام کو پہنچے جو ابداع سے ایجاد کیا گیا ہے اور ہمزہ ساکن پیدا کیا گیا ہے جو کہ عدم ہے اور یہ محدث کا وجُود ہے جو پہلے نہ تھا اور پھر پیدا کیا گیا اور وہ محدث نہیں ہے جو ملک میں میم کے ساتھ داخل ہُوا۔

اَلَستُ بِرَبِّکُم "کیا میں تمہارا رب نہیں ہُوں؟"

قَالُوا بَلیٰ! اُنہوں نے کہا۔ "ہاں کیوں نہیں۔"

پس باء ہمزۂ وصل کا بدل ہوگئی۔ یعنی قدرتِ ازلیہ اور باء کی حرکت اُس ہمزہ کی حرکت ہوگئی جو باعثِ ایجاد ہے اور باء اور الف واصلہ کے درمیان تفریق ہوگئی۔ کیونکہ الف ذات کو اور باء صفت کو عطا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باء کے نیچے کا نقطہ عینِ ایجاد کے لئے الف سے زیادہ حق دار ہے اور یہی

موجودات ہے۔ بار میں یہ تین انواع جمع ہیں۔

ا:۔ بار کی شکل۔

۲:۔ بار کے نیچے کا نقطہ۔

۳:۔ تینوں عوالم کی حرکات۔

جیساکہ وسطِ عالم میں توہم ہے۔ ایسے ہی بار کے نقطہ میں وہم ہے۔ بار ملکوتیہ، نقطہ جبروتیہ اور حرکت شہادتیہ ملکیہ ہے، جب کہ الف وہ محذوف ہے جو اُس کے بدل میں ہے۔ یہی حقیقت بالکل اللہ تبارک وتعالیٰ سے قائم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں سے ایک رحمت اس نقطہ کے پردہ میں رکھی ہے جو بار کے نیچے ہے۔ اس باب میں اسی حد پر اختصاراً اس مسئلہ کو اچھی طرح جان لیں۔

بسم اللہ کا الف

پھر ہم نے بسم کے الف کو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ[1] اور بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا[2] کی بار اور سین کے درمیان ظاہر پایا اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں بار اور سین کے درمیان الف ظاہر نہیں، یعنی وہاں بِاسْمِ ہے اور یہاں بِسْمِ ہے۔

اگر یہ الف بِاسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖهَا میں ظاہر نہ ہوتا تو کشتی رواں نہ ہوتی اور اور اگر بِاسْمِ رَبِّكَ میں ظاہر نہ ہوتا تو نہ اُس کی مثل کی حقیقت معلوم ہوتی اور نہ اپنی صورت کا مشاہدہ کرتی، پس خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اس پر غور کریں۔

اب جب کہ سورتوں کے شروع میں الف کا استعمال بکثرت ہو گیا تو اُس کے وجود اور مثال کے قائم ہونے کی بنار پر الف حذف ہو گیا۔ اب اُس کی مثل بار ہے جو سین کے لئے آئینہ بن گئی اور سین ایک مثال بن گیا۔ چنانچہ نظام ترکیب

---

[1] العلق آیت ۱ [2] ھود آیت ۴۱

اس ترتیب پر ہے۔

یقیناً سین اور میم کے درمیان ظہور نہیں۔ کیونکہ وہ صفات افعال اور تبدیلی کا مقام ہیں۔ اگر الف ظاہر ہوتا تو سین اور میم زائل ہو جاتے کیونکہ باء کی طرح اُس کی صفت تدیم کے لئے لازمی نہیں، اُن سے اِس کا اخفاء اُن کے ساتھ رحمت ہے جب کہ یہ اُن کے وجود کی بقا کا باعث ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا
اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا [1]

اور بشر کے لائق نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُس سے کلام کرے۔ مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا رسول یعنی فرشتوں کو بھیج کر۔

اور وہ رسول یہی باء، وسین اور میم ہے جو تمام عالم کی طرح ہیں۔ پھر میم میں حدوث کی مشابہت کے طریق پر زیر کا عمل ہے کیونکہ میم کا مقام عبودیت ہے اور میم کو باء کی زیر نے اُس کی ذات کی معرفت اور اُس کی ذات کی حقیقت عطا کی ہے جب آپ باء کو دیکھیں گے تو میم کو مقام السلام پر پائیں گے۔ اگر کسی روز باء کو کوئی حالت طاری ہونے کے باعث زائل ہو جاتے تو یہ میم کا ایمان کی جانب ارتقاء ہے جس کی بنا پر عالم جبروت میں تسبیح اور اس کی مثل کے ساتھ فسح اور کشادگی ہوتی ہے۔

یہ اَمر محل تنزیہہ کے ساتھ تجلی کے لئے مثل ہے پس اُسے فرمایا!

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى [2] یعنی اپنے ربِّ اعلیٰ کی تسبیح بیان کر

اپنے اُس ربِّ اعلیٰ کے نام کی تسبیح پڑھ جو تجھے موادِ الٰہیہ کے ساتھ غذا دیتا ہے۔ میم کی زبر کے ساتھ وہ تیرا رب ہے۔ پس اِسم کا الف ظاہر ہُوا اور باء زائل ہو گئی۔ یعنی بِاسْمِ میں سے اسم رہ گیا۔ کیونکہ اِس پر اَمر تسبیح کے ساتھ

---

[1] الشوریٰ آیت ۵۱ [2] سورۃ الاعلیٰ آیت ۱

متوجہ ہُوا اور اُسے یعنی الف کو اِس کی طاقت نہیں اور بار، اُس کی مثل مُحدِث ہے اور مُحدِث بابِ حقائق سے وہ چیز ہے جس کا امتثالِ اَمر سے نہ کوئی فعل ہو اور نہ کوئی بدل، پس لازماً الف سے اُس کا ظہور ہو گا جو فاعل قدیم ہے۔

چنانچہ جب اُس کا ظہور ہُوا تو قدرت نے میم میں تسبیح کی صورت پیدا کر دی تو اُس نے اُس کے اَمر کے مطابق تسبیح کی، اُسے یعنی الف کو اعلیٰ کہا گیا ہے کیونکہ وہ بار کے ساتھ اسفل ہے اور اِس مقام میں اعلیٰ و اسفل کے وسط میں ہے جب کہ تسبیح کرنے والا اُس کی تسبیح نہیں کر سکتا جو اُس کی مثل یا اُس کے نیچے ہو۔ ایسی صورت میں تسبیح کرنے والا لازماً اعلیٰ ہو گا۔

اگر ہم "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" سورت کی تفسیر اور اس کے اسرار کو ظاہر کریں تو یہ بیان ختم نہ ہو گا۔ الف اِس مقام پر ہمیشہ تنزیہہ بیان کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی ذات میں منزّہ ہو جاتا ہے۔ پس جو کوئی منزّہ کی تنزیہہ کرتا ہے وہ تنزیہہ سے منزّہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بدیہی اَمر ہے کہ یہ تنزیہہ منزّہ کی طرف لوٹ جائے گی اور وہ ہی اعلیٰ ہو گا۔

بے شک حق حقیقت کے باب سے ہے اور اُس پر اعلیٰ ہونا درست نہیں۔ کیونکہ یہ اسماء اضافت سے اور وجُوہِ مناسبہ کی قسم سے ہے۔ پس نہ اعلیٰ ہے نہ اسفل ہے اور نہ اوسط ہے۔ جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے بہت بلندی والا ہے۔ بلکہ اُس کی طرف اعلیٰ و اوسط اور اسفل کی نسبت کرنا ایک ہی چیز ہے، جب وہ منزّہ ہے تو حدِ اَمر سے خارج ہے سماعت کا پردہ پھٹ گیا اور اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا پس میم مشاہدۂ قدیم کے ساتھ بلند ہو گئی۔

اور اُسے تیرے رَب ذوالجلال والاکرام کے برکت والے اسم کے ساتھ ثنا، تمام حاصل ہو گئی۔ جیسا کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے۔ ایسے ہی عبد مولا کا عین ہے جو اللہ کے

لئے متواضع ہوتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اُسے بلند کر دیتا ہے۔

صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حق بندے کا ہاتھ اُس کا پاؤں، اُس کی زبان، اُس کی سمع اور اُس کی بصر ہو جاتا ہے، اگر الف باسم میں باء سے پستی یعنی زیر قبول نہ کرتا تو اُسے تبارک اسمُ کے اسم میں انتہا پر بلندی یعنی زبر حاصل نہ ہوتی۔

سین کا ساکن ہونا

جاننا چاہیے کہ طبقاتِ عالم پر بسم سے ہر حرف مثلث ہے۔ پس باء کا اسم باء الف کا اسم ہمزہ اور سین کا اسم سین یا اور نون اور میم کا اسم میم یا اور میم ہے اور یاء باء کی مثل ہے اور باب ندا میں ہے۔ یہی عبد کی حقیقت ہے۔ اگر کہیں کیا اس موجود میں اشرف ہے یا اس کا انحصار عابد و معبود پر کیسے ہے تو یہ مطلق شرف ہے۔ اس کے مقابلہ میں ضد نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے وجود اور عبد کے وجود کے سوا عدم محض ہے جس کا عین نہیں۔

پھر سین تواضع اور فقر و فاقہ کے تحت بسم سے ساکن ہو گیا جیسا کہ ہم حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کے تحت ساکن ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

مَن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

سین باء سے ملاقات کے لئے بسم سے ساکن ہو جاتی ہے کیونکہ اگر سکون سے پہلے متحرک ہوتی تو ذاتی طور پر صاحبِ اختیار ہو جاتی اور اس پر دعویٰ کا خوف تھا چونکہ سین اس سے پاک ہے لہٰذا ساکن ہو گئی۔ جب باء سے اُسے حقیقتِ مطلوبہ مل گئی تو اُسے حرکت عطا ہو گئی پس بعض مقامات پر متحرک نہیں مگر جب باء چلی

جاتی ہے اِس لئے کہ شیخ کے حضور میں شاگرد کا کسی امر میں کلام کرنا سوئے ادبی قرار پاتا ہے البتہ جس کام کا اُسے حکم دیا جائے اُس کی تعمیل کرنا ادب ہے۔

باء کی علیحدگی کے وقت اُس کی تاء نے دعویٰ کرنے والوں کو مخاطب کیا اور اپنے حاصل شدہ اعلیٰ مقام میں فرمایا!

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ۔ میں اپنی آیات سے اُن کو پھیر دوں گا جو تکبر کرتے ہیں۔

پھر اُس کے اطاعت گذار کے لئے سین اُس کی رحمت اور نرمی سے ساکن ہو گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔

اِس سے مُراد حضرتِ باء ہے اِس لئے کہ جنت تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا حضرت ہے اور دیدار کا ٹیلہ حق کا حضرت ہے۔

آپ اِس کی تصدیق کریں گے اور اِسے تسلیم کر لیں گے تو آپ پر اسرار کھُل جائیں گے اور آپ کا الحاق ہو جائے گا۔

یہ وہ حضرت ہے جو الفِ مُراد کی طرف انتقال کرتا ہے جیسا کہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف مُنتقل فرماتے ہیں۔ ایسے ہی یہ حضرت جو کہ جنت ہے آپ کو اُس ٹیلہ کی طرف مُنتقل کرے گا جو حق تعالیٰ کا حضرت ہے۔

پھر آپ جان لیں کہ بسم میں تنوین تحقیقِ عبُودیت اور اشاراتِ تبعیض کے لئے ہے تو جب اُس سے تنوین کا ظہور ہوتا ہے تو حق المبین یعنی حق تعالیٰ اُسے تشریف و تمکین کی اضافت کے ساتھ چن لیتا ہے۔

پس فرمایا!

بِسْمِ اللّٰہ!

تو منزلِ الٰہیہ کی طرف اُس کی اضافت کے لئے تنوین عبدی حذف ہو گیا۔
چونکہ تنوین پیدا کی جاتی ہے۔ اِس لئے یہ تحقق اُس کے لئے درست ہے۔
مگر ساکن ہونا زیادہ بہتر ہے۔ پس جان لیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

نویں جزء تمام ہوئی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

لفظ اللہ کی تشریح

وصل : اے راہِ ہدایت کے متلاشی! بِسۡمِ اللّٰہِ سے اُس کا ارشاد "اللہ" ہے پہلے آپ اس کلمہ کریمہ سے حاصل ہونے والے حروف کی معرفت حاصل کریں بعدازاں ان شاءاللہ العزیز اِس پر گفتگو کی جائے گی۔ وہ حروف یہ ہیں۔ ا۔ل۔ل۔ا۔ہ
پہلے ہم اس پر اشاروں کنایوں میں مجمل کلام کریں گے۔ پھر اِسے کھول کر بیان کریں گے تاکہ عالمِ ترکیب پر اسے قبول کرنا آسان ہو جائے۔
الف کے ساتھ عبد کا تعلق اضطراراً اور اِلتجاءً ہے۔ پس اُس کے لئے پہلا لام ظاہر ہوا جسے یہ نورِ نجات عدم سے وِرثہ میں ملی، پس جب اُس کا ظہور درست ہوا اور اُس کا نورِ وجود میں منتشر ہو گیا اور مسمّٰی کے ساتھ اُس کا تعلق درست ہو گیا اور اسماء کے ساتھ اُس کا پیدا ہونا باطل ہو گیا تو اُس کے بعد آنے والے الف کے شہود کے ساتھ دوسرے لام نے اُسے ایسی فنا سے فانی کر دیا جس کے بعد اُس کا کچھ باقی نہیں رہا اور یہ اس لئے ہے کہ اُس کا معمہ کھل جائے، پھر مراد کے تمکن کے لئے ہا کے بعد واو آئی اور ہا اُس کے بعد آئی تاکہ بندوں کی محویت کے وقت اجلِ عناد سے اپنے وجود کے لئے باقی رہے۔ پس اِس لئے یہ اجلِ مسمّٰی کا موقعہ ہے اور یہ وہ مقام ہے جس میں سیاحوں کے احوال مضمحل ہو جاتے ہیں اور جس میں سالکین کے مقامات معدوم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جو نہیں تھا وہ فنا ہو جاتا ہے اور جو ہمیشہ ہے وہ باقی رہتا ہے۔ نہ اُس کے ظہور کے لئے غیر ثابت ہے اور نہ اُس کے نور کے لئے اندھیرا باقی رہتا ہے۔

وہ ہے تو آپ نہیں

اگر آپ اُسے نہیں دیکھ سکتے تو جان لیں کہ اگر نہ تھے تو وہ آپ ہی تھے۔ چونکہ ذوات کے لئے افعالِ مضارع میں تا، حروفِ زوائد سے ہے اور یہی عبودیت ہے
ایک چھینکنے والے نے اَلحَمدُ لِلّٰہ کہا تو ایک سردار نے سُن کر کہا۔ رَبِّ العٰلمین بھی کہیں۔ یعنی پورا جملہ اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین کہیں؟

چھینکنے والے نے کہا۔ اُے ہمارے سردار عالم سے کون ہے۔ یعنی عالم کیا ہے جس کا ذکر میں اللہ کے ساتھ کروں؟

سردار نے کہا! اُے بھائی اِس وقت کہہ دے کیونکہ جب مُحدَث کا ذکر قدیم کے ساتھ کیا جائے تو اُس کا اثر باقی نہیں رہتا اور یہ مقام وصل اور حال کا ہے اور وہ اُن اہلِ فنا سے ہے جو اپنے نفسوں سے فانی ہیں۔ اگر اپنی فنا سے فانی ہو جاتا تو اَلحَمدُ لِلّٰہ کیوں کہتا، اُس کے اَلحَمدُ لِلّٰہ کہنے سے اُس کے عبد ہونے کا اثبات ہوتا ہے اور یہ اُن کے بعض کے نزدیک اُس سے رِدا کے ساتھ اور دُوسروں کے نزدیک کپڑے سے تعبیر ہوتا ہے۔

اور اگر وہ ربّ العٰلمین کہتا تو اُس مقام سے بلند ہو جاتا جس میں وہ تھا اس لئے کہ یہ وارثین کا مقام ہے اور اس سے اعلیٰ مقام نہیں۔ کیونکہ یہ وہ شہود ہے جس کے ساتھ نہ زبان حرکت کرتی ہے اور نہ ہی اس مقام والوں کے احوال میں اُن کے دِلوں میں اس کے ساتھ اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

اہلِ حال کا حال

انوارِ ذات اِن کے رُخ پر غالب آجاتے ہیں اور رسُومِ صفات اِن پر

ظاہر ہو جاتی ہیں۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پسندیدہ عرائس ہیں اور اُس کے نزدیک حجابوں میں ہیں۔ اُنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی کو نہیں جانتے۔

اُنہیں زبانِ قیومیہ کے ساتھ لبساطِ اُنس اور مناجاتِ دائمی میں اپنے قرُب سے عزّت و کرامت کا تاج اور خلعت پہنا کر فنا کے منبروں پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کے وارث ہوتے ہیں۔

علیٰ صَلاتھم دائمون و لشہادتھم قائمون ۔ وہ اپنی صلواۃ پر دائم اور اپنی شہادت پر قائم ہیں۔

قوّتِ الٰہیہ مشاہدہ کے ساتھ ہمیشہ اُن کی مدد فرماتی ہے اور وہ قدمین کے مقام میں صفات کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور یہ اُمر اقتدار اور پیروی کی حیثیت سے ہے۔ وہ لوگ فرائض و سُنّت پر قائم رہنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے۔

وہ سیدھے راستے سے رُخ نہیں پھیرتے۔

وہ مخلوق سے گفتگو کرتے ہیں مگر حق تعالےٰ کے ساتھ رہتے ہیں۔

وہ اگرچہ مخلوق سے میل جول رکھتے ہیں مگر اُن کے ساتھ نہیں ہوتے۔

وہ لوگوں کو دیکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے۔ کیونکہ وہ خود کو نہیں دیکھتے، بلکہ وہ اپنا ہونا اللہ تبارک و تعالیٰ کے افعال کے جمال سے دیکھتے ہیں۔

وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام میں صنعت اور صانع کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص بڑھئی کے ساتھ صندوق بنتا دیکھے تو وہ صنعت اور صانع کا مشاہدہ کرتا ہے۔

صنعت اُس کے لئے صانع سے حجاب نہیں بنتی مگر اُس کے دل کو

صنعت کا شغل اچھا لگتا ہے۔

جیسا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ دُنیا سبز حلوہ ہے اور یہ دامنِ کوہ کی ہریالی ہے۔ دُنیا ایک خُوبصورت کنیز ہے جو بُرائی کی روئیدگی میں بیٹھ کر اُس کے ساتھ بُرائی کرتی ہے جو اُس کے ساتھ نیکی کرتا ہے اور یہ اُس پر آخرت حرام کر دیتی ہے۔ اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اذا امتحن الدنيا لبيب تكشفت

له عن عدو في ثياب صديق

عقل مند شخص جب دُنیا کا امتحان لیتا ہے تو یہ اُس کے لئے دوست کے لباس میں چھپے ہُوئے دشمن کو مکشوف کر دیتی ہے۔

پس یہ طائفہ صدیق اور امین لوگوں پر مُشتمل ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ قوتِ الٰہیہ سے ان کی امداد فرماتا ہے تو یہ اُس کے ساتھ مثال کو [illegible] پر منسوب ہو جاتے ہیں اور یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جس میں ارتقاؔ ہوتا ہے ا[illegible]ر یہ وہ اشرف غایت ہے جس کی طرف انتہائے غایت ہے۔

چونکہ کوئی غنایت نہیں مگر وہ جو موارد و واردات کی حیثیت سے نہیں، بلکہ توحید کی حیثیت سے ہوتی ہے اور وہ مستوی ہے اور سوائے رفیقِ اعلیٰ کے کوئی اِستوار نہیں کرتا۔ پس اِس گروہ کو مشاہدات کے جو حقائق حاصل ہُوتے، وہ اُنہیں اور ہم کو مُبارک ہوں، ہم نے اُن کی تصدیق کی اور اُنہیں تسلیم کیا اور اُن کے ساتھ موافقت ومساعدت کی اور جوّادِ لسان ہمارے ساتھ حلبۂ کلام میں لے آیا۔ اب اُس طرف لوٹتے ہیں جس راستہ پر جا رہے تھے۔ والسّلام۔

اَلف، لام اور ہُوَ

ہم کہتے ہیں اِس اسم کا محذوف ہمزہ اضافت کے

ساتھ تحقیقِ اتصالِ وحدانیت اور تحیقِ انفصالِ غیرت ہے۔ الف اور لام ملا ہوا ہے۔
جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ متصل تحقیق اور منفصل محق کے لئے ہے اور الف غیر متصل
محوِ آثار کے لئے دوسری لام میں موجود ہے اور وہ واؤ جو ہا کے بعد آتی ہے اُس
کے لئے خط میں نشان نہیں اور اُس کا معنیٰ ہویت کی ہا کے ساتھ وجود میں ہے۔
جو اُس نے اُس کی ذات کے ساتھ عالمِ ملک میں منتشر کی۔
اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ[1]

وہ اللہ ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِس آیت کو ہویت یعنی ہُوَ سے شروع کر کے ہُوَ
پر ختم فرمایا ہے اور اِسے وجود اور عدم کے اَمر میں ملکیّت دی اور اُس کے لئے
حدوث و قدم پر دلالت مقرر فرمائی اور ہُوَ ذاکرین کا آخری اور اعلیٰ ذکر ہے۔
پس عجزِ صدر کی طرف لوٹا تو لیلۃ القدر کا ظہور ہو گیا اور اہلِ عنایت و تائید
کو اُس کے وجود کے ساتھ حقائق پر واقفیت ہو گئی، پس وجود اِس اسم کے
دائرہ کے نقطہ میں ساکن ہے اور وہ اِس پر اِس کی حقیقت کے ساتھ مشتمل ہے۔
اشتمال اماکن متمکن ساکن پر ہے۔ یعنی ٹھکانے رہائش کرنے والوں پر مشتمل ہیں
اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثل ہے۔

واللہ قد ضرب الامثل لنورہ

مثلا من المشکاۃ والنبراس

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی جیسے مشکواۃ اور
نبراس۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا[2] فَقَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا[3]

---

[1] الحشر آیت ۲۲ [2] النساء آیت ۱۲۶ [3] الطلاق آیت ۱۲

اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔

اللہ کے علم نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم نے ہر ایک کو اسم اور مسمّٰی قرار دیا ہے اور اُس کو مکشوف و مُتممہ بنا کر ارسال فرمایا ہے۔

مُقفل کا حل اور اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ کہتا ہے اللہ تو اس سے اوّل و آخر کا اثبات کرتا ہے اور دونوں لاموں کے ساتھ باطناً اور ظاہراً نفی کرتا ہے۔ الف علمیہ کی وساطت سے دوسرا لام ہاء کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ[1]

تین سرگوشی نہیں کرتے مگر اُن کا چوتھا اللہ ہے۔

تین لام ہیں اور فرمایا۔

وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ[2]

اور نہیں پانچ مگر وہ اُن کا چھٹا ہے۔

پس اَلف ہا کے حق میں چھٹا اور لام کے حق میں چوتھا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ[3]

کیا تو نے اپنے رب کو دیکھا کیسے سائے کو لمبا کیا۔

عرش اللہ تبارک و تعالیٰ کا ظِل اور لام دوسرا عرش ہے اور جو اُس کے گرد ہے وہ مَلک کے طریق پر پہلا لام ہے۔ دونوں لام بابِ اسماء سے ظاہر و باطن ہیں۔ جو پہلے اور دوسرے الف کے درمیان ظاہر ہوتے اور یہ مقامِ اتّصال ہے۔ کیونکہ انتہاء ابتداء کی طرف منعطف ہوتی ہے اور اس نزدیکی کے ساتھ اتحاد و اتصال

---

[1] المجادلہ آیت ۷، [2] المجادلہ آیت ۷، [3] الفرقان آیت ۴۵

ہوتا ہے پھر ہا اپنی باطنی واؤ کے ساتھ انفصال کے مخرج سے نکلی، ہا اور لام کے متصل جز ایک ایسا بھید ہے جس کے ساتھ عبد اور سرداز کے درمیان مشاہدہ واقع ہوتا ہے اور یہ الفِ علمیہ کا مرکز ہے اور مقامِ اضمحلال ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلی لام جو عالمِ ملک ہے اور دوسری لام جو عالمِ ملکوت ہے کے درمیان دونوں لاموں کے اتصال کے لئے خطِ متصل میں جزء مقرر فرمائی اور یہ عالمِ اوسط کا مرکز ہے جو کہ مقامِ نفس عالمِ جبروت ہے۔ دونوں حروف کے درمیان خطوطِ فارغہ لازمی ہیں تو یہ ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف سالکوں کی رسموں کے مقاماتِ فنا ہیں۔

تتمیم

یہ پہلا الف وہ ہے جو ہمزہ کو منقطع کرتا ہے اور دوسری لام کا الف اس کے ساتھ متصل ہے۔ جو الف خطوط کے آغاز میں قطع کیا گیا۔ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے۔

كَانَ اللّٰهُ وَلَا شَيْئَ مَعَهُ الحدیث

اللہ تھا اور اُس کے ساتھ چیز نہ تھی۔

اِس لئے یہ قطع کیا گیا ہے اور یہ عدمِ اتصال میں بعد میں آنے والے حروف کی مشابہت سے پاک ہے اور وہ حروف وہ ہیں جو حقائقِ عامہ عالیہ کے عدد پر اُس کے مشابہ ہیں اور یہی اُمہات ہیں۔

ایسے ہی جب حروف کا آخر ہوگا تو بعد کے رقم ہونے والوں سے اُس کا اتصال قطع ہو جاتے گا۔ پس الف اور اس کے قبیل کا انقطاع وہ انتباہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

الف حق کے لئے اور الف سے مشابہت رکھنے والے حروف خلقت کے لئے ہیں۔ اور یہ د۔ ذ۔ ر۔ ز ہیں اور جمیع حقائق ہیں، غذا دینے والا احساس اور ناطق ایک جسم ہے۔

علاوہ ازیں وہ ہیں جن کے لئے لغت ہے اور حقائق عالم کلیہ میں منحصر ہیں۔ جب دوسرے لام نے ارادہ کیا جو کہ معنی میں پہلے موجود ہے اور خط میں آخر ہے تو اس لئے کہ مشاہدہ سے جسم کی معرفت روح کی معرفت پر مقدم ہے۔ ایسے ہی خط کا مشاہدہ ہے اور یہ عالم ملکوت ہے جسے اس نے اپنی قدرت سے پیدا فرمایا۔

ہمزہ کے اسرار

یہی وہ ہمزہ ہے جس کی ابتداء اسم میں اضافت سے معرا ہوئی ہے اور یہ الف سے علیحدہ نہیں ہوتا، جب اس الف نے دوسرے کام کو پیدا کیا تو اسے سردار بنایا اور اس سر والے کو طلب کیا جو اس پر بالطبع ہے۔ پھر اس کے لئے عالم شہادت بنایا جو پہلا لام ہے، جب اس نے اس کی طرف دیکھا تو وہ روشن اور درخشاں ہو گیا اور اس کے رب کے نور سے زمین چمک اٹھی اور کتاب وضع کی گئی۔

یہ وہ جزء ہے جو دو لاموں کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ نے دوسری لام کو حکم دیا کہ پہلی لام کی امداد کرے جس کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کے جود و کرم سے اس کی مدد فرمائی اور یہ اس کی طرف اس کی دلیل قرار پائی تو اس نے اس سے اس کے جمیع انوار میں تصرف کے معنی طلب کئے۔ گویا کہ وہ اس کے وزیر کی طرح ہو۔ چنانچہ اس نے جو چاہا اسے مل گیا تو

اُسے پہلے لام کے لَم پر القاء کیا اور اُس کے لئے دو لاموں کے متّصل جزء پیدا کیا اور جو اُس سے کتاب اوسط سے تعبیر کیا۔ وہ عالمِ جبرُوت ہے اور اُس کے لئے دونوں لاموں کی مثل ذات قائمہ نہیں۔

بے شک وہ ہمارے نزدیک عالمِ خیال کی طرح ہے تو دوسری لام کو اِس جزء کی طرف ملایا گیا اور جو اُس سے چاہا گیا تھا اُس میں رقم کیا، اور اُس کے ساتھ پہلے لام کی طرف توجّہ دی اور فرماں برداری کی۔ یہاں تک کہ اُس نے ہاں کر دی۔

جب پہلے لام نے اِس اَمر کو دیکھا جو اُسے اُس جزء کی وساطت سے دوسرے لام سے پہلے عطا ہُوا جو کہ شریعت ہے۔ تو اُس کے لئے اُس جزء کی طرف لوٹنے والا مشاہدہ اُس میں راغب کرنے لگا تاکہ مشاہدہ کے لئے صاحب اَمر کی طرف واصل کرے۔

جب اِس جزء کی طرف ہمّت صَرف ہُوتی اور اُس کے مشاہدہ میں مشغولیت ہو گئی تو اِس سے پہلی الف پردہ میں چلی گئی۔

آپ پیچھے کو لوٹ کر التماسِ نوُر کریں۔ اگر اس جزء کی طرف ہمّت صَرف نہ ہوتی پہلے الف سے بلا واسطہ تعلّقِ اَمر ہو جاتا۔ لیکن سرِّ عظیم کے لئے ممکن نہ تھا تو بے شک پہلا الف ذات اور دُوسرا الف عِلم ہے۔

اپنی پہچان سے خدا کو پہچاننا

کیا آپ نے دیکھا کہ دُوسری لام واسطوں سے پاک اور مُراد وہ مُجتبیٰ ہے تو الفِ وحدانیت کے ساتھ کیسے شافی اِتّصال ہو گا۔ یہاں تک کہ اُس کا وجُود نُطق بن کر الف پر صحیح دلالت کرتا ہے۔

اگرچہ ذات مخفی ہے کیونکہ آپ کا تلفظ لام کے ساتھ اتصال کو محقق کرتا ہے اور اس پر آپ کی دلالت کرتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رَبّ کو پہچان لیا جس نے دوسری لام کو پہچان لیا اُس نے الف کو پہچان لیا تو اس پر آپ کے نفس کو دلیل بنایا پھر اس پر آپ کے دلیل ہونے کو اس پر اس کے حق میں دلیل بنایا جو دُور ہے، اپنے رَبّ کے ساتھ اُس کی معرفت پر عبد کو اپنے نفس کی معرفت مقدم ہے پھر اس کے بعد یہ اُسے اُس کی اپنے نفس کی معرفت سے فانی کر دیتا ہے اس لئے کہ اس سے مُراد یہ تھی کہ وہ رَبّ کو پہچان لے۔

کیا آپ نے لام اور الف کا معانقہ دیکھا۔ لام الف سے پہلے کلام میں کیسے پایا جائے گا اور اس میں اُس کے لئے انتباہ ہے جو اِدراک کرتا ہے تو یہ لام ملکوتی ہے جو بغیر واسطہ کے وحدانیت کے الف سے ملا ہُوا ہے۔ پس اُسے جبروتی جُزء پر شہادت و فلک کی لام کی طرف لوٹانے کے لئے وارد کرتا ہے تو ترکیب و حجاب کا اَمر ایسے ہی ہے۔

اللہ کی ل اور ہ

جب اوّلیت و آخریت اور ظاہریت و باطنیت حاصل ہو گئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارادہ فرمایا جیسا کہ حرُوف کے ساتھ الف مِن کُل الوجُوہ اِتصال سے مقدّم اور مُنزّہ ہے، انتہاء کو اِبتداء کی نظیر ٹھہرانے کا ارادہ کیا تو عبد کے لئے اوّل و آخر بقاء درُست نہیں۔ پس ہاء مُفردہ کو ہُویت کی واوؔ کے ساتھ پیدا کیا۔ اگر مُتوہم کو وہم ہو کہ ہاء لام سے ملی ہُوئی ہے تو یہ بات اس طرح نہیں۔ یقیناً یہ اُس الف کے بعد ہے جو لام کے بعد آتا ہے اور الف دُوری

میں جس چیز کے ساتھ اُس کے مُتّصِل نہیں۔

لام کے بعد ہاء، ہر چیز سے قطع کیا ہُوا ہے تو لام کے ساتھ یہ اِتّصال خط میں نہیں پس ہاء ایک ہے اور الف ایک ہے تو ایک کو ایک سے ضرب دی جائے گی تو اپنی ضرب میں ایک ہی رہے گا۔ چنانچہ حق سے خلق کا انفصال اور علیٰحدہ ہونا واضح تر ہے اور حق باقی ہے۔

ملکیّت کے لام کا تخلّق درُست ہے۔ کیونکہ اس پر ملکُوت کا لام وارد ہوتا ہے تو یہ اپنی صفات سے ہمیشہ مُضمحل رہتا ہے اور اپنی رسُوم سے فانی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اُسے اپنی ذات سے مقامِ فناؔ حاصل ہو جاتا ہے۔ پس جب اپنی ذات سے فانی ہو جاتا ہے تو اپنی فناء کے لئے جُزء میں فنا ہو جاتا ہے اور دونوں لاموں کے تلفّظ کا کلام میں اتّحاد ہو جاتا ہے۔ زبان انہیں ایک دُوسرے میں مدغم کرنے کے لئے تشدید سے کام لیتی ہے جو دونوں الفوں کے درمیان موجود ہے جو اِن پر مشتمل ہے اور اِن کا احاطہ کرتی ہے۔

جب ہم نے دونوں الفوں کے درمیان کے بغیر بولنے والا لفظ سُنا تو ہمیں حکمتِ موہُوبہ عطا فرمائی گئی۔ پس تو ہم نے بدیہی علم سے جان لیا کہ قدیم کے ظہُور سے مُحدِث فانی ہو جاتا ہے۔ پہلا اور دُوسرا الف باقی ہے اور کلمۂ نفی کے ساتھ دونوں لاموں کے زائل ہونے سے ظاہر و باطن زائل ہو جاتا ہے۔ ہم نے ایک کو ایک سے ضرب دینے کی طرح الف کو الف سے ضرب دی تو اِس سے آپ کے لئے ہاء نکلی۔ جب یہ ظاہر ہُوئی تو اوّل و آخر کا وُہ حُکم زائل ہو گیا جسے اُس نے واسطہ مقرّر کیا تھا جیسا کہ ظاہر و باطن کا حُکم زائل ہو جاتا ہے۔ پس اِس مقام پر کہا کہ اللہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

پھر اس ضمیر کی اصل ہا ہے جو کہ رفع ہے اور لازمی ہے کہ وہ زبر ہو یا زیر ہو تو یہ صفت اُس کی زبر یا اُس کی زیر پر لوٹ آتی ہے اور لفظ میں عامل پر لوٹتی ہے۔

زبان دِل کی ترجمان ہے

تکملہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سبحانہ نے حرکات وحرُوف اور مخارج پیدا فرمائے اُن سے اللہ سبحانہ نے صفات ومقامات کے ساتھ ذوات کے امتیاز کی دلیل قائم فرمائی اور حرُوف کو موصُوف کی نظیر بنایا، اور مخارج کو مقامات ومعارج کی نظیر ٹھہرایا۔ حرُوف سے اس اسم کے لئے اس کے وصل وقطع کی وجوہ سے علی العموم ء ا ل ہ و عطا کئے یعنی ہمزہ، الف، لام، ہا اور واؤ، پس پہلا ہمزہ ہے اور آخری واؤ ہے اور دونوں کا مخرج ایک ہے جو دل سے مِلا ہوُا ہے۔ پھر ہمزہ اور ہا کے درمیان حرفِ لام مقرّر کیا جس کا مخرج ترجمانِ قلب زبان ہے۔ پس دونوں لاموں اور ہمزہ وہا کے درمیان نسبت واقع ہوگئی جیساکہ دل کے درمیان نسبت واقع ہوئی۔ جو محلّ کلام اور زبان کے درمیان اُس کا مترجم ہے۔ اخطل نے کہا۔

اِنّ الکلام لفی الفواد وَ انما
جعل اللسان علی الفواد دلیلا

یقیناً کلام دل میں ہے اور زبان دل پر دلیل بنائی گئی۔

جب لام زبان سے ہے تو اُسے اُس کی ذات کی بجائے زبان کی طرف ناظر مقرّر کیا اور اُسے اُس سے فنا کر دیا۔ یہ تالُو کا نچلا حِصّہ ہے۔ جسے اُس نے دیکھا اور خود کو نہ دیکھا تو اُوپر کے تالُو کی طرف مُرتفع ہو گیا۔ تالُو کی سختی

میں زبان اُس کے ساتھ سخت ہوگئی۔ اُس کے مشاہدہ کے ساتھ اُس کا ارتفاع اور بلندی ہے اور واوٌ وجُودِ ظاہری کی طرف ہونٹوں سے نکلی۔ اس پہ خبر دینے والی کی دلالت ہے اور یہ نبوّت کا باطنی مقام ہے اور یہی وہ بال ہے جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی طرف سے ہم میں ہے اور اس میں وِراثت ہوتا ہے، اِس وصل سے یہ نکلا کہ ہمزہ اور الف اور ہاء عالمِ ملکوت سے ہیں اور لام عالمِ جبرُوت سے ہے اور واوٌ عالمِ ملک سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ میں الرَّحْمٰنِ

وَصلِ اُس کا قول بِسْمِ اللّٰہِ سے الرَّحْمٰنِ! اِس باب میں اس اسم پر دو وجہوں سے گفتگو ہوتی ہے۔ ذات کی وجہ سے اور صِفت کی وجہ سے، جو اُسے اُس کا بدل کہتا ہے وہ ذات مقرّر کرتا ہے جو اُسے نعت کہتا ہے وہ اُسے صِفت مقرّر کرتا ہے۔

صفات چھ ہیں اور اِن صفات کی شرط سے زندگی ہے تو سات ظاہر ہوگئیں، یہ تمام صفات ذات کے لئے ہیں اور رحمٰن سے یہی الف میم اور نُون کے درمیان موجود ہے اور اِس اِسم پر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی اِس حدیث سے کلام کی ترکیب ہوتی ہے

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ۲؎ الحدیث،

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صُورت پر پیدا فرمایا!

صُورَتِہٖ کی ضمیر کو اگر اللہ تعالیٰ پر پھیرا جائے تو اِس کی تائید حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی اِس دُوسری حدیث سے ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰن، "الحدیث"

یقیناً اللہ تعالیٰ نے آدم کو صورتِ رحمان پر پیدا فرمایا۔

یہ روایت اہلِ نقل کے طریقہ سے صحیح نہیں جب کہ اہلِ کشف کے نزدیک درست ہے۔

مَیں کہتا ہوں الف، لام اور راء علم و ارادہ اور قدرت کے لئے ہے میم اور نون کلام کا مدلول اور سمع و بصر ہیں اور اس کی شرط صفت زندگی ہے جو جمیع صفات کی ساتھی ہے۔

پھر وہ الف ہے جو میم اور نون کے درمیان مدلولِ موصوف ہے اس کے خط کا حذف ہونا موصوف کے ساتھ قیام کی حیثیت سے اُس پر دلالتِ صفات کے لئے بدیہی دلالت ہے۔ عالم کے لئے صفات کی جلوہ گری ہے اس لئے اُسے یعنی اللہ تعالیٰ کو صفات کے علاوہ نہیں جانتے اور نہ اُسے جانتے ہیں پھر وہ جو الف کے وجود پر دلالت کرتا ہے ضروری ہے کہ ہم اُس کا ذکر کریں اور وہ میم کو کھولنا اور لمبا کرنا ہے اور یہ اشارۂ الٰہیہ عالم پر کشادگی رحمت کی طرف ہے۔ پس یہ سوائے الف کے مفتوح قبول کرنے کے کبھی نہیں ہوگا۔ ان مقامات کی مثل میں فتح الف پر دلالت کرتی ہے اور یہ وجودِ روح کا وہ محل ہے جس کا مقام کشادگی کے لئے محلِ تجلّی ہے۔ لہٰذا اہلِ عالمِ ترکیب نے خطوط وضع کرنے میں اُس یاء کا ذکر کیا ہے جس کا پہلا حرف زیر والا ہے۔ کیونکہ یاء صحیح بھی پائی جاتی ہے اور اس سے پہلے کسرہ یعنی زیر نہیں آتی۔ ایسے ہی وہ واؤ ہے جس سے پہلے ضمہ یعنی پیش ہوتی ہے۔

جب الف کا ذکر کرتے ہیں اُس کے ماقبل کو مفتوح یعنی زبر والا نہیں کہتے کیونکہ واؤ اور یاء کے برعکس الف سے پہلے کوئی حرف نہیں۔ مگر اُس پر

فتح یعنی زَبر ہوتی ہے، پس الف کے لئے ہمیشہ اعتدال ضروری ہے۔ جاہل شخص جب وجود میں تمام نقائص سے پاک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں جانتا تو قدسی اور اعلیٰ رُوح کو بھول جاتا ہے۔ پس کہتا ہے وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب اُس سے تفصیلاً پُوچھا جاتا ہے تو اُس سے اس کا جواب نہیں بن پاتا۔

بے شک وہ واؤ کو ماقبل مضمومہ یعنی پیش کے ساتھ اور یاء کو ماقبل مکسورہ یعنی زیر کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا، پس الف کے درمیان اور واؤ اور یاء کے درمیان مفارقت درُست ہے۔

الف ذات کے لئے اور واؤ عُلیہ صفات کے لئے اور یاء عُکلیہ افعال کے لئے اور الف رُوح کے لئے ہے اور عقل اُس کی صفت ہے اور وہ فتح یعنی زبر ہے۔ واؤ نفس ہے اور اُس کی صفت قبض ہے اور قبض ضمہ یعنی پیش ہے۔

یاء جسم ہے اور وجودِ فعل اُس کی صفت ہے اور وہ کسرہ یعنی زیر ہے اور واؤ اور یاء سے جو پہلے ہے وہ فتح یعنی زَبر ہو تو وہ مخاطب کے حال کی طرف لَوٹتا ہے۔ چُونکہ یہ دونوں غیر ہیں تو لازمی ہے کہ دونوں پر اختلاف صفات ہو، چُونکہ الف حرکات کو قبول نہیں کرتا لہٰذا اپنے مدلُول کے ساتھ مُتحد ہو جاتا ہے۔

حرُوفِ عِلّت

اِن پر ہرگز کسی چیز کا اختلاف نہیں ہوتا۔ اِس لئے ان کا نام حرُوفِ عِلّت ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

الف وجُودِ صفت کے لئے ذاتِ علّت ہے اور واؤ وجودِ فعل کے لئے

صفتِ علّت ہے اور یا، وجود کے لئے فعلِ علّت ہے جو اُس سے عالمِ شہادت میں حرکت و سکون سے صادر ہوا، لہٰذا ان کا فاعل علل رکھا گیا۔

پھر اِس اسم سے نونِ نصف دائرہ کی شکل میں وجود میں آیا اور آخری نصف اس نقطہ میں معقول و محصور ہے جو اُس نونِ غیبیہ پر دلالت کرتا ہے جو نصف دائرہ ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ نقطہ نونِ محسوسہ پر دلیل ہے۔

پھر حا، کا پہلا حصہ پایا گیا جو تحریر میں الف محذوفہ سے ملا ہوا ہے جو اُس کے مشاہدہ کی طرف اشارا ہے اور ساکن ہے اور اگر را، کی طرف اُس کا اگلا حصّہ ہوتا تو متحرک ہوتا۔

پس پہلا الف علم کے لئے لام ارادہ کے لئے اور را، قدرت کے لئے ہے اور یہی صفتِ ایجاد ہے، پس ہم نے الف کو پایا کہ اُس کے لئے ہمزہ اور را، کے ہونے سے حرکت ہے اور لام ساکن ہے، پس ارادہ کا قدرت کے ساتھ اتحاد ہو گیا۔ جیسا کہ علم اور ارادہ کا اتحاد قدرت کے ساتھ ہے۔

جب رحمٰن اللہ کے ساتھ واصل ہوا تو قدرت کی را، میں ارادے کا لام مدغم ہو گیا۔ بعد میں جو را، پھری گئی اور حا، پر تحقیقِ ایجاد کے لئے اُس پر شِدّت کی گئی۔

کلمے کا وجود ساکن ہے اور اُس کا ساکن نہ ہونا تقسیم نہ ہونے کی بنا پر ہے جب کہ حرکت تقسیم ہوتی ہے اور اس کا سکون محسوس ہوا۔ اور ہم نے دیکھا کہ وہ قدرت کے را، کی مجاور ہے تو ہم نے جان لیا کہ وہ کلمہ ہے اور اس کی تثمین ہے۔

کیا اسمِ رحمٰن اسمِ اللہ کا بدل ہے اسمِ رحمٰن کو اسمِ اللہ کا بدل ظاہر کرنے والے کے قول میں مقامِ جمع اور اتحادِ صفات کی جانب اشارہ ہے اور یہ مقام "خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کی روایت سے ہے۔

مقامِ حق میں بندے کا یہ وجُود حدِ خلافت ہے، اور خلافت بدیہی طور پر ملک کی استدعا کرتی ہے اور ملک دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے۔

ایک قسم اُس کی ذات کی طرف لَوٹتی ہے۔

دوسری قسم اُس کے علاوہ کی طرف پلٹتی ہے۔

وہ ہماری ترتیب کی حد پر اِس مقام میں ایک قسم درُست ہے، اِس لئے کہ اِس مقام پر بدل مُبدّل مِنہٗ کے محل پر ہے۔

اِس کی مثال ہمارا یہ قول ہے جَاءَنِیْ اَخُوْكَ زَیْدٌ' یعنی تیرا بھائی زید میرے پاس آیا۔

پس زید تیرے بھائی سے ایسا بدل ہے۔ جیسا کسی چیز کا کسی چیز سے ہوتا ہے اور اُن دونوں کے لئے عینِ واحدہ ہے۔ کیونکہ زید آپ کا بھائی ہے اور آپ کا بھائی بلاشک زید ہے اور یہ ایسا مقام ہے جس نے اِس کے خلاف عقیدہ رکھا وہ حقیقت پر واقفیت نہیں رکھتا۔ نہ وہ اُس کے مُوجد کو کبھی پا سکتا ہے۔ جو شخص اُسے نعت ظاہر کرتا ہے تو اُس کا اشارہ صِفت میں مقامِ تفرقہ کی طرف ہے اور وہ مقام اِس روایت سے ہے۔

خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰنِ ، الحدیث

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو صُورتِ رحمٰن پر پیدا فرمایا۔

یہ مقامِ وراثت ہے اور یہ دو غیروں کے حجاب کے مقام میں بغیر ایک کے غائب ہونے اور دوسرے کے ظہُور کے واقع نہیں ہوتا۔ اور یہ اِس سے بالمثل تعبیر ہوتا ہے۔

ہم نے اس میں اُس دلیل پر اقرار کیا جسے ہم نے پوشیدہ کیا۔ پس غور کریں۔ پھر نیچے کا آدھا نون ظاہر ہُوا۔ اور وہ ہمارے لئے فلکِ دائر کے نصف دائرہ سے نصف ظاہر ہے اور مرکزِ عالم اُس خط کے وسط میں ہے جو دوسرے گوشے کی طرف نصف حصّہ سے ممتد ہوتا ہے اور دوسرا نصف حصّہ نکتے میں مستور ہے اور وہ ہماری طرف اضافت کے ساتھ نقیضِ خط کے تحت ہم سے غائب ہے۔ کیونکہ ہمارا دیکھنا ایک طرف میں فعل کی حیثیت سے ہے۔ پس خط میں موجود نصف حصّہ مشرق اور نکتہ میں مجموع نصف حصّہ مغرب ہے اور وہ مطلعِ وجود الاسرار ہے۔ پس مشرق ظاہر ہے اور قابلِ تقسیم مرکّب ہے اور مغرب باطن بسیط ہے اور قابلِ تقسیم نہیں اور اس میں یہ قول ہے۔

عجبا للظاهر ينقسم	ولباطنه لا ينقسم
فالظاهر شمس فى حمل	والباطن فى أسد علم
حقق وانظر معنى سترت	من تحت كنائفها الظلم
ان كان خفى هو ذاك بدا	عجبا والله هما القسم
فافزع للشمس ودع قمرا	فى الوتر يلوح وينعدم
واخلع نعلى قدمى كونى	على شفع يكن الكلم

ظاہر کے لئے تعجّب ہے کہ تقسیم ہو جاتا ہے اور اُس کے باطن کے لئے کہ وہ تقسیم نہیں ہوتا۔ پس ظاہر سُورج برُج حمل میں ہے اور باطن برُج اَسد میں تحقیق سے پوشیدہ معنوں کو دیکھیں جو ہونٹوں کے نیچے ہے۔ اگر وہ مخفی ہے تو وہ ظاہر ہے۔ پس دونوں قسمیں تعجّب خیز ہیں۔

پس آفتاب کی جُستجو کریں اور قمر کو وِتر یعنی طاق میں رُخصت کر دیں۔ کیونکہ وہ ظاہر اور معدُوم ہوتا ہے۔

اور پاؤں سے جوتا اُتار دیں اور دو علم ہو جائیں تو کلمے بن جائیں گے۔ اس لئے معلومات کے ساتھ علم، مرادات کے ساتھ واحد ارادہ اور مقدورات کے ساتھ واحد قدرت کا تعلق ہوتا ہے۔

مقدورات و معلومات اور مُرادات میں تقسیم و تعداد واقع ہوتی ہے۔ اور یہ تحریریں نصف حصہ موجود ہیں۔ اور اس اشارہ میں علم و قدرت اور ارادہ سے باطنی اوصاف سے اتحاد اور منزّہ ہونا واقع ہوتا ہے۔ پس اس پر غور کریں۔

"حا" کے عدد آٹھ ہوتے ہیں اور وہ کمال کا وجود ہیں۔ اس لئے ہم اُس سے کلمہ اور رُوح کی تعبیر کرتے ہیں۔ ایسے ہی "نون" عشروں میں پانچواں ہے۔ کیونکہ "میم" سے "مقدم" ہے اور وہ چوتھا ہے۔ پس نوُن جسمانی رُوح، عقل، نفس اور وجود فعل کے مواد کی ایجاد کا محل ہے۔ اور یہ تمام "نوُن" میں ودیعت ہیں اور یہ تمام انسان ہیں جس کا اظہار ہُوا اور اس لئے ظاہر ہے۔

تتمہ سوائے اس کے نہیں کہ الف کے ساتھ میم اور نوُن کے درمیان فصل قائم کی گئی۔ کیونکہ "میم" ملکوتیہ ہے جب ہم نے اُسے رُوح کے لئے مقرر کیا۔ وجود کے لئے سلب دعویٰ کا راز نوُن ملکیہ اور نکتہ جبروتیہ ہے۔ گویا کہ وہ کہتا ہے۔ اے وہ رُوح جو میم ہے۔ مَیں نے تجھے تیری حیثیت سے نہیں چُنا لیکن میرے وجودِ علمی میں تیرے لئے عنایت سبقت لے گئی۔

اگر تو چاہے کہ نکتہ عقل اور نوُنِ انسانیہ کے لئے بغیر اپنے وجود کے واسطہ کے اطلاع پائے تو اپنے نفس کو پہچان کر اور جان لے میرا تیرے ساتھ یہ اختصاص میری اپنی حیثیت سے ہے نہ کہ تیری حیثیت سے ہے۔ پس چُناؤ صحیح ہے تو اُس کے غیر کے لئے کبھی تجلّی نہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اس پر جو اَولیٰ ہے۔

اے مسکین! متنبہ ہو وجودِ میم میں تقدم کے باوجود دائرہ جسم کی صُورت

پر ہے اُس کے ساتھ تقسیم سے تنزیہہ کی طرف کیسے اشارہ ہے اور دائرہ کی تقسیم لامتناہی ہے اور رُوحِ میم کی تقسیم اُس کی معلومات کے ساتھ لامتناہی ہے اور وہ بنفسہٖ تقسیم نہیں ہوتا۔

پھر دیکھیں کہ میم جب اُس ایک سے علیحدہ ہوتی ہے۔ اُس سے مادۂ تعریق کیسے ظاہر ہوگا۔ اِس لئے کہ عالمِ خطاب و تکلیف میں وجُود فعل کی طرف نزُول کرتا ہے تو مادہ اپنی ذات کے حق میں نہیں دوسرے کے حق میں ہوگا، جب دائرہ اُس پر بطور خاص دلالت کرتا ہو تو جو زائد ہے وہ اُس کے حق میں نہیں کیونکہ اُس کی ذات ثابت ہے تو باقی نہیں سوائے اِس کے کہ دوسرے کے حق میں ہو۔ پس جب عبد کی نظر مادہ کی طرف ہوتی ہے تعریق لمبی ہو جاتی ہے اور یہ وہ تحقیقِ وجُود ہے۔

رحمٰن آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے

پھر جاننا چاہیئے کہ میم اور نوُن کے درمیان جُزءِ متّصل ہے وہ مرکزِ الف ذات کا ہے اور مادہ کے طریق کے ساتھ میم اور نوُن کے درمیان اِتصال واقع کرنے کے لئے الف چھُپ گئی اور وہ جُزءِ متّصل ہے۔ اگر الف ظاہر ہوگی میم کے لئے دائرہ درُست نہیں کیونکہ الف دونوں کے درمیان حائل ہے اور اِس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اِس ارشاد کی طرف تنبیہہ ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ — النبا آیت ۳۷

آسمانوں اور زمین اور جو دونوں کے درمیان ہے اُس کا رَبّ رحمٰن ہے

اِس الف مُراد کا وجود اسے ظاہر کرنے والے کا مُبتداء ہے اور ترکیب کے طریق سے درُست نہیں، اور رَبّ کا بدل ظاہر کرنا صحیح ہے۔ الف یہاں رُوح

سے عبارت ہے تو وہ باقی ہے اور حق تمام کے ساتھ قائم ہے اور میم آسمان اور نون زمین ہے اور جب الف میم اور نون کے درمیان ظاہر ہوتا ہے تو میم کے ساتھ اتصال ہوتا ہے نون کے ساتھ نہیں۔ پس اُسے قطع کرنے کے لئے نون کو بغیر واسطہ کے صفت نہ پکڑیں اور میم کے ساتھ اس کا اتصال بلا واسطہ اخذ کرنے پر دلالت کرتا ہے اور قطع کے ساتھ اُس کا عدم درست ہے۔ اِس میں نون فنا ہو جاتا ہے اور میم اُس کے درمیانی نقطہ کے ساتھ اُس کے قدم کے راز سے محجوب باقی رہتا ہے۔ یہی نظر کے ساتھ اُس کی ذات کی طرف جرفِ دائرہ ہے بعد اس کے کہ وہ اُس میں اُس کے لئے ظاہر نہ تھا۔

سوال و جواب

سوال : کیا آپ نے اپنے سرِ قدم کو جان لیا اور اُس نے نہ جانا۔ اگر آپ اپنے ظاہر کی طرف دیکھیں تو وہ اِسے جاننے کا آپ سے زیادہ مستحق ہے یا کیا سرِ قدم کے عالم میں وہ معنی موجود ہیں جس میں آپ کلام کرتے ہیں اور وہ رُوحِ میم ہے جو اپنے سرِ قدم پر واقف ہے۔

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ ہم سے رازِ قدم کو جاننے والا وہ ہے جسے وہاں ہم سے پردے میں رکھا ہُوا ہے۔ تو جس وجہ سے ہم اُس کا علم ثابت کرتے ہیں وہ اُس کے علاوہ ہے جس سے ہم نے اُس کے لئے عدمِ علم ثابت کیا اور سوائے اِس کے نہیں کہ یہ اُسے علم سے حاصل ہے آنکھ سے نہیں۔ اور یہ موجود ہے تو کسی چیز کے جاننے سے یہ شرط نہیں کہ اُسے دیکھا جا سکے۔ ایک وجہ سے معلوم کو دیکھنا اُس کے جاننے کو کامل اور معرفت کو زیادہ واضح کرتا ہے۔

پس ہر عین علم ہے اور ہر علم عین نہیں کیونکہ یہ شرط نہیں کہ مکّہ معظّمہ کو جاننے والے نے مکّہ معظّمہ کو دیکھا بھی ہو اور ہم قطعیّت کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکّہ معظّمہ کو جاننا ہے اور اس سے مُراد اسم نہیں۔ پس عین کے لئے علم معلوم پر درجہ ہے جیسا کہ کہا۔

ولکن للعیان لطیف معنی

لذا سأل المعاینة الکلیم

ولیکن دیکھنے میں لطیف معنی ہیں اس لئے کلیم نے دیکھنے کا سوال کیا۔
بلکہ ہم کہتے ہیں کہ حقیقت سِرِ قدم حق الیقین ہے کیونکہ دیکھا نہیں جاسکتا پس اپنے مُوجِد کی ذات کی طرف رجوع کرنے والا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔ اگر اپنے بنانے والے کی ذات کو جانتا ہے تو اُس کے حق میں نقصان ہے۔ پس اُس کے کمال کی انتہا اپنے نفس کو جاننا ہے۔ اس کے بعد یہ عین نہ ہوگی۔ یہ عجیب فصل ہے۔ اگر اس پر غور کریں گے عجائب پر واقفیّت حاصل ہوجائے گی پس غور کریں۔
تکملہ : لام کا راء کے ساتھ مُتّصِل ہونا اِتصال و اِتحادِ نُطق میں اس حیثیت سے ہے کہ دونوں میں دو باطنی صفات ہیں۔ پس دونوں پر اتحاد آسان ہُوا اور میں نے حاء پائی جو راء سے راء منفصلہ کے لئے اُس سے مقدور کے ساتھ کلمہ تعبیر ہوتی ہے اور یہ قدرت سے امتیاز مقدور کے لئے قدرت ہے۔ شاید کہ حاء مقدّورہ کو وہم ہو کہ وہ ذاتِ قدُرت کی صفت ہے۔ پس قدیم اور مُحدِث کے درمیان فرق واضح ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ اس پر غور کریں۔

رحمٰن اسم ہے ذات کے لئے

پھر جان لیں کہ رحمان اسم ہے اور وہ ذات کے لئے ہے جو پہلے الف

اور لام آتے ہیں وہ تعریف کے لئے ہیں اور دونوں صفات ہیں اس لئے دونوں کو زائل کر کے " الرَّحْمٰن " کی بجائے رحمان کہتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں ذات اور دونوں کے ساتھ صفت اسم نہیں۔

مسلیمہ کذاب کے اسم میں غور کریں۔ اُس کا نام رحمٰن کے ساتھ تھا اور اُسے الف لام کی طرف ہدایت نہیں ہُوئی۔ کیونکہ ذات ہر ایک کے لئے محلِ دعویٰ ہے اور مُدعی صفات کے ساتھ رُسوا ہوتا ہے۔

پس رحمان مقام جمع ہے اور یہ مقامِ جہل ہے۔ طریق اللہ کی طرف ترقی کے لئے سب سے اشرف اللہ تعالیٰ سے جہل ہے۔ یعنی اُسے نہ جاننا اور اُس کے ساتھ اُس کی معرفت کا جہل ہونا۔ کیونکہ یہ عبودیت کی حقیقت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

اور اللہ کی راہ میں اُس سے خرچ کرو جو تمہارے لئے ہے

تو یہ تمہارا جہل ہے اور اس کی تائید اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِس قول سے فرمائی۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم نہیں دیا مگر قلیل۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ

وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے۔

پس مسیلمہ، ابلیس اور دجال سے حقیقتِ استخلاف سلب ہو گئی اور اُن

کا وہی حال ہے جو جاتا گیا۔ اگر اُن کا استحقاق ذاتی ہوتا تو ہرگز سلب نہ ہوتا ولیکن اگر عین تنقید اور قبولِ کُلّی کے ساتھ دیکھیں گے نہ کہ اَمر کی آنکھ سے تو آپ مخالف کو اطاعت گذار اور ٹیڑھے کو سیدھا پائیں گے اور سب کو طوعًا وکرہًا اطاعت میں پاؤ گے۔

ابلیس اور مسیلمہ کی عبودیت کے ساتھ تصریح کی گئی اور دجّال نے انکار کیا۔ پس غور کریں کہ اُن میں سے ہر ایک نے کہاں سے کلام کیا اور اُن کے لئے کون سے حقائق ظاہر ہوئے۔ یہاں تک کہ اُن کے لئے یہ احوال واجب ہوئے۔

تتمّہ :۔ جب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو پڑھتے ہیں تو الف اور لام کا وجود ظاہر نہیں ہوتا اور ذات سے ذات کا اتصال ہو گیا۔

اللہ اور رحمان

اللہ اور رحمٰن ذات کے دو اسم ہیں تو اُس کی ذات کے ساتھ رجوع ہے اس لئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں اَعُوۡذُبِکَ مِنۡکَ یعنی میں تجھ سے تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ جب ذات کی طرف منتہیٰ ہوا تو غیر کو نہ دیکھا تو فرمایا اَعُوۡذُبِکَ یعنی تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جب کہ ضروری ہے جس چیز سے اُس کی پناہ طلب کی جائے وُہ اُس کے لئے منکشف ہو۔ پس آپ نے فرمایا۔ مِنۡکَ یعنی تجھ سے اور منکَ وُہ ہے جس پر اَعُوۡذُ دلالت کرتا ہے اور اسے علیحدہ کرنا درست نہیں کیونکہ وہ ذات میں ہے اور اس میں تفصیل جائز نہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کلمۃ اللہ ہی عَبد ہے تو جیسا کہ اللہ کا لفظ ذات کے لئے دلیل ہے۔ ایسے ہی عبد جامع کُلّی ہے، پس عَبد وُہ کلمۃ جلالت ہے۔

بعض محققین نے حال میں کہا ہے مَا اَنَا اللہ یعنی میں نہیں ہوں اللہ ہے۔

اور بعض صوفیاء نے دو مختلف مقامات سے بھی کہا ہے۔

چنانچہ معنیٰ کے مقام اور حرف کے اُس مقام میں فرق ہے جس میں وہ معنیٰ پایا جاتا ہے۔ پس اُس نے حرف کو حرف کے مقابل کیا کہ میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور معنیٰ کو معنیٰ کے بالمقابل کیا کہ تجھ سے تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں یہ انتہائے معرفت ہے۔

خاتمہ:۔ ہو سکتا ہے کہ آپ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی اعبد واللہ یعنی اللہ کی عبادت کرو تو انہوں نے نہیں کہا کہ اللہ کیا ہے؟ کو دیکھتے ہوئے اسمِ اللہ اور رحمٰن کے درمیان فرق محسوس کرو۔ جب کہ کفار کو فرمایا۔ اسجدوا للرحمٰن یعنی رحمٰن کو سجدہ کرو تو انہوں نے کہا ما الرحمٰن، یعنی رحمان کیا ہے؟

اِس لئے ایک گروہ کے نزدیک نعت بدل سے بہتر ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک بدل بہتر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى [1]

یعنی اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو اُسے اچھے ناموں سے پکارو!

پس اُنہیں ذات کے لئے مقرر کیا اور عرب نے اللہ کے کلمے کا انکار نہیں کیا اور وہ اِس کے قائل تھے کہ۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى [2]

یعنی ہم اِن بتوں کو اِس لئے پوجتے ہیں کہ اللہ کا تقرب حاصل کریں۔ پس وہ اللہ کو جانتے تھے اب جب کہ رحمان رحمت سے مشتق ہے اور اُن میں بھی صفتِ رحم موجود تھی۔ اِس لئے وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں وہ یعنی رحمٰن اُن کی جنس سے نہ ہو جو معبود پر دلالت کرتا ہے۔ پس اُنھوں نے انکار کیا اور کہا رحمٰن کیا ہے؟

---

[1] بنی اسرائیل آیت ۱۱۰ [2] الزمر آیت ۳

چونکہ ہر کلام کے معنے سمجھنا شرط نہیں لہٰذا فرمایا!

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط بنی اسرائیل آیت ۱۱۰

جب کہ دونوں لفظ ایک ذات کی طرف لوٹتے ہیں اور یہ حقیقت عبد ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اِدراک وتوہم اور عِلم محیط سے منزّہ ہے۔

بسم اللہ میں رحیم کیوں

وَصل :۔ بسم اللہ میں رحیم کا لفظ آیا ہے اور رحیم حضرت محمّد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صِفت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

بِالْمُؤمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

یعنی آپ مومنوں پر رافت اور رحم فرمانے والے ہیں۔

اِس کے ساتھ کمالِ وجُود ہے اور رحیم کے ساتھ بِسم اللہ پُوری ہوگئی اور اس کے ساتھ خلق وابداع کا عالم پُورا ہوگیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وجُودِ عالم کا عقلاً اور نفساً مُبتداء ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اُس وقت نبی تھا جب آدم پانی اور مٹّی کے درمیان تھے۔

اس میں وجُودِ باطن کی ابتدا ہوئی اور اس کے ساتھ عالم تخطیط یعنی عالم منقوش میں ظاہر کا مقام اختتام پذیر ہوگیا، پس فرمایا۔

لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ الحدیث

یعنی میرے بعد نہ رسُول ہے اور نہ نبی

پس رحیم حضرت محمّد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بِسم ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

یعنی مقامِ ابتداء و انتہا میں یہی امر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام حامل اسماء ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

عَلَّمَ آدَمَ اَسْمَاءَ کُلَّھَا

جب کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اُن اسماء کے معانی کے حامل ہیں۔

جن اسماء کے حضرت آدم علیہ السلام حامل تھے اور یہی کلمات ہیں۔

حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا! اُعْطِیْتُ جَوَامِعُ الْکَلِمْ یعنی مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے۔ اور کسی نے اپنی ذات پر ایسی کمال ثناء نہیں کی جس پر اُس سے یہ ثناء کامل ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام!

اسماء کی معرفت

جسے اسماء کی ذات حاصل ہو جائے اسماء اُس کے حکم کے تحت ہوتے ہیں اور ایسا کوئی شخص نہیں جس کو اسماء کا حصول ہو جائے اور مسمیٰ کا حاصل ہونا بھی اُس کے پاس ہو۔ اور یہی ہم پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت ہے اس لئے کہ اُنہیں ذات حاصل تھی اور ہمیں اسم۔ اور جب ہم نے حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے اسمِ گرامی کا وہی احترام کیا جو وہ ذات کا کرتے تھے تو ہمارے اجر میں بھی اضافہ ہو گیا۔ چونکہ اُن کے لئے غائب ہونے کی حسرت نہ تھی، لہٰذا ہمارے ثواب کے اضافے پر اضافہ ہوا۔ پس ہم اخوان اور وہ اصحاب ہیں۔ آپؐ کو ہمیں ملنے کا اشتیاق تھا اور آپؐ کو ہم میں سے کسی ایک کے ساتھ مُلاقات کی کیوں خوشی نہ ہوتی اور آپ کیوں فرحت نہ فرماتے۔ جب کہ جس کا آپ

کو شوق ہوتا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ تو کیا آپؐ کی کرامت اور نیکی کو اُس شخص پر قیاس کیا جا سکتا ہے؛ اور ہم میں سے وہ عمل کرنے والے کے لئے پچاس نیکیوں کا ثواب ہے جو آپ کے اصحاب کرتے تھے تو یہ اُن کے اعیان سے نہیں بلکہ اُن کے امثال سے ہے۔

یہ آپ کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ بَلْ مِنْكُمْ یعنی وہ تم سے ہیں۔ پس اُنہوں نے جِدّ و جُہد کی یہاں تک کہ وہ پہچان گئے کہ اُن کے پیچھے اُن کے بعد ایسے لوگ بھی ہیں جو اگر آپ کو دیکھ لیتے تو وہ یعنی صحابۂ کرام آپؐ کی طرف اُن سے سبقت نہ لے جاتے اور یہاں مجازات واقع ہوئے ہیں اور اللہ ہی مدد فرمانے والا ہے۔

چار لفظ چار معنے

تنبیہہ:۔ پھر جاننا چاہیئے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمُ چار الفاظ ہیں اور اُن کے لئے چار معانی ہیں تو یہ آٹھ ہوئے اور یہ آٹھ عرشِ محیط کے حامل ہیں اور وہ عرش سے ہیں۔ یہاں وہ ایک وجہ سے حاملانِ عرش ہیں اور ایک وجہ سے عرش ہیں۔ پس اس پر غور کریں تو آپ کی ذات کے لئے آپ کی ذات سے اخراج ہوگا۔

بسم اللہ کا میم

تنبیہہ:۔ پھر ہم نے بِسم اللہ کی اُس میم کو پایا جو حضرت آدم علیہ السلام کی مُعرّق میم ہے اور ہم نے رحیم کے میم کو پایا جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میم کے معرّق ہے۔ جو عموماً خطابِ وجُود کے لئے ہے۔ جیسا کہ حضرت آدم

علیہ السلام عموماً ہمارے پاس تھے۔ لہٰذا دونوں میم لمبے ہوتے ہیں۔

انتباہ :- ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہوا و ہوس سے تطق نہ فرماتے تھے، نے فرمایا!

"اگر میری اُمت صالح ہوگی تو اس کے لئے ایک دن ہوگا۔ اور اگر فساد کرے گی تو نصف دن ہوگا۔" اور صالحین کا دن یوم ربانی ہے۔ ایام اللہ اور ایام ذوالمعارج کے بالعکس پروردگار کے ایام سے ہر دن ہزار سال کا ہے اور کیونکہ ان ایام کا فرق ایامِ رَبّ سے بڑا ہے۔ انشاء اللہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ جو معرفتِ زمان و اصلاحِ اُمت کے باب کے عنوان سے اس کتاب میں داخل ہے۔

ہزار سال ہزار مہینے

اور جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس کی طرف نظر کے مطابق ہے اور اُس کا فساد اُس سے اُس کے اعراض کے ساتھ ہے۔ پس ہم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ہزار معنوں پر مشتمل پایا۔ اور ہر معنے کا حصول ایک سال پورا ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور ان معانی کا حصول لازماً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو شامل ہے کیونکہ وہ اپنے معنی کے اظہار کے لئے عطا کی گئی ہے۔

پس لازم ہے کہ ہزار سال کامل ہوں اور یہ میزان میں پہلا دورہ ہے اور اس کی مدت چھ ہزار سال رُوحانیہ محقق ہوتی ہے۔ اس لئے اُن علوم الٰہیہ سے ظاہر ہوتے جو ان کے علاوہ اُمتوں میں ظاہر نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ دَور گزر گیا۔ جو مٹی کا تھا۔ پس اُن کے عِلم کی غایت طبائع کے ساتھ تھی اور ان میں علمِ الٰہیات کے جاننے والے بہت ہی تھوڑے تھے۔ قریب تھا کہ اُن کے لئے

عین کا ظہور نہ ہوتا۔ پھر اُن سے جو جاننے والا ہوتا طبیعات کے ساتھ مِلا ہُوا ہوتا اور یہ ضروری تھا اور ہمیں جو عِلم حاصل ہوتا ہے۔ وہ خالِص الٰہیات سے ہے اُس پر طبائع کے حکم کو کوئی راستہ نہیں۔

اللہ اور رحمان کے الف

مضّاح: پھر ہم نے اللہ اور الرحمٰن میں دو الف پائے۔ ایک الف ذات کے لئے اور ایک الف عِلم کے لئے ہے۔

ذات کا الف پوشیدہ ہے اور علم کا الف عالمِ پر تجلّیٔ صِفت کے لئے ظاہر ہے۔ پھر یہ بھی اللہ میں پوشیدہ ہو گیا اور اللہ اِلّا اللہ کے درمیان خط میں رَفع شک کے لئے ظاہر نہ ہُوا۔

اور ہم نے بسم اللہ میں آدم علیہ السلام کی طرح ایک الف پایا جو بار کے ظہور کے لئے پوشیدہ ہو گیا اور الرَّحیم میں ایک الف پایا جو حضرت محمّد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرح ظاہر ہے۔ اور یہ الف عِلم ہے اور حضرت محمّد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نفسِ ذات ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السّلام میں الف پوشیدہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ کسی کی طرف نہیں بھیجے گئے تھے اور اُن کے ظہورِ صفت کی ضرورت نہ تھی۔

اور سیّدنا حضرت محمّد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ اقدس میں ظاہر ہُوا۔ کیونکہ آپ بھیجے گئے تھے اور آپ نے تائید طلب کی تھی۔ پس آپ کو الف عطا کیا گیا جو اِس کے یعنی الرَّحیم کے ساتھ ظاہر ہُوا۔

بِسم اللہ کی بار

ہم نے بِسم میں سے با کو پایا۔ جو الرحیم کی میم میں عمل کرتی ہے

پس حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وجودِ ترکیب نے حضرت آدم علیہ السلام میں عمل کیا اور اللہ میں داعی ہونے کی وجہ سے اور رحمان میں مدّعو ہونے کے سبب سے عمل کیا۔

اور جب ہم نے دیکھا کہ ہدایت سے نہایت اشرف ہے تو ہم نے کہا۔

من عرف نفسہ عرف ربہ "الحدیث"

یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رَبّ کو پہچان لیا۔

اور اسم مسمّیٰ کی طرف زینہ ہے، جب ہم نے جان لیا کہ رُوح "بسم" میں رُوحِ الرّحیم کا عمل ہے کیونکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نبی تھے اور حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ اور اگر دونوں نہ ہوتے تو آدم علیہ السلام کا نام آدم نہ ہوتا۔ چنانچہ ہم نے جان لیا کہ بسم ہی وہ رحیم ہے کیونکہ کوئی چیز عمل نہیں کرتی۔ مگر یہ کہ اُس کی ذات ہو نہ کہ اُس کا غیر، پس نہایت و ہدایت اور شرک و توحید معدوم ہو گئے اور اتحاد اور اس کی سلطنت کا ظہور ہو گیا۔

پس حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جمع کے لئے اور حضرت آدم علیہ السلام تفریق کے لئے ہیں۔

ایضاح :۔ اس پر دلیل ہے کہ اُس کے قول میں "الرّحیم" کا الف العلم کا الف ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا خَمۡسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ المجادلہ آیت ۷

یعنی پانچ نہیں ہوتے مگر اُن کا چھٹا وہ ہے۔

بسم کی الف :۔ بسم کی الف میں بھی علم کا الف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ (المجادلہ آیت ۷)

یعنی تین سرگوشی نہیں کرتے مگر چوتھا اُن کا اللہ تعالیٰ ہے۔

پس الف ہزار ہے۔ نہ اس سے توحید کا باطن کم ہے اور نہ اُس کے ظاہر کی مُراد زیادہ ہے۔ پھر بسم سے آدم میں الف پوشیدہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ پہلے موجود تھا اور اُس کے مقام پر اس کا کوئی مدعی اور جھگڑا کرنے والا نہ تھا اور وہ پہلی ہی نظر میں اپنے مُوجد کے وجُود پر دلالت کرتا ہے۔ اِس لئے کہ وہ ہمارے وجُود کو نتیجہ کرنے کا مقام ہے۔ کیونکہ جب اُس نے اپنے وجُود میں دیکھا تو اس کے لئے دو امروں میں تعارض کیا۔

ایک یہ کہ کیا اُسے ایسے وجُود میں پیدا کیا ہے جس کا اول نہیں؟

دوم یہ کہ کیا وہ اپنے آپ کو خود پیدا کرنے والا ہے؟ اور یہ محال ہے کہ وہ خود کو خود ہی پیدا کرے کیونکہ یہ اَمر اس بات سے خالی نہیں کہ اگر وہ اپنے آپ کو خود پیدا کرتا ہے تو خود موجُود ہو یا یہ کہ وہ خود کو پیدا کرے اور معدُوم ہو۔

اگر موجود تھا تو اُس نے کِسے پیدا کیا۔ اور اگر معدُوم تھا تو اُس نے کِسے پیدا کیا۔ تو اس کا پیدا کرنا کیسے درُست ہو سکتا ہے۔ جو خود عدم ہے۔ اب اِس کے سِوا کوئی اَمر باقی نہیں کہ اُسے کسی دوسرے نے پیدا کیا اور وہ الف ہے۔ اِس لئے بسم کا الف ساکن ہے اور وہ عدم ہے اور میم متحرک ہے اور وہ ذرِیعہ ایجاب ہے۔

جب پہلی نظر میں ہی اس پر دلالت کر دی تو قوّتِ دُلالت کے لئے الف پوشیدہ ہو گیا اور ضعفِ دلالت کے لئے الرّحیم میں حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے وجودِ منازع کے لئے ظہور پذیر ہوا۔ اور الف کے ساتھ اس کی تائید کی اور رحیم حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہو گیا اور اِس

کے اسم ظاہر سے الف اس کے لئے اس سے حق کی تائید ہو گیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ   الصف آیت ۱۴

پس وہ غالب ہوئے۔

اور فرمایا! کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔ تو جو آپ کے لفظ کے ساتھ ایمان لایا۔ وہ شرک کا غلام رہا اور وہ اہلِ جنّت سے ہے اور جو اس کے معنی پر ایمان لایا وہ توحید کی لڑی میں پرو دیا گیا اور اس کے لئے آٹھویں جنّت صحیح ہو گئی اور وہ اس سے ہے جو اپنی ذات پر ایمان لایا اور وہ دوسرے کے میزان میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ برابری واقع ہو جاتی ہے اور پسندیدگی کا اتحاد اور رسالت کا اختلاف جمع ہو جاتا ہے۔

بسم و رحمان کا ایک ایک نقطہ اور رحیم کے دو نقطے

ہم نے بسم اور رحمان میں ایک ایک نقطہ اور ایسے ہی الرّحیم میں دو نقطے پائے اور اللہ کو خاموش یعنی بغیر نقطہ کے پایا۔ اس لئے کہ وہ ذات ہے اور باقی اسماء میں محلِ صفات ہونے کی بنا پر نقطے پائے جاتے ہیں۔

پس بسم اور آدم میں اتحاد ہو گیا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام فردِ واحد ہیں اور کسی کی طرف بھیجے نہیں گئے۔

اور رحمان میں اتحاد ہُوا کیونکہ وہ آدم ہے۔ کیونکہ آدم کائناتِ مرکبات کے عرش پر مستوی ہے اور باوجود الف کے ظہور کے رحیم کے نقطوں پر کلام باقی رہتا ہے۔ پس یا رہ دس راتیں ہیں اور دونوں نقطے جُفت اور الف وِتر ہے۔

اسمِ کُلیہ کے ساتھ ہے اور فجر اس کے باطنِ جبروتی کا معنیٰ ہے اور چھپانے

والی رات غیبِ ملکوتی ہے۔ اور دونوں نقطوں کی ترتیب ایک میم سے ملی ہوئی ہے اور ایک الف سے۔ میم وجودِ عالم ہے جو اُن کی طرف مبعوث کیا گیا اور جو نقطہ اس سے ملا ہوا ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں۔ اور جو نقطہ الف سے ملا ہوا ہے وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں اور دونوں پر یار کا غار کی طرح نقاب ہے۔

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا — التوبہ آیت ۴۰

جب اپنے ساتھی کو فرمایا غم نہ کر اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

ابوبکرؓ کی صداقت یقینی تھی

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت ابوبکرؓ کے صِدق سے واقف تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اُس حال میں حق سے واقف تھے جس میں آپؐ اُس وقت تھے۔ پس آپ حکیم تھے جیسا کہ آپ نے دُعا دالحاح میں کام کیا اور ابوبکرؓ اِس سے چیخ پڑے۔ کیونکہ حکیم مواطن میں اُس کا حق ادا کرتا ہے۔

جب کہ دو صادقوں کا اِس کے ساتھ اجتماع درست نہیں اِس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مقام میں قائم نہ رہ سکے اور صدق میں آپ کے ساتھ قائم تھے۔ پس اِس موطن میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اگر فقدان ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اُس مقام میں قائم ہوتے جس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم قائم ہوتے۔ کیونکہ اُس مقام پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے کوئی اعلیٰ اور بلند نہ تھا جو انہیں اِس سے روک لیتا۔

پس اُس وقت آپ صادق اور اُس کے حکیم تھے اور آپ کے سِوا جو بھی ہے

آپؐ کے حکم کے ماتحت ہے۔

پس جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کے نقطہ نے طالبوں کی طرف دیکھا تو اس پر تاسف کیا اور شدت ظاہر کی اور صدق غالب آگیا تو فرمایا! اس تاسف کے اثر سے غمزدہ نہ ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ التوبہ آیت ۴۰

یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے

جیسا کہ تو نے ہمیں خبر دی ہے۔ اور اگر نزاع پیدا کرے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے قائل ہیں تو کچھ پرواہ نہیں۔ اس لئے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام جمع اور تفرقہ تھا اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' کے افسوس کو جانتے تھے۔ اور الف کی طرف نظر کرتے ہوئے تائید فرمائی اور آپ نے جان لیا کہ اس کا امر قیامت کے دن تک ہمیشہ رہے گا تو فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا التوبہ آیت ۴۰

یہ وہ اعلیٰ واشرف مقام ہے جو اس طرف منتہی ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے پہلے بیان فرمایا جس کے متعلق آپؐ نے فرمایا! "میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر میں نے اُس سے پہلے خدا کو دیکھا"

مشاہدۂ ابوبکری وراثتِ محمدی تھا اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رَبّ کو پہچان لیا۔

اور یہ وہ قول ہے جس کی ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ الشعرا آیت ۶۲

یعنی۔ میرا رَبّ میرے ساتھ ہے عنقریب مجھے راستہ دکھائے گا۔

ہمارے نزدیک یہ مقالہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کے لئے

ہے جس کی ہمیں تائید حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

لَوکُنتُ مُتخِذً اخلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً" الحدیث

یعنی ۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا ابوبکر کو بناتا۔

پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے مصاحب نہ تھے اور صحابہ ایک دوسرے کے مصاحب تھے اور آپ کے انصار واعوان تھے۔ بس ہمارے اشاروں پر غور کریں یہ آپ کو راہِ ہدایت کی طرف لے جائیں گے۔

رحیم کے دونوں نقطے

لطیفہ :۔ الرّحیم کے دونوں نقطے دو قدموں کا مقام ہیں۔ ان میں سے ایک نعلین آثارنا امر ونہی ہیں اور الف مبارک رات ہے اور یہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیب ہے۔ پھر امر ونہی کی طرف اس میں تفریق کی گئی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ الدّخان آیت ۴

یعنی ۔ اس میں ہر محکم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ یہ کرسی ہے۔ حا عرش ہے، میم اُس کا گرداگرد ہے۔ الف حدِ مستوی ہے، را، قلم کی آواز ہے اور نون وہ دوات ہے جو لام میں ہے۔ پس لوحِ رحیم کے قرطاس میں جو ہُوا تھا اور جو ہوتا ہے اور یہ لوحِ محفوظ ہے جس سے تعبیر کیا گیا ہے کہ کتاب عظیم میں اشارہ وتنبیہہ کے باب سے ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَکَتَبْنَالَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ الاعراف آیت ۱۴۵

اور وہ لوحِ محفوظ ہے جیسے کہا گیا۔

مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ ۔ الاعراف آیت ۱۴۵

یعنی۔ اس میں نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔

یہ لوحِ محفوظ جامع ہے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے فرمان میں یہی بات آتی ہے کہ مجھے نصیحت کے جوامعِ کلم اور تفصیل عطا فرمائی گئی اور دونوں نقطے ہر چیز کے لئے امر و نہی ہیں۔

حضور رسالتمآب کا غیب

حضور رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیب وہ الف ہے جس کی طرف مبارک رات کا اشارہ ہے۔ پس الف علم کے لئے ہے اور وہ مستوی ہے اور لام ارادہ کے لئے ہے۔ اور وہ نون یعنی دوات ہے۔ "را" قدرت کے لئے ہے اور وہ قلم ہے۔ حا، عرش کے لئے ہے۔ یا، کرسی کے لئے ہے اور میم کا سر آسمان کے لئے ہے اور "میم" کی جڑ زمین کے لئے ہے۔ پس یہ سات ستارے ہیں۔ اِن میں سے ایک ستارہ جسم کے فلک میں تسبیح پڑھتا ہے اور ایک ستارہ نفس کے فلک میں کلام کرتا ہے۔ ایک ستارہ سِرِ نفس کے فلک میں ہے اور وہ صدیقیت ہے اور ایک ستارہ قلب کے فلک میں ہے اور ایک ستارہ عقل کے فلک میں ہے اور ایک ستارہ رُوح کے فلک میں ہے۔ ہم نے جو قفل لگایا ہے اُسے کھول دیں اور اِس میں ہم نے اپنے ما فی الضمیر کی کُنجی مقرر کی ہے۔ پس طلب کریں تو انشاء اللہ پائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جملہ قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے مگر جب اُسے حقیقی وجہ سے دیکھا جائے گا تو وہ ایک ہوگا۔

طریقِ خاص سے اُمّ القرآن کے اسرار

اُمّ القرآن ہی فاتحۃ الکتاب، سبع مثانی، قرآنِ عظیم اور کافیہ ہے۔ اور بسم اللہ اس کی ایک آیت ہے۔ یہ پروردگار اور بندے کو شامل ہے اور ہمارے لئے اس کی تقسیم میں یہ اشعار ہیں۔

للنیرین طلوع بالفؤاد فما	فی سورۃ الحمد یبدو ثالث لھما
فالبدر محو وشمس الذات مشرقۃ	لولا الشروق لقد ألفیتہ عدما
ھذی النجوم بافق الشرق طالعۃ	والبدر للمغرب العقلی قد لزما
فان تبدّی فلا نجم ولا قمر	یلوح فی الفلک العلوی مرتسما

قلب میں دو سورجوں کے طلوع ہونے کے لئے ہے سورت الحمد میں ان دونوں میں تیسرے کا ظہور نہیں۔

چودھویں کا چاند محو ہو جاتا ہے۔ اور ذات کا آفتاب طلوع رہتا ہے۔ اگر یہ طلوع نہ رہتا تو چودھویں کا چاند معدوم ہوتا۔

یہ ستارے مشرق کے اُفق پر طلوع ہوتے ہیں اور چودھویں کا چاند مغرب عقلی کے لئے لازم رہتا ہے۔

اگر آفتاب ظاہر ہو تو آسمانِ علوی میں کوئی ستارا اور چاند اپنا نقش مُرتسم نہیں کر سکتا۔

یہی قرآن مجید کی فاتحہ ہے۔ کیونکہ کتاب بابِ اشارہ سے مبدعِ اوّل سے ہے۔ کتاب فاتحہ وغیرہ کو متضمن ہے۔ کیونکہ اس کے لئے اسمِ فاتحہ اس حیثیت سے درست ہے کہ اس سے پہلے کتابِ وجود کا افتتاح ہوا۔

یہ لیس کمثلہ شیئٌ میں منزہ کی مثل سے ہے۔ تاکہ کاف عین صفت ہو

جب اِس کی مِثل بنائی گئی تو فاتحہ کو بنایا گیا جس کے بعد کتاب کو وجود دیا گیا اور اُسے اِس کی کُنجی بنایا گیا۔ اِس پر غور کریں۔

فاتحہ اُمّ القرآن ہے

فاتحہ اُمّ القرآن ہے کیونکہ اُم محلِ ایجاد ہے اور اِس میں قرآن موجود ہے اور مُوجد اُمّ میں فاعل ہے۔ پس اُمّ ہی جامع کُلّیہ ہے اور یہ اُمّ الکتاب ہے جو اُس کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے۔ وَعِندَہٗ اُمّ الکتاب۔

آپ حضرت عیسٰی اور حضرت مریم علیہما السلام اور فاعلِ ایجاد کی طرف دیکھیں گے تو آپ کو آپ کی حِس کے بالعکس نظر آئے گا۔ پس حضرت عیسٰی علیہ السلام اُمّ ہیں اور ابنِ کتاب وہ ہے جو میرے پاس ہے۔ یا قرآن مریم علیہما السلام ہیں۔ پس غور کریں۔

رُوح کا نفس کے ساتھ ازدواج عقل کے واسطہ سے ہے اور جیسا نفس محلِ ایجاد ہے اور رُوح نہیں آتی مگر نفس سے پس نفس باپ ہے۔ اور یہی نفس نفوذِ خط کے لئے کتابِ مرقوم ہے۔

جو اُمّ میں قلم نے لکھا وہ بیٹے میں ظاہر ہُوا۔ اور وہ قرآن ہے جو عالمِ شہادت پر نکلا اور اُمّ بھی محلِ اسرار کی مِثل وجُود سے عبارت ہے یہی منشورِ وَرق ہے جس میں کتابِ مسطور امانت رکھی گئی اور اِس میں یہ اسرارِ الٰہیہ ودیعت کئے گئے۔ یہاں کتاب فاتحہ سے اعلیٰ ہے کیونکہ فاتحہ کتاب کی دلیل ہے اور کتاب اُس کی مدلول ہے اور دلیل کا شرف اُس چیز کے مطابق ہوتا ہے جس پر وہ دلالت کرتی ہے۔

کیا آپ نے دیکھا کہ کتابِ معلوم کی کُنجی اُس کی ضِد نہیں۔ کیونکہ اگر اسے

ضِد فرض کر لیا جائے تو دلیل کی حقارت مدلول کی حقارت ہو گی۔ اس لئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ دشمن کے مُلک کی طرف قرآن مجید کو لے کر سفر نہ کیا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا نام کلام اللہ رکھا ہے۔ اس میں جو حرُوف ہیں ان کی مثال کلمات کی مثال ہے جب کہ اس کے ساتھ کلام اللہ پر دلالت مقصود نہیں ہوتی کہ دشمن کی سرزمین کی طرف کلام اللہ کے ساتھ سفر کیا جائے اور اُس کے ساتھ مقامات نجاسات اور اس جیسی جگہوں پر داخل ہُوا جائے۔

سبع مثانی اور قرآنِ عظیم

کُھلتا ہے کہ یہ سبع مثانی اور قرآنِ عظیم ہیں۔ ایک کے وجود میں صفات کا ظہوُر ہے اور ایک میں مُفرد حضرت ہے اور ایک حضرت جمع ہے تو بسم اللہ سے اَلدِین تک افراد ہیں اور ایسے ہی اِھدِنَا سے ضَالین تک افراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اِیَّاکَ نَعبُدُ وَاِیَّاکَ نَستَعِین اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان پر مشتمل ہے۔

قسمت الصلٰوۃ بینی وبین عبدی نصفین و نصفھا
لعبدی ولعبدی ما سأل ۔ الحدیث

یعنی "مَیں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نماز کو نصف نصف تقسیم کیا ہے۔ نصف حصّہ میرا ہے اور نصف حصّہ میرے بندے کا جس کا وہ سوال کرتا ہے"۔

پس تیرا کام سوال کرنا ہے اور اُس کا عطا کرنا جیسا کہ اُس کے لئے اَمر و نہی کے ساتھ سوال کرنا ہے اور تیرے لئے اس کی پیروی کرنا۔

بندہ کہتا ہے اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بندے نے میری حمد بیان کی۔
بندہ کہتا ہے۔ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔
بندہ کہتا ہے۔ مالکِ یوم الدین۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔
ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میرے سپرد کر دیا ہے۔
یہ افرادِ الٰہی ہیں۔
ایک روایت میں ہے کہ بندہ کہتا ہے۔ بسم اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میرا ذکر کیا ہے۔
پھر فرمایا! بندہ کہتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعبُدُ وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے جو کچھ میرا بندہ سوال کرے گا میں اسے عطا کروں گا اور ایاکَ دونوں مقامات پر افرادِ الٰہی کے ساتھ ملحق ہے۔
بندہ کہتا ہے۔ اِھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم وَلاَ الضّالین۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو یہ میرے بندے کے لئے ہے۔ اور یہ میرے بندے کے وہ افراد ہیں جن کی اُسے احتیاج ہے اور میرے محتاج بندے کے لئے ہے کہ اُس نے جس چیز کا سوال کیا اللہ تعالیٰ اسے کیا۔ پس دو حضرتوں کے سوا باقی نہ رہا تو مثانی درست ہُوا۔
پس حقِ یہ حق میں وجُود کی اور عبدِ کلی میں ایجاد کی صورت ظہور پذیر ہُوئی،

پس اُس نے اس کے ساتھ اپنا وصف ظاہر فرمایا اور عماء میں اُس کے سوا کوئی موجود نہیں، پھر جب بندے کو اپنا خلیفہ بنایا تو اس کے ساتھ اُس کا وصف بیان فرمایا، لہٰذا اَمکنِ صورت کے لئے فرشتے اُس کے لئے سجدہ میں گر گئے اور قیامت کے دن تک دونوں قدم کے مقام سے فرق واقع ہو گیا. قرآنِ عظیم اور وجود جمع ہے اور اُس کا وہ افراد تجھ سے ہے اور تو اُس کے ساتھ جمع ہے اور اُس کے قول ایاکَ نعبد و ایاکَ نستعین کے سوا کچھ نہیں۔ اور اللہ ہی حق فرماتا ہے اور سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔

مَیں نے الحمد للہ کی تفسیر کی

میری شفاعت میری جماعت پر واقع ہو گئی اور انہیں ہلاکت سے نجات مل گئی۔ تو اس کے بعد حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو میری طرف بھیج کر کلام کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ چمکتا ہُوا منبر میرے قریب ہُوا تو مَیں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اذنِ عالی سے اُس پر چڑھ کر بطورِ خاص لفظ الحمد للہ پر اکتفا کیا اور تائید نازل ہُوئی۔ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر کے دائیں طرف تشریف فرما تھے اور اس بندہ نے حمد و ثنا اور بسم اللہ کے بعد الحمد کی حقیقت بیان کی۔

"الحمد" یہی عہدِ مقدس و منزّہ ہے اور "للہ" کا اشارہ ذات ازلیہ کی طرف ہے اور یہ وجودِ الٰہیہ سے بندے کے وجود کے علیٰحدہ ہونے کا مقام ہے، پھر وجودِ ازلی سے اُسے اپنے وجود سے غائب کر دیا اور اُس کے ساتھ اُسے واصل کیا۔ فرمایا:

لِلّٰہ، تو اُس کے فرمان اللہ پر اُس کے لئے لام خافضہ داخل کیا۔ یہی

تواضع اور ذلت کے باب میں محتاجیِ عبد کی حقیقت ہے اور یہ حروف معانی سے ہے حروفِ تہجی سے نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اسمِ پاک پر لام مقدم فرمایا تاکہ اُس کا شرف ظاہر ہو جائے اور یہ اُس کی ذات کے ساتھ تنزیہہ کی پہچان ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس تقدیم کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ بے شک اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور اس میں رب کی پہچان پر نفس کی پہچان کو مُقدم فرمایا۔ پھر لام نے اسم اللہ میں تحقیقِ اتصال اور تمکینِ مقام کے لئے عمل کیا۔ چونکہ یہ مقامِ وصل میں ہے اس لئے بسا اوقات یہ وہم ہوتا ہے کہ الحمد لام کے علاوہ ہے۔ پس عبد کو لام کی حرکت کی اتباع کے لئے پست یعنی زیر والا بنایا تو الحمد للہ دال کی زیر کے ساتھ پڑھا گیا۔ پس الحمد لام سے بدل گیا اور عینِ واحدہ کی لئے دونوں چیزیں ایک دوسرے سے بدل گئیں۔

الحمد اور لام

الحمد لام کا وجود ہے اور لام الحمد ہے۔ اب جب کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں تو الحمد مقامِ وصل میں اللہ کے ساتھ ہو گئی کیونکہ وہ لام کی عین ہے تو اس کے لئے وہی ہیں جیسا کہ لفظاً اور معناً لام ہے، پھر اُس میں زیر کی حقیقت عبودیت کا اثبات ہے۔ پھر اُسے ہماری زندگی سے اُس کی ذات سے فنا کر دیا اور یہ فنا اُسے اوّلیت میں مقامِ اعلیٰ پر بلند کرنے کے لئے ہے تاکہ اُس کی حقیقت کو آخرت میں بقا حاصل ہو۔

پس الحمد للہ رفع لام کے ساتھ کہتا ہے کہ دال کی حرکت کی اتباع کی جائے

اور یہ وہ اُمر ہے جس سے تائید ہوتی ہے کہ الحمد ہی لام ہے جیسے چادر اور کپڑے سے تعبیر کیا جاتا ہے. کیونکہ وہ محلِ صفات اور افتراقِ جمع ہے. پس بندوں کی معرفت کی غایت یہ ہے کہ اُس کی طرف پہنچ جائیں اور واصل ہوں اور حق اِن تمام کے پیچھے بایں ہمہ جب اُسے فنا کے ساتھ رُفع کیا اُس سے ابتدا کی اور چاہا کہ وہ اپنی فنا کے باوجود معرفت حاصل کرے کیونکہ وہ اپنے مقام پر ہمیشہ ہے تو اُسے عامل مقرر کیا اور حق کے حق میں اُسے عارضی طور پر رُفع کیا اور عبودیت کی پستی کے مقام میں ہا رِ مکسورہ کو لام کے وجود پر دلالت کرنے کے لئے باقی رکھا. اِسی بنا پر وسطی لام کو لفظ کے ساتھ مشدد کیا یعنی ذاتِ حق ذاتِ عبد نہیں اور یہ تجلیٔ صُورت کے لئے حقیقتِ مثل ہے. پھر ہا، لام پر لوٹتی ہے کیونکہ یہ اُس کی معمُول ہے. تو اگر ہا، ذاتِ حق سے کنایہ ہوتی تو اِس میں لام کا عمل نہ ہوتا بلکہ وہ ہر چیز میں عامل ہے۔

جب یہ لام نفسِ الحمد ہے اور ہا، لام کی معمول ہے تو ہا، یہ لام اور لام الحمد ہے. پس ہا، بغیر زیادہ کے الحمد ہے.

ہم نے پیش ازیں کہا ہے کہ لام مشددہ فصل کے مقام پر جمع متحد کی نفی کے لئے ہے. پس اِس مضمونِ کلام سے یہ بات نکلی کہ الحمد اُس کا فرمان للہ ہے اور للہ اُس کا فرمان الحمد ہے۔

عبد کی غایت اپنی ذات کی حمد ہے جو کہ آئینہ میں دیکھتا ہے کیونکہ مُحدث قدیم کا متحمل نہیں ہو سکتا. چنانچہ مثل صُورت پر پیدا کی اور مُوحد کو آئینہ بنایا تو ذات کے آئینہ میں صُورتِ مثل کی تجلی دیکھی۔

اُس کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت لے گئی

جب میں نے

ذات کو دیکھا تو اُس کے لئے کہا تو مجھے چھینک آئی تو میں نے اپنے نفسِ احمدی کو پہچان لیا۔ میں نے خود کو دیکھا تو اپنی حمد بیان کی اور کہا۔ الحمدللہ، اللہ تعالےٰ نے اُسے فرمایا۔ اے آدم تیرا ربّ تجھ پر رحم فرمائے۔ میں نے تجھے اسی لئے پیدا کیا ہے اور اُس کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت لے گئی۔ اسی لئے اپنے اس قول کے بعد فرمایا! الحمدللہ ربّ العالمین الرّحمٰن الرّحیم۔

یہاں رحمت کو مقدّم رکھا پھر فرمایا! غیر المغضوب علیہم،

افتتاحِ وجودِ اوّل میں غضب کو مؤخر کیا اور رحمت غضب پر سبقت لے گئی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے شجر کا پھل کھانے پر عقوبت سے قبل رحمت نے سبقت کی۔ بعدازاں اُن پر رحم ہُوا تو دو رحمتیں ہوگئیں۔ دونوں رحمتوں کے درمیان غضب ہے۔ پس دونوں رحمتوں نے اپنے امتزاج کو طلب کیا۔ کیونکہ دونوں ایک دُوسری کی مثل ہیں۔ پس ایک دوسری میں ضم ہوگئیں اور دونوں کے درمیان سے غضب معدوم ہوگیا۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ دو آسانیوں کے درمیان ایک مشکل ہے۔

اذاضاق علیك الامر فکر فی ألم نشرح

فعسر بین یسرین اذا ذکرته فافرح

جب تجھ پر کسی امر میں تنگی آئے تو سُورہ اَلم نشرح پر غور کر۔

پس دو آسانیوں کے درمیان ایک مُشکل ہے۔ جب تُو اُسے یاد کرے گا۔ تجھے خوشی حاصل ہوگی۔

پس رحمت موجودِ اوّل سے عبارت ہے جس کی تعبیر مطلوب کے ساتھ کی گئی ہے۔

مغضوب علیہم نفس امارہ ہے۔

ضالین؛ عالمِ ترکیب ہے۔

نفس ہمارا ہمیشہ مغضوب رہے گا۔ جب کہ باری تعالیٰ اِس سے منزّہ ہے کہ اُس کی تنزیہہ بیان کی جائے۔ کیونکہ اُس کے سِوا نہ کوئی دُوسرا ہے اور نہ اُس کے سوا کوئی موجُود ہے۔

حضُور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا؛ مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ صُورت کا وجود اپنے کمال پر ہے کیونکہ یہی محلِ معرفت ہے اور یہی وَاصل کرتی ہے' اگر اسے دُوسری صُورت پر پیدا کیا جاتا تو وہ جمادات سے ہوتا۔ پس حمد ہے اُس ذات کے لئے جس نے اُس کے ساتھ واقفیت رکھنے والے عارفوں پر ازلی اَبدی مَواد کے ساتھ عنایت کی۔

لام کا مقام

تنبیہہ :۔ لام رسم کو فنا کرتا ہے جب کہ بار اُسے باقی رکھتی ہے۔ اِس لئے ابو عباس بن عریف نے کہا۔

عالم میرے لئے ہیں اور عارف میرے ساتھ ہیں۔

پس لام کے اعلیٰ مقام کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے کلام میں کہتا ہے اور عارفین اپنی ہمتوں کے ساتھ ہیں۔ پھر لام کے حق میں کہا کہ حق ان سب کے پیچھے ہے' پھر اس پر مزید تنبیہہ کی اور اِس ایک اَمر پر قناعت نہیں کی۔ چنانچہ فرمایا۔ ہمتیں موصول کے لئے ہیں اور ہمّت باتیین عارفوں کے لئے ہے اور علماء کے حق میں لامیین کہا۔ اور بے شک رسم کے مضمحل ہونے کے وقت حق کا ظہُور ہوتا ہے اور لام کا یہ وہ مقام ہے جو رسم کی فناء کا ہے۔

الحمدللہ الحمد باللہ سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ الحمد باللہ میں تیری بقاء اور الحمدللہ میں تیری فنا ہے۔ جب عالم نے الحمدللہ کہا یعنی سوائے اُس کے اللہ کے لئے کوئی حمد کرنے والا نہیں، تو مناسب ہے کہ پھر اُس کے سوا کوئی محمود نہ ہو۔

اور عوام نے الحمدللہ کہا۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی محمود نہیں اور وہی حمد کرنے والا ہے۔ پس لفظ کی صُورت میں دونوں کا اشتراک ہے۔

پس عُلماء نے حمد کرنے والوں، مخلوقوں اور محمودوں کو فنا کیا اور عوام نے بطورِ خاص محمودوں کو خلق سے فنا کر دیا۔ مگر عارفین اِس پر متمکن نہیں ہو سکتے کہ عوام کی طرح الحمدللہ کہیں۔ بے شک اُن کے نزدیک اُن کے نفوس کی بقاء کے لئے اُن کا مقام الحمد باللہ ہے۔ پس یہ فصل متحقق ہُوئی اور بے شک یہ معرفت کا گُودا اور مغز ہے۔

ربّ العالمین اور الرّحمٰن الرّحیم کی تشریح

اللہ تعالیٰ کے فرمان ربّ العالمین الرّحمٰن الرّحیم کے بارے میں۔

اُس کے فرمان ربُّ العالمین کے ساتھ ہمارے اور ہمارے دِلوں میں حضرتِ ربُوبیت کا اثبات ہُوا۔ یہ عارف کا اور نفس کے قدم کے راسخ ہونے کا مقام ہے اور یہ صفت کے مقام پر ہے کیونکہ ہمارا قول لِلّٰہ مشہدِ ذاتیہ اور مرتبۂ عالیہ ہے پھر اُس کی اتباع اُس کے ارشاد ربُّ العالمین کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ کے بعد ربُّ العالمین آیا ہے کہ وہ عالموں کی پرورش کرتا ہے اور اُنہیں غذا فراہم کرتا ہے، عالمین ہر ماسِوا اللہ سے عبارت ہے۔ تربیت یعنی پرورش دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ ایک بالواسطہ اور ایک بلاواسطہ ہے۔

کلمہ رُوحِ کُلّی

پس کلمے کے حق میں ہرگز واسطے کا تصوّر نہیں اور جو اس کے علاوہ ہے لازماً واسطے سے ہے۔ پھر تربیت کی دو قسموں پر تقسیم ہے وہ جو بالواسطہ خاص ہے اُن سے ایک قسم محمود ہے اور دوسری مذموم ہے۔ اور قدیم تعالیٰ سے نفس کی طرف ہے۔ اور نفس حَد میں داخل ہے۔ وہاں محمود خاص کے علاوہ نہیں۔

رہا مذموم اور محمُود تو نفس عالمِ حس کی طرف ہے اور نفس تبدیلی اور پاکیزگی وجود کے لئے محلِ قابل ہے۔

پس کہا! اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلمہ کو پیدا کیا جو کُلّی رُوح سے تعبیر ہوتا ہے جو کہ ایجادِ ابداع ہے۔ اِسے محلِ سلب اور مقامِ جہل میں پیدا کیا گیا۔ یعنی اُسے آپ ذات کی رویّت سے اندھا کر دیا تو باقی نہیں جانتا کہ کہاں سے صادر ہُوا اور کیسے صادر ہُوا۔ اِس میں اُس کی غذا یہی تھی جو اُس کی حیات اور بقا کا سبب تھی اور اُسے اس کا علم نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس کی ہمّت کو مُتحرّک کیا کہ وہ اُس چیز کو طلب کرے جو اُس کے پاس ہے اور وہ نہیں کہ یہ چیز اُس کے پاس ہے۔ پس اُس کی ہمت روانگی پکڑتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے اُس کی ذات کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ساکن ہو جاتا ہے اور اُسے علم ہو جاتا ہے کہ وہ جس چیز کو طلب کرتا ہے اُس سے وہ ہمیشہ سے متّصف ہے۔ ابراہیم بن مسعُود البیری نے کہا۔

قد یرحل المرء لمطلوبه

والسبب المطلوب فی الراحل

چلنے والا کبھی اپنے مطلوب کے لئے روانہ ہوتا ہے اور مطلوب کا سبب

خود چلنے والے میں ہوتا ہے اور وہ اُس میں دو دلیعت کیے گئے اسرار اور حکمتوں کو جان لیتا ہے۔ اُس کے نزدیک اپنا حادث ہونا متحقق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ذات کی معرفت پر احاطہ کر لیتا ہے۔ پس یہ معرفت اُس کے لئے مددگار غذا بن جاتی ہے جس سے وہ بے انتہا تقویت اور ابدی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

رُوح سے خُدا کا انتخاب

اس تجلیِّ اقدس کے وقت اُسے فرمانِ الٰہی ہوتا ہے۔ تیرے نزدیک میرا کیا اسم ہے۔ وہ کہتا ہے تُو میرا ربّ ہے پس اُسے سوائے حضرتِ ربوبیّت کے اور کوئی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور وہ قدیم الوہیّت کے ساتھ انفرادیت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اُسے کوئی نہیں جانتا مگر وہ خود ہی اپنے آپ کو جانتا ہے۔

اُسے اللہ سُبحانہٗ فرماتا ہے۔ تُو میرا مربُوب ہے اور مَیں تیرا ربّ ہُوں۔ مَیں تجھے اپنے اسماء و صفات عطا کرتا ہُوں تو جو تجھے دیکھے گا اُس نے مجھے دیکھا اور جو تیری اطاعت کرے گا اُس نے میری اطاعت کی۔ جس نے تجھے جانا اُس نے مجھے جانا اور جو تجھے نہیں جان سکے گا وہ مجھے نہیں جانتا۔ تیرے علاوہ لوگوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ تجھ سے اپنے نفوس کی معرفت تک پہنچیں اور اُن کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ وہ تیرے وجود کو جان لیں نہ کہ تیری کیفیت کو۔ ایسے ہی تُو میرے ساتھ ہے اور تُو اپنے نفس کی معرفت سے آگے نہیں بڑھے گا اور نہ اپنے سوا کسی کو دیکھے گا اور نہ تجھے میرے ساتھ علم حاصل ہو گا۔ مگر وجُود کی حیثیت سے اگر تو علم کے ساتھ میرا احاطہ کرتا تو مَیں تُو ہوتا اور مَیں تیرا محاط ہوتا اور میری اَنا تیری اَنا ہوتی۔ جب کہ اَنا میری اَنا نہیں ہوتی۔

مَیں اسرارِ الٰہیہ کے ساتھ تیرا مددگار اور مُربّی ہُوں اور تُو اِن رازوں کو

خود میں پائے گا تو انہیں پہچان لے گا اور میں نے اس معرفت کی کیفیت امدادیہ کو تیرے لئے پردوں میں کر دیا ہے کیونکہ تجھے اُن کے مشاہدے کے متحمل ہونے کی طاقت نہیں کیونکہ اگر تُو اُسے پہچان لیتا تو انانیّت کا اتحاد ہو جاتا جب کہ اتحادِ انانیت محال ہے۔ پس تیرا مشاہدہ وہی محال ہے۔ کیا مرکّب کی انیت بسیط کی انیت لوٹ سکتی ہے ؛ پس حقائق کے پھرنے کا کوئی راستہ نہیں۔

جاننا چاہیئے تیرے سِوا جو کچھ ہے تیری تبعیت کے حکم میں ہے اور تُو میری تبعیت کے حکم میں ہے۔ تُو میرا کپڑا میری رِدا اور میرا پردہ ہے۔

رُوح نے اُسے کہا! اَے میرے رَبّ میں نے تیری بات سُن لی۔ تُو نے کہا کہ میرا ایک مُلک ہے۔ مگر میرا مُلک کہاں ہے ؛ پس اُس کے لئے اُس کے نفس کو نکالا۔ یہی بعثت سے مقصود ہے۔

رُوح نے کہا! یہ تو میرا بعض حصّہ ہے اور میں اس کا کُل ہُوں جیسا کہ میں تجھ سے ہُوں تُو مجھ سے نہیں۔

فرمایا! اَے میری رُوح تُو نے سچ کہا۔

رُوح نے کہا! اَے میرے رَبّ میں نے تیرے ہی ساتھ کلام کیا۔ تُو نے ہی میری تربیّت کی ہے اور تُو نے ہی مجھ سے امداد اور تربیّت کا راز چُھپا رکھا ہے اور تجھے اس کے ساتھ انفرادیت حاصل ہے۔

اِس مُلک سے میری امداد کو پوشیدہ کر دے یہاں تک کہ یہ مجھے بھول جائے۔ جیسا کہ میں تجھے بھولا ہُوا ہُوں۔

نفس کی پیدائش

پس نفس میں قبول و افتقار کی صفت تخلیق کی گئی اور عقل کو رُوحِ مقدّس

کی طرف بوجھ ٹھہرایا گیا۔ پھر رُوح کو اطلاع دی گئی تو فرمایا! مَیں کون ہوں؟
رُوح نے کہا! تو میرا رَبّ ہے۔ تیرے ساتھ میری زندگی ہے اور تیرے ساتھ میری بقاء ہے۔

پس رُوح اُس مُلک کے ساتھ فریفتہ ہوگئی اور اُس میں اپنے رَبّ کے مقام پر قائم ہوگیا یعنی اُسے اپنے رَبّ کی نیابت حاصل ہوگئی اور اسے اُس نے نفس کی امداد تصوّر کر لیا۔

پس حق نے ارادہ فرمایا کہ اُسے اِس اَمر کی اطلاع ہو جائے کہ تیرا تخیّل اور تصوّر اصل صُورتِ حال کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اُسے اُس کے سوال کے مطابق امداد کا بھید بتا دیا جاتا تو اس سے اس چیز کے ساتھ الوہیت کی انفرادیت نہ رہتی اور نہ ہی انیت کا اتحاد باقی رہتا۔

پس جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا تو اُس کے یعنی رُوح کے مقابلہ میں شہوت کو پیدا فرمایا اور ہوس کے لئے اُس کا بوجھ ڈالا اور بالعموم جمیع واردات کے لئے نفس میں صُورتِ قبول پیدا کر دی۔ پس نفس کو دو طاقتور رَتوں کا درمیان حاصل ہوگیا۔ جن دونوں کے دو عظیم وزیر ہیں اور یہ ہمیشہ اُسے ندا کرتا ہے اور وُہ اُسے آواز دیتا ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا!

قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کہہ کہ! ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور فرمایا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ط — بنی اسرائیل آیت ۲۰

اُن کو بھی مدد دیتے ہیں اور اُن کو بھی اور آپ کے رَبّ کی بخشش کسی پر بند نہیں،

اس لئے نفس تغیر و تطہیر کا مقام ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا!

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ الشمس آیت ۸

پھر اُس کی بدکاری اور اُس کی پرہیزگاری اُس کے سینے میں ڈال دی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ الشمس آیت ۷

جان کی قسم اور اُس ذات کی قسم جس نے اُسے درست کر کے بنایا۔

اگر نفس ہوس کی منادی کو قبول کرے تو تغیر ہوگا اور اگر روح کی آواز کو قبول کرے تو از روئے شرح و توحید تطہیر ہوگی۔

پس جب روح کی منادی کو دیکھا اور جواب دینے والے کو نہ سُنا تو کہا۔ میرے مُلک کو مجھے جواب دینے سے کس نے روکا۔

اُسے وزیر نے کہا! تیرے مقابلہ میں ایک عظیم سلطنت والا بادشاہ ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے موجود ہے اور اُس کا نام ہوا ہے۔ وہ عجلت سے عطا کرتی ہے اور دُنیا کے تمام کنارے اُسی کے ہیں۔ پس اُسے اُس کے حضرت نے کھول دیا اور جواب دینے کے بعد پکارا۔ پس روح اللہ تعالیٰ کی طرف شکایت کے ساتھ پلٹ گئی تو اُس کی عبودیت ثابت ہوگئی اور یہ ہی اُس کی مُراد تھی۔

اور ارباب و مربوبین ہر ایک اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کے مطابق اُتر آتے۔ پس منفصل عالم شہادت کا ربّ عالم خطاب اور متصل عالم شہادت کا ربّ عالم جبروت ہے اور عالم جبروت والوں کا ربّ عالم ملکوت ہے اور عالم ملکوت والوں کا ربّ عالم کلمہ ہے اور کلمہ کا ربّ ایک ہی واحد و صمد ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ہم نے اپنی کتاب تدبیرات الٰہیہ فی اصلاح مملکت انسانیہ

ہیں اِس فصل میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ چنانچہ اِس فصل کو یہاں بخوفِ طوالت پُورا نہیں کیا۔ ایسے ہی اِسے ہم نے تفسیر القرآن[1] میں بھی بیان کیا ہے۔

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی تربیت کے ساتھ منفرد ہے اور جو کوئی اُن میں سے پردے میں ہے وہ واسطوں کے ساتھ پردے میں رہے اور اِس فصل سے اُس شخص کو بھی نکال دیا گیا ہے جس کی رُوح اور اُس کے معنیٰ کو یہ معرفت حاصل ہے کہ اُس کا رَبّ اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ ہے اور عالمین کُلّی کی مثل ہے۔ اِسی لئے اُس نے عالمین میں عرش کو آٹھ حروف پر پیدا فرمایا ہے اور لُطفِ تربیت اور حنّان و رحمتِ رحمانیہ کے ساتھ اُس پر استواء فرمایا۔ تاکہ مؤکدہ رحیمیت کے ساتھ دارالحیوان کا امتیاز ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔ رحمان کے ساتھ عام اور رحیم کے ساتھ خاص رحمت ہے۔ رحمان اُس کے عالم میں واسطوں وغیرہ کے ساتھ ہے۔ اور رحیم کے ساتھ خاص رحمت ہے۔ رحمان اُس کے عالم میں واسطوں وغیرہ کے ساتھ ہے اور رحیم وجودِ اختصاص اور شرفِ عنایت کے لئے اُس کے کلمات میں بلاواسطہ ہے۔ پس اس پر غور کریں اور اِسے سلامتی کے لئے تسلیم کریں۔

مالكِ يومِ الدّين

وَصل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مالكِ يومِ الدّين اِس سے مُراد یوم جزاء ہے اور حضرتِ ملک مقامِ تفرقہ سے ہے اور یہی جمع ہے کیونکہ تفرقہ واقع نہیں ہوتا مگر جمع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ   الدخان آیت ۴

یعنی۔ اِس میں ہر اَمرِ مُحکم کا فرق کیا جاتا ہے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بندہ نے شیخ اکبر کی "تفسیر القرآن" کا بھی اُردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ (مترجم)

تو یہی مقامِ جمع ہے جسے سُلطانِ تفرقہ نے قبول کر لیا ہے اور یہی تفرقہ کا مقام ہے۔ پس جمع کا خطاب اَمر و نہی کی طرف متفرّق ہو گیا اور ناراضگی اور رضامندی ارادہ و اطاعت اور نافرمانی اُس کے عابد کا فعل ہے اور وعدہ و وعید اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اُس دن میں وہ بادشاہ ہے جس کے لئے شفاعت متحقق ہے اور وُہی اِس کے ساتھ مخصوص ہے جس نے نفسی نفسی نہ کہا ہو اور اُمّتی اُمّتی کہا ہو۔ ہمارے وجُود میں قیامت متجلّہ کے لئے جو بادشاہ مطلوب ہے وہ طریقِ تصوّف میں ظہور کرتی ہے اور وہ پاکیزہ رُوح ہے اور قیامت کا دن اُس کی ایجاد کی جزاء کا وقت ہے۔ یا اگر اُس کے لئے عقوبت ہُوئی تو لازماً اُس سے طلب کی جائے گی۔ پس اگر اطاعت گذار ہے تو اُس کے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات ہیں اور اگر معصیت کفر ہو گی تو اُس کے لئے جہنّم کے طوق اور عذاب ہے۔

مقامِ دعویٰ سے دو صُورتیں ہیں۔ اِس آیت میں یہ کلام فرض کرتے ہیں۔ کہ حدِ مُلک پر ہے۔ اور اُسے نہیں پہنچتا۔ اور کیا نفس جزاء کے دن سے اُس سے فناء کی طرف ترقی کرتا ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ بادشاہی اُس کے لئے دُرست ہے جو مُلک کے طریق کے ساتھ ہو اور ملک اُسے سجدہ کرتا ہو اور وہ رُوح ہے۔ جب ہَوس نے رُوح کے ساتھ جھگڑا کیا۔ اس پر حملہ آور ہونے کے لئے نفس کے ساتھ مدد طلب کی اور رُوح نے ہَوس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور مستعد ہو گئی۔

جب رُوح توحید کے لشکروں اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ میدان میں نکلی اور ایسے ہی ہوس آرزوئں غرور و تکبّر اور ملاء اَسفل کے لشکروں کے ساتھ میدان میں نکلی۔

رُوح نے ہَوس کو کہا! مجھ سے مقابلہ کر۔ اگر مَیں نے تجھ پر فتح حاصل کر لی

تو قوم میری ہو گی اور اگر تو فتح یاب ہو جائے اور مجھے ہزیمت دے دے تو مُلک تیرا ہو گا۔ اور لوگوں کو ہمارے درمیان ہلاک نہیں ہونا چاہیئے۔

چنانچہ رُوح اور ہوس کے درمیان مقابلہ ہُوا اور رُوح نے اُسے عدم کی تلوار سے قتل کر دیا اور نفس کے انکار کرنے اور بہت بڑی جدّوجہد کرنے کے بعد اُس پر فتح حاصل کی۔ پس نفس اُس کی تلوار کے نیچے اسلام لے آیا اور سلامت رہا اور مسلمان و مطہر اور مقدس ہو گیا اور اُس کے ایمان لانے سے حواس بھی ایمان لے آئے اور تابعدار غلاموں میں داخل ہو گئے۔ اُن سے فاسد دعووں کی رِدائیں سلب کر لی گئیں اور اُن کے کلمے کا اتحاد ہو گیا اور رُوح اور نفس ایسے ہو گئے جیسے ایک چیز ہوں۔ اور اُس کے لئے حقیقتاً بادشاہ کا نام درُست ہو گیا اور اُس کے لئے کہا گیا۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّین

پس اُسے اُس کے مقام کی طرف لوٹایا اور اُسے افتراقِ شرع سے جمعؔ توحید کی طرف منتقل کیا۔ دراصل حقیقت میں بادشاہ وُہی حق تعالیٰ ہے۔ جو ہر ایک کا مالک و متصرف اور عام و خاص کی ذات کے لئے شفیع ہے۔ خاص دُنیا کی وجہ سے اور عام آخرت کی وجہ سے۔

اِس لئے کہ اُس کے ارشاد مالکِ یوم الدین سے پہلے الرَّحمٰنِ الرَّحیم ہے تاکہ ربّ العالمین کی روبیّت سے محجوبین کے دلوں کو اُنس حاصل ہو جائے۔

کیا آپ نے دیکھا کہ وہ قیامت کے دن فرمائے گا۔ ملائکہ اور انبیاؑ کی شفاعت ہو گئی اور مومنوں کی شفاعت ہو گئی اور باقی ارحم الراحمین ہے اور یہ نہیں کہا کہ جبّار باقی ہے اور نہ یہ کہ قہّار باقی ہے تاکہ اُن کے دلوں میں ایجادِ فعل سے پہلے اُنس واقع ہو۔ پس جس نے اِس وجود میں معنے کو جان لیا۔ اُس کے لئے ارحم

کے مقام میں خصوصیت درست ہو گئی۔ اور جو اس وجود سے ناواقف رہا۔ حشرِ اکبر میں عوام میں داخل ہوگا پس مقامِ راحمین میں تجلّی واقع ہو گی اور ارحم الرّحمین کی شفاعت کے ساتھ فرق، جمع، علیحدگی، اتحاد اور جفت طاق کی صورت لوٹ جائے گا۔ جہنّم کی فصیل ظاہر ہو گی جس کے پیچھے جنّت کا باطن ہے۔ یعنی جہنّم کی دیوار کے پیچھے جنّت ہو گی

جب یہ دیوار اور فصیل واقع ہو کر منہدم ہو جائے گی اور نہروں کا امتزاج ہو جائے گا اور دریا مل جائیں گے اور برزخ معدوم ہو جائے گا اور عذاب نعمتیں اور جہنّم جنّت بن جائے گا تو نہ عذاب ہوگا اور نہ سزا سوائے نعمتوں کے۔ اور ظاہر مشاہدہ کے ساتھ امان ہی امان ہے۔ اور محلات اور شاخوں پر پرندوں کا چہچہانا ہو گا۔ اور حوروں اور لڑکوں کے ساتھ بوس و کنار ہو گا۔ دوزخ کا داروغہ مالک ہٹ جائے گا اور جنّت کا دربان رضوان باقی رہے گا۔ جہنّم جنّت کے باغات میں بدل جائے گا اور اس میں ابلیس کا راز ظاہر ہو جائے گا۔

پس جب وہ اور جو اسے سجدہ کرتا ہے مساوی ہو جائیں گے تو بے شک اُنہوں نے نہیں تصرف کیا۔ مگر قضائے سابقہ اور قدرِ لاحقہ سے دونوں کے لئے یہ ضروری تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام پر یہ حجت قائم کی تھی۔

اِیّاکَ نَعبُدُ وَاِیّاکَ نَستَعین

وصل: اللہ تعالیٰ جلّ ثناہٗ وتقدّس کا فرمان ہے۔

اِیّاکَ نَعبُدُ وَاِیّاکَ نَستَعِین۔

جب اِس کا وجود اَلحمدُ لِلّٰہ کے ساتھ اور اِس کی غذا ربّ العالمین کے ساتھ اور اُس کی پسندیدگی اَلرّحمٰنِ الرّحیم کے ساتھ اور اُس کی بزرگی مالکِ یومِ الدّین

اِھدِنا الصِّراطَ المستقیم صراطَ الذین انعمتَ علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضّآلین۔

جب اُس کے لئے ایاک نعبدُ وایاک نستعین کہا۔ تو اُسے فرمایا!

میری عبادت کیا ہے ؟

بندے نے کہا۔ جمع وتفریق میں ثبوتِ توحید۔

جب نفس کے نزدیک یہ مقرّر ہے کہ نجات توحید میں ہے جو کہ سیدھا راستہ ہے اور وہ نفس کی فنا۔ یا بقاء کے ساتھ مشاہدۂ ذات ہے۔ اگر غفلت ہو گئی تو کہا! اِھدنا الصراط المستقیم۔ تو اُس کے لئے بقول اُس کے مستقیم سے دو راستے نکلے۔ ایک ٹیڑھا جو دعوے کا راستہ ہے اور ایک سیدھا جو توحید کا راستہ ہے اور دونوں راستوں کے درمیان اُس کے لئے امتیاز نہ تھا۔ مگر اِن دونوں راستوں پر چلنے والوں کے مطابق اپنے رَبّ کو سیدھے راستے پر چلنے والا دیکھا اور اُسے پہچان لیا اور اپنی ذات کو دیکھا تو اُسے اپنے رَبّ کے درمیان پایا جو کہ لطافت میں قربت والی رُوح ہے۔

ٹیڑھے راستے کی طرف نظر کی تو عالمِ ترکیب کے پاس دیکھا تو اُس نے کہا۔ صراط الذین انعمت علیھم، اور یہ اُس کے متّصِل عالم ہے جس کے ساتھ مغضوب علیہ مرکّب ہے۔

اور ضالین اُس سے منفصل ہے، اُن کی نظر کے ساتھ اِس سے مغضوبُ علیہ کی طرف متّصِل ہے۔ پس وہ دونوں راستوں کے سَر پر ٹھہر گیا اور دیکھا۔ ٹیڑھے راستے کی انتہا ہلاکت اور سیدھے راستے کی غایت نجات ہے اور جان لیا کہ جاننے والا اُسی راستے پر چلے گا جسے وہ جانتا ہے۔ جب مستقیم پر چلنے کا ارادہ کیا تو اپنے رَبّ کے حضرت میں اعتکاف کیا اور یہ اُس کے لئے اُس کی ذات سے ہے۔ بقول اُس کے ایاکَ نعبدُ میں اپنی عاجزی اور قصور

کے ساتھ ثابت ہو گئی تو شکر و ثنار کی تاکید مقرر اور اس میں مزید رغبت کے لئے فرمایا۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن۔ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ مقامِ شکر ہے۔ یعنی ہم تیرے لئے عبودیت کے ساتھ تقرب اور پناہ چاہتے ہیں، نہ کہ تیرے سوا جو اُن پر مجھ سے ہے اور جو اُن پر میری منزلت سے اپنی طرف اُتارا۔ پس میں تیرے ساتھ اُن کی مدد چاہتا ہوں نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ، پس تو مدد فرمانے والا ہے میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اِس آیت کے ساتھ شریک کی نفی ثابت ہوتی ہے پس اِیَّاکَ کی "یا" سے عبدِ کُلّی مُراد ہے۔ دو الفوں کے مابین میرا الف توحید حصر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ غیر کی رؤیت کے ساتھ اُس کے لئے دعوے کا مقام ہو۔ پس توحید نے اُس کا احاطہ کر رکھا ہے اور کاف ضمیرِ حق ہے۔ پس کاف اور دونوں الف ایک چیز ہیں تو وہ ذات کا مدلول ہیں۔

پھر اُس ضمیر کے ساتھ نعبدُ "یا" کے فعل صفت سے ہے جو اِس میں ہے اور عبدِ حق کا فعل ہے تو وجود میں سوائے حضرتِ الٰہیہ خاص کے کچھ باقی نہ رہا۔ کیونکہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے قول میں ابداعِ اوّل کے لئے۔ اُس کی ذات کے حق میں ہے جب کہ اُس کے سوا کوئی تصوّر نہ ہو۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن مخلوق کے لئے اُس کے غیر کے حق میں اُس سے مُشتق ہے اور وہ سِترِ خلافت کا مقام ہے۔ پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن میں ملائکہ نے سجدہ کیا اور جو متکبّر تھا اُس نے انکار کیا۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم

وصل :- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

کو ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ استعانت طلب کرتا ہے۔ بقول اُس کے وَاِیّاکَ نستعین۔ پس اُس کا ربّ اُسے اِھدِنَا پر آگاہی بخشتا ہے۔ پس وہ کہتا ہے اِھدِنَا یعنی ہمیں ہدایت دے۔ پس جو اُس نے دیکھا اُس کے ساتھ وصف بیان کرتا ہے۔ بقول اُس کے صراط المستقیم جو کہ تیری ذات کی معرفت ہے۔ یعنی اُس راستے پر چلا جس سے تیری ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

صاحبِ المواقف نے کہا۔ علم کی تاثیر نہیں اور کہا! جب تو اُس میں ہلاک ہو جائے۔ صراط الذین انعمت علیہم اور شاذ کی ایک قرأت میں صراطٌ مَن انعم علیہ وارد ہُوا ہے جس میں رُوحِ پاکیزہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور تفسیرِ کُل جس پر رسُولوں اور نبیوں سے اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور غیر المغضوب علیہم نہیں۔ ایسے ہی وَلَا الضّالین ہے۔ یعنی اُن لوگوں کے راستے پر نہ چلا جن پر تیرا غضب ہُوا اور جو گمراہ ہُوئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں اُسے عطا کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اُسے عطا فرماتا ہے اور اُس کے ٹیڑھے پن کو سیدھا کرتا ہے اور اُس کے راستے کو ظاہر فرماتا ہے اور اُس کے بساط کو بلند فرماتا ہے۔ اُس کا ربّ اُس کی تمام دُعا کے اثر میں آمین کہتا ہے پس ملائکہ کی آمین کے ساتھ قبولیت حاصل ہو جاتی ہے اور رُوح کی آمین اُس کی اِتّباع کرتی ہے جس طرح لشکر اتباع کرتے ہیں بلکہ اُس کے ارادہ کے متّحد ہونے کے لئے زیادہ اطاعت کرتی ہے پس اُس کے لئے نطق دُرست ہوتا ہے اور اُس کا نام نفس ناطقہ ہو جاتا ہے۔

اور یہی استواء کی صُورت میں رُوح اور عقل کا عرش ہے پس غور کریں

اگر سمجھ میں نہ آئے تو تسلیم کر لیں اس میں سلامتی ہے اور اللہ حق کہتا ہے اور سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

فصولِ تانیس اور قوائدِ تاسیس

وصال کی آنکھ سے جمال کو دیکھنا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا!

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو کافر ہوئے اُن پر برابر ہے۔ آپ اُنہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں پر اور اُن کے کانوں پر مُہر کر دی اور اُن کی آنکھوں پر پردے ہیں اور اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

اس میں مختصراً یہ بیان ہے۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو لوگ کافر ہوئے اُن کی محبت ان سے پوشیدہ ہے۔ پس اِن پر برابر ہے کہ آپ اُنہیں اُس وعید کے ساتھ ڈرائیں جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے یا نہ ڈرائیں وہ آپ کے کلام کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ وہ میرے بغیر شعور نہیں کر سکتے۔ اور آپ اُنہیں میری خلق کے ساتھ ڈرائیں گے اور وہ اس کی عقل نہیں رکھتے۔ اور نہ اُنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے تو وہ آپ کے ساتھ کیسے ایمان لائیں گے اور اُن کے دِلوں پر اُن کی سماعت پر مُہر لگ چکی ہے تو اِس میں میرے سِوا کوئی گنجائش نہیں۔

پس وہ عالم میں میرے سِوا کوئی کلام نہیں سُنتے اور اُن کی آنکھوں پر میرے مشاہدہ کے وقت پردے ہیں۔ اِس لئے وہ میرے سِوا نہیں دیکھتے۔

اور اُن کے لئے میرے نزدیک بہت بڑا عذاب ہے۔

اِس منوّر مشہد کے بعد اُنہیں آپ کے انذار کی طرف لوٹاتا ہُوں اور اُنہیں خود سے محجوب کرتا ہُوں جیساکہ قَابَ قَوسَینَ اَو اَدنیٰ کے قُرب کے بعد آپ کے ساتھ کیا۔ اور آپ کو اُن لوگوں کی طرف اُتارا جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور اُس چیز کی تردید کرتے ہیں جو آپ میری طرف سے لے کر اُن کی طرف آئے۔ اور آپ مجھ سے وہ باتیں سُنتے ہیں جن سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے تو وہ شرحِ صدر کہاں ہے جس کا آپ نے معراج میں مشاہدہ کیا تھا۔ پس ایسے ہی میری مخلوق پر وہ لوگ میرے اَمین ہیں جنہیں مَیں نے اپنی رضا سے چھُپا رکھا ہے تو مَیں اُن پر کبھی ناراض نہیں ہوُں گا۔

تفصیل اِس اجمال کی

ہم نے اِس باب میں جس اَمر کا اختصار پیش کیا ہے اُس کی تفصیل!

دیکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسے اپنے دُشمنوں کی صِفت میں اپنے دوستوں کو پوشیدہ کیا۔ اور یہ اِس طرح ہے کہ جب اُس نے اپنے اسمِ لطیف سے اہلِ امانت کو پیدا فرمایا اور اُن کے لئے اسمِ جمیل میں تجلّی فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اُس سے مُحبت کی اور دو مختلف وجہوں کے ساتھ محبُوب اور مُحبّ میں غیرت صفاتِ مُحبّت سے ہے۔

پس اُنہوں نے اُس کی محبّت غیرت کی وجہ سے پوشیدہ رکھّی جیساکہ شِبلی اور اُن کی مِثل دوسرے لوگ۔

اور اِس غیرت کے ساتھ اُنہیں جاننے والوں سے پوشیدہ کیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اِنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا یعنی سَتَرُوا گویا کہ اُن سے

غیرت کی وجہ سے اُن امور کو پوشیدہ رکھا جو اُن پر اسرارِ وصال سے ظاہر ہوتے
پس فرمایا! تم میری صفات کے ساتھ میری ذات سے لازماً پردہ میں رہو گے
تو وہ اس کے لئے تیار ہونے لگے۔ پس وہ مستعد نہیں ہوں گے تو میں نے
اُنہیں اپنے انبیاء و رسل کی زبان پر اس عالم میں انذار کیا تو وہ نہ
جان سکے۔ کیونکہ وہ عینِ جمع میں تھے اور اُنہیں عینِ تفرقہ سے خطاب کیا گیا
تھا اور وہ عالمِ تفصیل کو نہیں پہچانتے پس وہ تیار نہ ہوئے۔

اس وقت میں اُن پر حق سے غیرت کا تسلط رہا اور اُن کے دلوں پر
محبت غالب رہی پس اُس نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس
سبب کے ساتھ خبر دی جس کے ساتھ اُنہیں آپ کی آواز پر جواب دینے
سے بہرا کر رکھا تھا۔ فرمایا! خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قلوبہم۔ اس کے سوا کسی کے لئے
گنجائش نہیں۔ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ۔ وہ اُس کے سوا کسی کا کلام نہیں سنتے اور وہ عالم
میں لوگوں کی زبان پر اُسی کے کلام کرنے کی گواہی دیتے ہیں۔ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ۔
یعنی اُن کی آنکھوں پر اُس کی روشنی کا پردہ ہے کیونکہ وہ نور ہے اور یہ اُس
کے جلال و ہیبت کی خصوصیت ہے۔

مراد وہ صفت ہے جو اِن کے لئے اس سے پہلے متجلّی ہوئی۔ پس میں
اُنہیں ذات کے سمندروں میں غرق کر کے مشاہدۂ ذات کے ساتھ باقی رکھتا ہوں۔
پس اُن کے لئے کہا۔ تمہارے لئے لازماً عذابِ عظیم ہے۔

وہ اپنے نزدیک اتحادِ صفت کے لئے نہیں سمجھتے کہ عذاب کیا ہے۔ پس
اُن کے لئے عالمِ کون و فساد کو پیدا کیا۔ اور اُس وقت اُنہیں جمیع اسماء کا علم
دیا اور اُنہیں عرشِ رحمانی پر اُتارا اور اس میں اُن کا عذاب ہے۔ اور
بے شک وہ اُس کے نزدیک اُس کے غیوب کے خزانوں میں چھپے ہوئے

تھے۔ جب فرشتوں نے اُنہیں دیکھا تو اُن کے لئے سجدہ ریز ہو گئے۔ اور اُنہیں اسماء سکھلائے۔ مگر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو استوا کی استطاعت نہ تھی اور وہ اس عذاب کی طاقت نہ رکھتے تھے تو اُس وقت بے ہوش ہو گئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا،

میرے دوست کو میری طرف لوٹا دو۔ کیونکہ یہ میرے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ پس وہ شوق اور مخاطبت کے ساتھ پوشیدہ ہو گئے اور باقی کفار عرش سے کرسی کی طرف اُتر آئے۔ تو اُن کے لئے دو قدم پیدا ہوئے تو وہ دونوں پر اس نشاۃِ جسمانیہ کی رات کے تیسرے حصے میں آسمانِ دُنیائے نفسانیہ کی طرف اُترے اور اُنہیں مخاطب کیا۔ جن لوگوں کا بوجھ بھاری تھا اور وہ عروج پر قدرت نہ رکھتے تھے کہ کیا کوئی ہے دعا کرنے والا تاکہ میں اُسے قبول کروں؟

کیا ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اُس کی توبہ قبول کی جائے۔

کیا کوئی ہے مغفرت چاہنے والا کہ اُس کی مغفرت کی جائے۔

یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

تو جب صُبح ہوتی ہے تو عقلی نوری رُوح ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ وہیں لوٹ جاتے ہیں جہاں سے آتے تھے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ جو شخص

اللہ تبارک وتعالیٰ سے واصل ہونا چاہتا ہے پس وہ واصل ہو جاتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتے. تو یہ وقت اُسے اُٹھانے کا ہے جو کچھ قبروں میں ہے تو جو بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے نہیں ڈرتا. وہ فریب کھانے والا ہے اس پہ غور کریں۔

رُوحوں سے سوال جواب

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ. يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ. فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ[1]

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان لانے والے نہیں، فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور درحقیقت فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور نہیں جانتے اُن کے دِلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے اُن کی بیماری اور بڑھائی اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مُبدعات کو پیدا کیا اور ربوبیّت میں احدیّت کی زبان کے ساتھ تجلّی فرمائی تو فرمایا! اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہُوں؟ مخاطب انتہائی صفائی میں تھا۔ تو کہا! ہاں کیوں نہیں۔ یہ تخاطب صَدا کی مانند تھا تو اُنہوں نے اس کے ساتھ جواب دیا اور مُحدِث کا وجُود خیالِ منصوب تھا اور یہ گواہی رحمت کی تھی۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُنہیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں اُن پر وحدانیت کو باقی رکھُوں گا۔ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا جو اُن میں حِس طبعی ہے اور جس کے ساتھ اُن میں اقتدارِ الٰہی کو قبول کرنا ہے اُس کے ساتھ اُن کی شراکت ہے اور اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

پس جب علم ازلی سے عالم کی صُورتیں غیرت و عزت کے پیچھے عین اَبدی کی طرف ظاہر ہوئیں۔ بعد اُس کے کہ چراغ روشن تھے۔ اور وجود میں تابندگی تھی اور باقی وہ عیوب کی ظُلمت میں تھا۔

---

[1] البقرہ آیت ۸، ۹

پس مختلف بولی جانے والی زبانوں کے ساتھ صُورتیں متحرک ہوئیں اور یہ صُورتیں اندھیرے سے اُٹھتی تھیں۔ جب اُن کا زمانہ ختم ہُوا تو ظلمت کی طرف لوٹ گئیں۔ اور ایسے ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ صُبح ہو گئی۔

ذہین اور فطین شخص نے چاہا کہ اُس حقیقت پر واقفیت حاصل کرے جو اُس کی آنکھ نے دیکھا تھا۔ کیونکہ حِس غلطیاں کر لیتی ہے، وہ پردے کے قریب ہُوا تو دیکھا کہ اُس میں غیب سے کلام ہوتا ہے۔

پس جان لیا کہ یہ سِرِ عجیب ہے تو اُس نے اس پر بنفسہٖ واقفیت حاصل کی تو اِسے جان لیا۔ اور اُسے بھی جان لیا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ وظائفِ تکلیف سے آیا۔

پہلا وظیفہ:۔ کلمۂ توحید ہے جس کے ساتھ ہر ایک نے اقرار کیا اور صانع کا کوئی بھی مُنکر نہیں اِس پر اُن کی عبارتیں مختلف ہیں۔ تو وہ ابتلاء میں پڑ گئے اور شہادتِ رسُول کے لئے مشترک زبان کے ساتھ مخاطب کیا۔ پس اختصاصِ جنس کے ساتھ انکار واقع ہُوا تو اہلِ انکار دو طریقوں پر متفرق ہو گئے۔

اختلافِ ارواح

اُن میں سے وہ ہیں جنہوں نے ظواہر میں نظر کی اور کسی ظاہر چیز میں فضیلت نہ دیکھی تو انکار کر دیا۔ اُن میں سے وہ ہیں جنہوں نے عقلاً باطن پر نظر کی تو معقولات میں اشتراک دیکھا اور اختصاص کو بھول گئے تو اُنہوں نے انکار کر دیا۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کو تلوار کے ساتھ بھیجا اور اُن کے دِلوں میں موت کا رُعب طاری کر دیا اور وہ اپنی نظر کے مطابق شک میں داخل ہو گئے۔

اِن میں سے بعض مشاہدہ پر قائم ہوئے تو یہ عالم باللہ ہیں۔

ان میں سے بعض نظر کے اثبات پر قائم ہوئے تو یہ عارف باللہ ہیں۔

ان میں سے بعض اعتقاد پر قائم ہوئے تو یہ عوام الناس ہیں۔

اور ان میں سے بعض نے قتل کے خوف سے وہ لفظ کہا۔ یعنی کلمے کا اقرار کیا اور اس پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے انہیں حق کی زبان پکار کر کہتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور جو لوگ کہتے ہیں ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے۔

تو یہ ظاہراً کہتے ہیں وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ۔ اور یہ مومنوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ باطناً لزومِ دعویٰ اور اپنی جہالت کے ساتھ "يُخَادِعُونَ اللَّهَ" اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں جانتا۔ اور میں اُن کے اعمال کو اُن پر لوٹاتا ہوں۔ وَمَا يَشْعُرُونَ۔ اور وہ نہیں جانتے۔ اس روز اس کے ساتھ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ وہ اس پر شک کرتے ہیں۔ جو میرا رسول اُن کے پاس لے کر آیا۔ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا۔ پس اللہ تعالیٰ اُن کے مرض کو زیادہ کرتا ہے یعنی اُن کا شک اور حجاب زیادہ کرتا ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے یعنی قیامت کے روز انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں رہیں گے۔ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ' اس لئے کہ وہ تکذیب کرتے تھے اُن امور کی جو ہم نے اُن کے سامنے حق پہنچاتے اور قاضی کی لوح میں اُن کی عنایت سبقت نہیں کرے گی۔

مزید آیات کی تفسیر

وصل: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ

۱؎ البقرۃ آیت ۹ ۲؎ البقرۃ آیت ۱۲

ترجمہ: اور جب اُن سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں وہ تو سنوارنے والے ہیں۔ خبردار وہی فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں۔

جب آٹھ کے ساتھ وجود مکمل ہُوا تو دعویٰ کے گھوڑ سوار کے ساتھ میدان تنعم میں نکلا۔ پس وہ لشکر میں نہ تھا۔

ومن الناس من یقول آمنّا۔ یعنی لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں ہم ایمان لائے جو اس کی طرف نکلے۔ وہ سب کا بادشاہ ہے اور اس کی طرف اور اس کے دین کی طرف باطناً جھکے تو انہیں طلب اقتدار کے ساتھ عقوبت دی جائے گی ورنہ قتل کئے جائیں گے۔ انہوں نے کلمے کو لفظاً لفظاً پڑھا تو انہیں دُنیا و آخرت میں دردناک عذاب حاصل ہُوا۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ

جب انہیں کہا جاتا ہے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

یعنی جسموں کی زمین میں تو اپنے خیال میں کہتے ہیں۔ اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ۔ یعنی ہم تو درستی کرنے والے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَا اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ۔ خبردار بے شک وہ فساد کرنے والے ہیں۔ یعنی وہ ہمارے نزدیک اور اپنے نزدیک فسادی ہیں۔ کیونکہ وہ جو چاہتے تھے اس پر نفع نہ اٹھایا۔ وَلٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ۔ لیکن وہ نہیں جانتے۔ یعنی اشیاء کے اتحاد کو نہیں جانتے۔ اور اگر وہ جان لیتے تو ایمان لے آتے اور کفر نہ کرتے۔

وصل: وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡٓا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں۔ ہم ایمان لائیں جیسا کہ بے وقوف ایمان لائے۔ خبردار بے شک وہی

ا البقرۃ آیت ۱۲ ۲ البقرۃ آیت ۱۳

بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔

اور یہ اس طرح ہے کہ جب وہ اغیار کی لڑی میں پروئے جاتے ہیں تو انہیں ندا آتی ہے کہ گواہوں کی منازل پر کھڑے ہوں پس وہ اپنیت میں خطاب سنتے ہیں۔ آمنو کما امن الناس۔ یعنی ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لاتے۔

پس وہ داعیٔ جنسی اور عہد جس کے ساتھ وعدہ کرتے سے محجوب ہو جاتے ہیں اور یہ انہیں بہرہ بنا دیتی ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور ان کی جہالت کی رات پردہ ڈال دیتی ہے تو کہتے ہیں۔ انؤمن کما امن السفھاء' ہم ایمان لائیں جیسا کہ بے وقوف ایمان لائے۔ جب انہیں اس پاکیزہ طریق سے پھیر دیا گیا اور وہ ہوس کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا۔ الا انھم السفھاء۔ خبردار یہی بے وقوف ہیں جو ہوس کے قبضہ میں آ گئے۔

اور وہ اُس سماع کی لذتوں سے حجاب میں ہیں جو طور کے ساتھ افسلاذ پر رذاذ واقع ہے ولیکن وہ علم نہیں رکھتے تاکہ اعلیٰ سے اُس کے علاوہ کی تمیز کر سکیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

یعنی جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے مگر اشیا کی ایجاد احسن قانون پر ہے۔ بس پاک ہے وہ ذات وہ جو ایجاد واختراع اور اتقان وابداع کے ساتھ منفرد ہے۔

مدّعیوں کا دعویٰ

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

ا۔ یٰسین آیت ۸۲ ۲۔ البقرۃ آیت ۱۴

یعنی جب وہ ایمان والوں کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اور جب اپنے شیطانوں کی طرف نکلتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ بے شک ہم تو اُن سے تمسخر کرتے ہیں۔

ایمان کی قسمیں

اس مقام میں ایمان پانچ قسموں پر ہے۔ ایمانِ تقلید، ایمانِ علم، ایمانِ عین، ایمانِ حق اور ایمانِ حقیقت۔

تقلید عوام کے لئے ہے، علم اصحابِ دلیل کے لئے ہے، عین اہلِ مشاہدہ کے لئے ہے، حق عارفین کے لئے ہے اور حقیقت واقفین کے لئے ہے ـــــ اور حقیقت الحقیقت، یہ چھٹی قسم ہے جو قطعی طور پر عُلماء و مُرسلین کے لئے ہے اور وراثت کے طور پر عطا ہوتی ہے اور وراثت منع ہے۔ وضاحت کی طرف اسے کھولنے کا کوئی راستہ نہیں۔

دعاوی کی صفات پانچ ہیں۔ پہلی لَقُوا! جب لوگوں سے ملتے ہیں۔ ! "قَالُوْآ آمَنَّا" کہتے ہیں۔ ہم ایمان لائے۔

پس قلب عوام کے لئے اور سِرِّ قلب اصحابِ دلیل کے لئے ہے۔ رُوح اہلِ مشاہدہ کے لئے اور سِرِّ رُوح عارفین کے لئے ہے، سِرّ السِّر واقفین کے لئے اور سِرِّ اعظم اہلِ غیرت و حجاب کے لئے ہے۔ منافقین ایمان سے ننگے ہوتے ہیں اور اسلام میں منسلک ہوتے ہیں اور اُن کے ایمان اُن کے خیال کے خزانہ سے تجاوز نہیں کرتے۔ وہ اپنی ذاتوں میں بُت بنا لیتے ہیں۔ اور اُنہیں اپنے معبودوں کے مقام پر کھڑا کر دیتے ہیں۔

وَاِذَا خَلَوا اِلٰی شَیَاطِیْنِہِمْ۔ اور جب اپنے شیطانوں کی طرف داخل ہوتے

ہیں۔ تو غفلت کی بناء پر اور مراتب ایمان سے خالی ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ اَنَا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ۔ یعنی ہم تمہارے ساتھ ہیں سوائے اس کے نہیں کہ ہم اُن کا تمسخر اڑاتے ہیں۔" اُن پر اُن کے اس قول سے عذاب واقع ہوتا ہے جو وہ خلوت کی حالت میں اپنے شیطانوں سے کہتے ہیں۔ پس جب اُن کے نزدیک اضداد قائم ہوتے اور وہ حق و باطل کے حامل ہوئے۔ اور باطل یہ ہے کہ حق کے ساتھ باطل کو چھپانے کا عمل کیا اور اہلِ باطل کے سامنے اُفشائے حق کا عمل کیا پس اُن کی منافقت درست ہوتی۔

اگر وہ اپنی ذاتوں میں اپنی ذاتوں کو خطاب کرتے تو اُن پر یہ درست نہ ہوتا اور وہ اہلِ حقائق سے ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کے استہزاء پر جواب واقع کرتے ہوئے فرمایا۔ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ۔ یعنی اللہ اُن کے تمسخر کا بدلہ دیتا ہے۔

اُن کا یہ استہزاء عجیب تھا۔ کیسے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں جب کہ وہ عدم ہیں۔ اگر وہ ایمانِ حقیقت کو دیکھتے تو دیکھتے کہ خالق خلقت میں ہے۔ نہ وہ علیحدگی میں ہوتے اور نہ کلام کرتے اور نہ خاموش ہوتے، بلکہ وہ مشاہدہ کرنے والے کے مقام پر کھڑے ہوتے اور وہ رُوحِ جامع صاحب مادہ ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ حقیقتِ لقاء پر نظر کرے۔ کیونکہ وہ پہلے افتراق پر اطلاع دیتا ہے۔ پھر اُس صفت پر جمع ہوئے جسے نہیں جانتے بلکہ اُن کے لئے اُس سے اچھائی ظاہر ہے۔ پس وہ اس کے ساتھ مؤدب ہو گئے اور اس سے زیادہ کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

تو کہا اٰمَنَّا۔ یعنی ہم ایمان لائے پھر خلوت میں شیطنیت کے ساتھ اپنے سروں کے بل جھک گئے اور یہ بُعد لقاء کی مثل ہے۔ پس وہ کہتے ہیں۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ۔ یعنی ہم اُن کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ تو یہ اُس صفت کے ساتھ ہے جس کے ساتھ ہماری مُلاقات ہوئی تھی۔ پس اس آیت پر حقیقت الحقیقت سے

طلوعِ فجر تک اور زوالِ شک پر پردے کے زائل ہونے اور موانع کے اُٹھنے تک غور کریں تو آپ کو یہ بہتر سُبحان ونساء اور سُورج میں پوشیدہ نظر آئے گا اور آپ اُن ملنے والے لوگوں کو اُن لوگوں کی طرح پائیں گے جو وقتِ ملاقات بہرے ہو گئے، اگر آپ کلام کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے اور یہ وہ حقیقت الحقیقت ہے جس کا کھولنا ممنوع ہے. مگر جسے اس ذوق سے کسی قدر ملا ہے اُس کے سامنے بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں. پس غور و فکر کریں تو ان شاء اللہ اِسے پالیں گے.

اَلحمدُ لِلّٰہ پانچواں باب اور دسویں جز تمام ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

چھٹا باب

تخلیق رُوحانی کی ابتداء کی معرفت اور اُس کی معرفت جو اس میں پہلے موجود ہے اور جس سے وہ پیدا ہوا، اور کون سی مثال پر پیدا ہوا۔ اور نہیں پیدا ہوا اور اُس کی غایت کیا ہے اور افلاک کے عالم اکبر و اصغر کی معرفت۔

انظر الی ھذا الوجود المحکم — ووجودنا مثل الرداء المعلم
وانظر الی خلفائه فی ملکهم — من مفصح طلق اللسان واعجم
مامنهمو أحد یحب الهه — الا ویعزجه بحب الدرهم
فیقال ھذا عبد معرفة وذا — عبد الجنان وذا عبید جهنم
الا القلیل من القلیل فانهم — سکری به من غیر حس توهم
فهمو عبید الله لایدری بهم — أحد سواه لاعبید المنعم
فأفادهم لما أراد رجوعهم — لقصورهم من کل علم مبهم
علم المقدم فی البسائط وحده — وأساسه ذو عنصر لم ینصرم
وحقیقة الظرف الذی سترته عن — امثاله ومثاله لم یکتتم
والعلم بالسبب الذی وجدت له — عین العوالم فی الطراز الاقدم
ونهایة الامر الذی لا غایة — تدری له فیه المظیم الاعظم
وعلوم افلاک الوجود کبیره — وصغیره الاعلی الذی لم یذمم
ھذی علوم من تحقق کشفها — یهدی القلوب الی السبیل الاقوم
فالحمد لله الذی أنا جامع — لعلومها ولعلم مالم یعلم

ترجمہ: اس وجودِ محکم کی طرف دیکھیں اور ہمارے وجود ردائے پرچم بردار کی

مثل ہیں۔

اُس کے خلفاء کی طرف دیکھیں جو فصیح اللسان اور گونگوں میں سے اپنے ملکوں

میں ہیں۔ ان میں سے کوئی نہیں جو اپنے معبود سے محبّت رکھتا ہو مگر اُس نے دولت

کی محبت کو اُس سے ملا دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ عبدِ معرفت ہے اور یہ عبدِ جنّت ہے اور یہ جہنّم کا بندہ ہے

مگر قلیل سے قلیل ایسے لوگ ہیں جو حسن توہم کے بغیر اُس کی محبت کے نشے میں

ہیں۔ یہ اللہ کے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ نعمتوں کے

بندے نہیں۔ جب وہ اپنے قصور کے لیے لوٹنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں علمِ

مبہم عطا فرماتا ہے۔ علمِ بسائط میں اکیلا مقدّم ہے اور اُس کی اساس اُس سے

نہیں کٹتی اُس طرف کی حقیقت جو اُس کی امثال سے پوشیدہ ہے۔ اُس کی مثل

پوشیدہ نہیں۔ وہ علم جس کی وجہ سے عین العوالم وجود میں آیا نقشِ قدیم میں ہے۔

اُس امر کی نہایت جس کی غایت نہیں جانتا اُس میں عظیم الاعظم ہے۔ افلاکِ

وجودِ کبیرہ وصغیرہ کے علوم اعلیٰ ہیں جن کی مذمت نہیں کی جاسکتی۔ یہ علوم

اہلِ کشف پر محقق ہوتے ہیں۔ جو دِلوں کو سیدھے راستے پر لاتے ہیں۔ اللہ کا

شکر ہے۔ میں اُن علوم کا جامع ہوں جنہیں لوگ نہیں جانتے۔

حقیقت محمدیہ اور مخلوق کی پیدائش

مختصر اور اجمالاً بیان کیا جاتا ہے کہ خلقت کی ابتداء ہبا یعنی غبار سے

ہوئی اور اس میں سب سے پہلے حقیقتِ محمدیہ رحمانیہ کو وجود میں لایا گیا اور

عدمِ مقام کی بنا پر اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ جس چیز سے یہ حقیقتِ معلومہ

یعنی حقیقتِ محمدیہ پیدا ہوئی. وہ نہ وجود سے متصف ہے اور نہ عدم سے اور یہ ہبا
میں پیدا ہوئی اور نفسِ حق میں صورتِ معلومہ کی مثال پر پیدا ہوئی اور یہ حقائق الٰہیہ
کے اظہار کے لئے پیدا نہیں ہوئی اور نہ اس کی غایت امر امتزاجیہ سے تلخیص ہے
پس ہر عالم سے بغیر امتزاج کے اُس کی نشاۃ سے اُس کا حصّہ پہچاننے کے
لئے ہے. پس اُس غایت اُس کے حقائق کا اظہار اور عالم سے معرفتِ افلاکِ
اکبر ہے.

ایک جماعت کی اصطلاح میں انسان کی مُراد عالمِ اکبر کے علاوہ ہے اور
وہ عالم اصغر ہے. یعنی انسان رُوحِ عالم اور اس کی علّت اور اُس کا سبب ہے
اور افلاکِ عالم اُس کے مقامات ہیں اور اُس کی حرکات اور اُس کے طبقات کی
تفصیل ہیں تو یہ تمام جو اس کو شامل ہے. اس باب سے ہے. جیسا کہ جسم کے
طریق سے انسان عالمِ صغیر ہے. ایسے ہی وہ طریقِ حدُود سے حقیر ہے. اور اُس
کے لئے شدید ہونا درُست ہے. کیونکہ وہ عالم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا خلیفہ
ہے اور عالم اُس کا محتاج اور اُس کے لئے مسخّر کیا گیا ہے. جیسا کہ انسان
اللہ تبارک و تعالیٰ کا محتاج ہے.

جاننا چاہیئے کہ انسان کی کامل ترین نشاۃ اسی دنیا میں ہے اور آخرت
میں ہر انسان دو فرقوں سے حال میں نصف پر ہوگا. اور علم میں ایسا نہیں ہوگا.
کیونکہ ہر فرقہ اپنے حال کی ضد کے ساتھ عالم ہوگا. پس انسان یا تو مومن ہے یا
کافر ہے اور اس کے ساتھ ہی سعادت و شقاوت، نعیم و عذاب اور مُنعّم و معذب
ہے. لہٰذا دُنیا کی معرفت کامل اور آخرت کی تجلّی اعلیٰ ہے.

اس پر غور کریں اور اس قُفل کو کھولیں. ہم نے زیرک انسان کے
لئے رمز بیان کی ہے اور اُس کا یہ لفظ بُرا اور معنیٰ اچھا ہے.

روح الوجود الكبير هذا الوجود الصغير
لولاه ماقال اني أنا الكبير القدير
لايعجبك حدوثي ولا الفنا والنشور
فانني ان تأملتني المحيط الكبير
فللقديم بذاتي وللجديد ظهور
والله فرد قديم لا يعتريه قصور
والكون خلق جديد في قبضتيه أسير
فلاعن هذا أني أنا الوجود الحقير
وان كل وجود على وجودي يدور
فلا كليلى ليل ولا كنو ذي نور
فمن يقل في عبد أنا العبيد الفقير
أوقال اني وجود أنا الوجود الخبير
فصحني ملكا تجلني أو سرقة ماتجور
فياجهولا بقدري أنت العليم البصير
بلغ وجودي عني والقول صدق وزور
وقل لقومك اني أنا الرحيم الغفور
وقل بأن عذابي هو العذاب المبير
وقل بأني ضعيف لاأستطيع أسير
فكيف ينعم شخص على يدي أويبور

ترجمہ اشعار کا

وجودِ کبیر کی رُوح یہ چھوٹا وجود یعنی انسان ہے۔
اگر یہ نہ ہوتا تو وہ نہ کہتا کہ مَیں کبیر و قدیر ہوں۔
میرا حدوث تجھے محجوب نہ کہہ دے اور نہ فنا و نشور یعنی موت اور دوبارہ اُٹھانا
اگر تو تامّل کرے تو مَیں بڑا گھیرنے والا ہوں۔

قدیم کے لیے میری ذات کے ساتھ اور جدید کے لئے ظہور ہے۔
اور اللہ قدیم یکتا ہے۔ اُسے کوئی کمی نہیں پہنچتی۔
عالم خلقِ جدید ہے اور اُس کی دونوں مٹھیوں میں قید ہے۔
اِس سے ظاہر ہُوا کہ مَیں ایک حقیر وجود ہُوں۔
ہر وجود میرے وجُود پر دَورہ کرتا ہے۔
میری رات کی طرح رات نہیں اور نہ میرے نوُر کی طرح نوُر ہے۔
جو میرے حق میں عبد کہتا ہے تو مَیں محتاج بندہ ہُوں۔
یا کہے کہ مَیں وجُود ہوُں تو مَیں جاننے والا وجُود ہُوں۔
میرے بادشاہ ہونے کی صحّت کو مانو تو مجھے پا لو گے۔
یا اُس کا بازار مانو جس میں تجارت ہوتی ہے۔
اَے قدر کو نہ جاننے والے تُو علیم و بصیر ہے۔
مجھ سے میرے وجود کو بات پہنچی ہے اور بات صداقت و کذب پر مبنی ہے۔
اپنی قوم سے کہہ کہ مَیں رحیم و غفور ہُوں۔
کہہ کہ میرا عذاب ہلاکت میں ڈالنے والا عذاب ہے۔
کہہ کہ مَیں ضعیف ہُوں اور قید ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا۔
میرے ہاتھ پر کوئی شخص کیسے منعم یا ہلاک ہوگا۔
یہ باب کھول کر لکھا گیا ہے اور اس کے بیان میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور مدد شامل ہے۔
جاننا چاہیئے کہ معلومات چار ہیں۔

معلومِ اوّل

حق تعالیٰ وجودِ مُطلق کے ساتھ موجُود ہے کیونکہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ

کسی چیز کے لئے نہ معلول ہے نہ علت کیونکہ وہ بذاتہٖ موجود ہے اور اُس کے ساتھ علم ہونا اُس کے وجود کے ساتھ علم ہونے سے عبارت ہے اور اُس کا وجود اُس کی ذات کا غیر نہیں۔ باوجودیکہ اُس کی ذات غیر معلوم ہے لیکن اُس کی طرف منسوب صفات معلوم ہیں۔ یعنی صفاتِ معانی اور یہی صفاتِ کمال ہیں۔

رہا حقیقتِ ذات کے ساتھ علم تو وہ دلیل اور بُرہانِ عقلی کے ساتھ ممنوع ہے اور اُس کی صفت نہیں پائی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ کے ساتھ کوئی چیز مشابہ نہیں اور نہ وہ کسی چیز کے ساتھ مشابہ ہے۔ وہ اُسے کیسے جان سکتا ہے جس سے کسی چیز کی مشابہت نہیں اور نہ اُس کی کسی چیز کے ساتھ مشابہت ہے۔ پس اُس کے ساتھ تیری مشابہت یہ ہے۔

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ[1] [2]

یعنی اُس کی مثل کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات کے بارے میں ڈراتا ہے اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنا منع ہے۔

دُوسرا معلُوم

اور وہ حقیقتِ کُلّیہ ہے جو حق کے لئے اور عالم کے لئے ہے اور نہ وجُود کے ساتھ متّصف ہے نہ عدم کے ساتھ اور نہ حدوث کے ساتھ مُتّصف ہے اور نہ قدم کے ساتھ۔ یہ قدیم میں ہے جب اُس کی صفت قدیم کے ساتھ کی جائے اور مُحدث میں ہے جب اُس کی صفت مُحدِث کے ساتھ کی جائے۔ قدیم و حدوث کی معلومات کا علم نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اِس حقیقت کا علم ہو جائے اور یہ حقیقت نہیں پائی جاتی یہاں تک کہ اُس کے ساتھ اشیائے موصوفہ کو پایا جائے۔ اگر غیر عدم سے پہلے کوئی چیز پائی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وجُود اور اُس کی صفات تو اِس میں کہتے ہیں

---

[1] الشوریٰ آیت ۱۱ [2] البقرہ آیت ۲۸

کہ قدیم اس کے ساتھ اتصافِ حق کے لئے موجود ہے اور اگر کوئی چیز عدم سے پائی جائے جیساکہ ماسوا اللہ کا وجود تو وہ اُس کے بغیر مُحدث موجود ہے۔ اس میں کہتے ہیں مُحدث تو یہ اپنی حقیقت کے ساتھ ہر موجود میں ہے کیونکہ یہ تجزی یعنی اجزا کو قبول نہیں کرتی تو اِس میں نہ کُل ہے اور نہ بعض اور نہ دلیل و بُرہان کے ساتھ اُس کی اکیلی صُورت کی طرف معرفت حاصل ہوتی ہے۔

پس اِس حقیقت سے حق تعالیٰ کی وساطت کے ساتھ عالم وجود میں آیا اور موجود کے ساتھ نہ تھا پس حق تعالیٰ نے ہمیں موجودِ قدیم سے پیدا کیا تو ہمارے لئے قدم ثابت ہُوا۔ ایسے ہی یہ بھی جان لیں کہ یہ حقیقت عالم پر تقدّم کے ساتھ مُتّصف نہیں اور نہ عالم اِس سے تاخر کے ساتھ ہے۔ لیکن یہ بالعموم موجودات کی اَصل ہے اور یہی اَصل جوہر اور فلکِ حیات ہے اور اس کے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ مخلوق ملی ہُوئی ہے اور یہی فلکِ محیط معقول ہے۔ اگر آپ کہیں کہ یہ عالم ہے تو آپ نے سچ کہا۔ یا کہیں عالم نہیں ہے تو آپ نے سچ کہا۔ اور یہ حق ہے یہ حق نہیں ہے تو آپ نے سچ کہا۔ یہ ان تمام کو قبول کرتی ہے۔ اشخاصِ عالم کے متعدد ہونے سے متعدد ہے اور تنزیہہ حق کے ساتھ منزّہ ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کی مثال ہو یہاں تک کہ آپ کی سمجھ کے قریب ہو جائے تو لکڑی، کرسی، دوات، منبر اور صندوق پر غور کریں اور ایسے ہی مُربّع اور اِس کی مثل شکلوں میں دیکھیں۔ مثلاً ہر مُربّع میں گھر، صندوق اور کاغذ اپنی حقیقت کے ساتھ مُربّع ہے اور یہ ہونا اِن جسموں میں سے ہر جسم میں ہے۔ ایسے ہی کپڑوں کے رنگ، جوہر، کاغذ، آٹا اور روغن وغیرہ میں ہے کہ کپڑے میں یہ سفیدی اُس کا جُزو ہے۔ بلکہ اُس کی حقیقت کپڑے میں اُسی طرح ظاہر ہوتی ہے جس طرح کاغذ میں۔ ایسے ہی علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور تمام اَشیاء کی صُورت ہے

ہم نے یہ معلومات آپ کے لئے کھول کر بیان کی ہیں اور اِس قول میں بہت سی باتیں ہم نے اپنی کتاب "انشاءِ جداول ودوائر" میں مزید کھول کر بیان کی ہیں۔

تیسرا معلوم

یہ تمام عالم ہے۔ افلاک وافلاک اور عوالم سے جس کے ساتھ احاطہ ہے اور ہوا اور زمین اور عالم میں سے جو اِن دونوں میں ہے اور یہ مُلکِ اکبر ہے۔

چوتھا معلوم انسان ہے

چوتھا معلوم یہ انسان ہے۔ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس عالم میں خلیفہ مقرر فرمایا اور عالم کو اِس کی تسخیر کے تحت مغلوب کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا[1]

"اور جو آسمان اور زمین میں سب کچھ ہے اُسے تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ پس جو اِن معلومات کو جان لیتا ہے اُس کے لئے ہرگز کوئی معلوم باقی نہیں رہتا۔ جسے وہ طلب کرے۔ تو اس سے ہم نہیں جانتے۔ مگر اُس کا وجود اور وہ حق تعالیٰ ہے اور اُس کے افعال وصفات کو ضرب المثل سے جانتے ہیں۔ اور اِس میں سے وہ ہے جسے مثال کے بغیر نہیں جانتے جیسے حقیقتِ کُلّیہ کا علم۔ اور ان میں سے وہ ہے جسے اِن دونوں وجہوں سے اور ماہیّت وکیفیت سے جانتے ہیں۔ اور وہ عالم اور انسان ہیں۔

---

[1] الجاثیہ آیت ۱۳

خدا تھا اور کچھ نہ تھا

كَانَ اللّٰهُ وَلَا شَيْئٌ مَعَهُ　　الحدیث

اللہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

پھر اُس میں درج ہُوا اور وہ اِس وقت اُسی پر ہے جس پر تھا۔ اِس عالم کی ایجاد سے اُس کی طرف ایسی کوئی صفت راجع نہیں جس پر وہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی ذات کے لئے اِس مخلوق سے پہلے اُن اسماء کے ساتھ موصوف اور مسمّٰی تھا جس کے ساتھ اُس کی مخلوق اُسے پکارتی ہے۔

جب اُس نے وجُودِ عالم کا ارادہ کیا اور اُسے ایک صفت پر پیدا کیا جو اُس کے علم کے ساتھ بنفسہٖ اُس کے علم میں تھی۔ اُس ارادۂ مقدسہ سے تجلّیاتِ تنزیہہ سے ایک تجلّی حقیقتِ کُلّیہ کی طرف پڑی جس سے حقیقتِ ہبا موسُوم ہے۔ یہ بمنزلہ چُونے گچ عمارت کے ہے اِس میں اشکال وصُوَر سے جو چاہا اُس کا افتتاح کیا۔ اور یہ عالم میں وہ موجودِ اوّل ہے۔

حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما اہلِ تحقیق اور اہلِ کشف و وجُود نے اِس کا ذکر کیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ نے اِس ہبا کی طرف اپنے نورُ کی تجلّی فرمائی۔ اہلِ افکار اُسے ہیولائے کُل سے موسُوم کرتے ہیں اور اِس میں تمام عالم قوّت وصلاحیّت کے ساتھ موجود تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اِس ہبا میں اپنی قوّت واستعداد کے مطابق اِس سے ہر چیز کو قبول کیا۔ جیسا کہ گھر کے گوشے چراغ کی روشنی کو قبُول کرتے ہیں اور یہ نورُ اِس نورُ کی روشنی کو وہ جگہ زیادہ قبول کرتی ہے جو اُس کے زیادہ قریب ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ[1]

اُس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ۔

پس اپنے نور کو مصباح یعنی چراغ کے ساتھ تشبیہ دی تو اس ہبا میں اُس کے قبول کی طرف کوئی چیز نہ تھی سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کے، جسے عقل سے موسوم کرتے ہیں۔

چنانچہ وجود میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں اور آپ کا وجودِ اقدس اِس نورِ خداوندی اور ہبا اور حقیقتِ کُلیّہ سے ہے اور ہبا میں اُس کا عین پایا گیا اور عالم کا عین اُس کی تجلّی سے ہے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوگوں سے زیادہ تر قریب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور تمام انبیاؑ کے اسرار ہیں۔ اور وہ مثال جس پر تمام عالم بغیر تفصیل کے وجود میں آیا۔ وہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ علم قائم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ ہمیں بذاتہٖ اُس علم کے ساتھ جانتا ہے اور ہمیں اُس صفت پر پیدا کیا جس کو وہ جانتا ہے اور ہم اس مُعیّن شکل میں ہیں جو اُس کے علم میں تھی۔ اور اگر یہ اَمر نہ ہوتا تو ہم اِس شکل کو نہ بالاتفاق لیتے اور نہ قصد سے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا۔ اور ممکن نہیں کہ حُکمِ اتفاق کے ساتھ وجود میں صورت کا اخراج ہو۔ پس اگر اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ کے لئے یہ معیّن شکل معلوم اور مُراد نہ ہوتی تو اس پر ہمیں پیدا نہ کرتا۔ اور نہ یہ شکل اُس کے علاوہ سے اَخذ کی جاسکتی کیونکہ یہ ثابت ہے کہ وہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی تو کوئی اَمر باقی نہیں سوائے اِس کے کہ جو فی نفسہٖ صُورت سے اُس پر ظاہر ہے۔ پس بنفسہٖ اُس کا عِلم ہمارے ساتھ اُس کا عِلم ہے۔ ایسے ہی ہمارے لئے جو عِلم ہے۔

---

[1] النور آیت ۳۵

اُس کا علم قدیم ہے

ہمارے ساتھ اُس کا یہ علم قدیم حق کے ساتھ عین قدیم سے ہے. کیونکہ اُس کی صفت ہے اور اُس کی ذات کے ساتھ حوادث قائم نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ اس سے بڑا اور پاک ہے.

ہمارا یہ قول اور نہیں پایا کہ اس کی غایت کیا ہے. اللہ عزّوجل نے فرمایا ہے. وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ. میں نے جنّوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر عبادت کے لئے. تو اس سبب کی صراحت فرمائی گئی ہے کہ اُس نے ہمیں اور اس تمام عالم کو کیوں پیدا کیا. اور یہاں ہمارا اور جنّوں کا ذکر بطورِ خاص کیا گیا ہے. جنّوں سے مُراد یہاں ہر پوشیدہ مخلوق اور ہر فرشتہ وغیرہ ہے.

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے حق میں فرماتا ہے.

اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ حٰمٓ السجدہ آیت ۱۱

دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے.

اور ایسے ہی فرمایا.

فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا الاحزاب آیت ۷۲

تو انہوں نے اُس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا.

یہ جب ہوا جب اُنہیں پیش آیا اور اگر امر ہوتا تو اطاعت کرتے اور اُسے اُٹھاتے. اِس لئے کہ اُن سے معصیت کا تصور نہیں کیونکہ اُن کی فطرت اس پر ہے اور جن ناری ہیں اور ان کی فطرت اُس پر نہیں. ایسے ہی انسانوں سے اہلِ نظر میں سے اصحابِ فکر کہتے ہیں جن کے دلائل مقصورہ حواس وضروریات

اور بدیہیات پر ہیں کہ مکلف کا عقل مند ہونا ضروری ہے کہ جس کے ساتھ اُسے خطاب کیا جائے اُسے سمجھ لے اور وہ سچ کہتے ہیں۔

مکاشفین کی نظر میں عالم زندہ ہے

ایسے ہی کشف اور خرقِ عادت کی جہت سے تمام عقل مند عالم زندہ اور ناطق ہے، وہ خرقِ عادت جس پر لوگ ہیں یعنی اُن کے علاوہ ہمارے نزدیک اس علم کے حصول کے ساتھ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جمادات عقل نہیں رکھتے اور اُس پر ٹھہرے رہتے ہیں۔ جو اُنہیں اُن کی نظر عطا کرتی ہے۔ ہمارے نزدیک اِس کے برعکس ہے۔ جب کہ آیا ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پتھر نے یا بکری نے کلام کیا یا کھجور کے درخت نے فریاد کی یا چارپایوں نے کلام کیا۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت میں اُن میں زندگی اور علم پیدا فرمایا تھا جب کہ ہمارے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام عالم میں زندگی کا راز ہے اور تمام خشک و تر مؤذن سے اذان سُن کر اُس کی گواہی دیتا ہے اور گواہی نہیں دی جاتی مگر اُس علم سے اور ہمارے نزدیک کشف سے بھی ثابت ہے۔ نہ صرف یہ کہ نظر کے استنباط سے جو ظاہر خبر کا اقتضاء کرتی ہے اور نہ اِس کے علاوہ سے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ اِس پر واقف ہو تو وہ اِس راہ کے رجال کا مسلک اختیار کریں اور خلوت اور ذکر کو لازم کرلیں۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ اِس تمام پر مطلع فرمائے گا اور وہ جان لے گا کہ لوگوں کی آنکھ اِن حقائق کے اِدراک سے نابینا ہے۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے دُنیا کو پیدا فرمایا تا کہ اپنے اسماء کا تسلط ظاہر فرمائے۔ کیونکہ بلا مقدور قدرت، بغیر عطا کے جود، بغیر مرزوق کے رازق، بغیر

فریادی کے فریاد رس اور بغیر مرحوم کے رحیم ایسے حقائق ہیں جن کی تاثیر معطل ہوتی ہے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے دُنیا کا عالم میں ایسا امتزاج کر کے پیدا فرمایا جیسے خمیر میں آٹے کی دو مُٹھیاں ملا کر یکجا کیے جاتے ہیں۔ پھر اِس سے اشخاص کو الگ کیا اور ہر مُٹھی سے ایک کو دوسری میں داخل کیا اور اُن کے احوال غیر معروف ہو گئے۔ خبیث سے طیب کو اور طیب سے خبیث کو نکالنے میں عُلماء کو ایک دوسرے پر بڑائی حاصل ہُوئی اور اِس کی غایت اِس ملاوٹ سے حاصل کرنا تھا اور دونوں مُٹھیوں میں امتیاز قائم کرنا تھا۔ یہاں تک کہ یہ اپنے عالم سے اور وہ اپنے عالم کے ساتھ انفرادیت حاصل کر لیں۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ[1]

اِس لئے کہ اللہ ناپاک کو پاک سے جُدا فرماتے اور نجاستوں کو تلے اُوپر رکھ کر سب ایک ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دے۔

جس میں اُس کی موت تک کچھ ملاوٹ باقی رہ جائے گی۔ اُس کا حشر قیامت میں اُمن والوں سے نہیں ہوگا۔ ولیکن وہ اُن میں سے ہے جس کے امتزاج سے علیحدگی ہوگی اور اِن میں سے وہ ہے جو جہنّم کے بغیر خالص نہیں ہوگا۔ جب وہ خالص ہو کر نکلیں گے تو وہ اہلِ شفاعت ہوں گے۔ مگر جو یہاں دونوں مٹھیوں سے کِسی ایک میں دارِ آخرت کی طرف مُنقلب ہوگا۔ اُس کی حقیقت کے ساتھ اُس کی قبر سے باغِ نعیم کی طرف جانا ہے یا عذاب و جہنم کی طرف۔ کیونکہ وہ اِس آمیزے سے خالص ہو چکا ہے۔ پس ہر عالم کی غائیت یہی ہے اور دونوں حقیقتیں ایک صفت کی طرح رجوع کرتی ہیں۔ وہ حق تعالیٰ اپنی ذات میں اِسی پر ہے۔ یہاں یہ کہتے

---

[1] الانفال، آیت ۳۷

ہیں کہ آزاد کیۓ جانے والے اہلِ دوزخ اور نعمتیں دیۓ جانے والے اہلِ جنّت اُسے دیکھیں گے اور یہ سرِّ شریف ہے جس پر تُو ان شاء اللہ دارِ آخرت میں مشاہدے کے وقت واقف ہوگا۔ اور محققین اِسی دُنیا میں اُسے پہنچ چکے ہیں۔

عالمِ اصغر و اکبر کی معرفت

اِس باب میں ہمارا قول عالمِ اکبر و اصغر کی معرفت ہے اور وہ انسان ہے۔ تو اِس کا معنیٰ عوالم کی کُلّیات اور اُس کی اَجناس ہیں۔ اور اَمر وہ لوگ ہیں جن کی تاثیر دوسروں میں ہے جس کا مقابلہ کر لیا گیا ہے۔ یہ اِس سے ایک نُسخہ ہے جس کے لئے ہم نے افلاک کی صورتوں پر دائرے بنائے ہیں اور اس کی ترتیب کتاب "انشاء دوائر و جداول" میں ہے جس کی ہم نے اپنے پسندیدہ دوست ابی محمدؒ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر ابتداء کی تھی۔ اِس باب میں اُس سے اختصار کے ساتھ الحاق کیا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ عوالم چار ہیں۔

عالمِ اعلیٰ : اور وہ عالمِ بقاؔ ہے۔

عالمِ استحالہ : اور وہ عالمِ فَنا ہے۔

عالمِ تعمیر : اور وہ عالمِ بقا و فنا ہے۔

چوتھا عالم : عالمِ نسب ہے۔ یہ عوالم عالمِ اکبر میں دو مقامات میں ہیں۔ اور وہ جو انسان سے نکلا اور عالمِ اصغر میں ہے، وہ انسان ہے۔

عالمِ اعلیٰ حقیقتِ محمدیّہ ہے

عالمِ اعلیٰ : تو یہ حقیقتِ محمدیّہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

اِس کا فلک زندگی ہے۔
انسان سے اِس کی نظیر لطیفہ اور رُوحِ قدسی ہے۔
اِس سے عرشِ محیط ہے۔
انسان سے اُس کی نظیر جسم ہے۔
اِس سے کرسی ہے۔
انسان سے اُس کی نظیر نفس ہے۔
اِس سے بیت المعمور ہے۔
انسان سے اُس کی نظیر قلب ہے۔
اِس سے ملائکہ ہیں۔
انسان سے اِن کی نظیر وہ ارواح ہیں جن میں قوتیں ہیں۔
اِس سے اُس کا زحل اور اُس کا فلک ہے۔
انسان سے اُس کی نظیر اُس کی قوتِ علمیہ اور نفس ہے۔
اِس سے مُشتری اور اُس کا فلک ہے۔
دونوں کی نظیر قوتِ ذاکرہ اور دماغ کا آخری حصّہ ہے۔
اِس سے اَحمر اور اُس کا فلک ہے۔
دونوں کی نظیر قوتِ عاقلہ اور تالُو کا حصّہ ہے۔
اِس سے سُورج اور اُس کا فلک ہے۔
دونوں کی نظیر قوتِ مُفکرہ اور دماغ کا وسط ہے۔
پھر زُہرہ اور اُس کا فلک ہے۔
دونوں کی نظیر قوتِ وہمیہ اور رُوحِ حیوانی ہے۔
پھر کاتب اور اُس کا فلک ہے۔

دونوں کی نظیر قوّتِ خیالیہ اور دماغ کا پہلا حصّہ ہے۔
پھر چاند اور اُس کا فلک ہے۔
دونوں کی نظیر قوّتِ حِسّیہ اور اعضلاتِ احساس ہیں۔
پس عالمِ اعلیٰ کے یہ طبقات ہیں اور اُن کے نظائر انسان سے ہیں۔

عالمِ اِستحالہ

اِس سے کُرّۂ اثیر ہے۔ اور اُس کی رُوح حرارت اور خشکی ہے اور یہ آگ کا کُرّہ ہے۔ اِس کی نظیر صفرا، اور اِس کی رُوح قوّتِ ہاضمہ ہے۔
اِس سے ہَوا ہے اور اِس کی رُوح حرارت و رطوبت ہے اور اُس کی نظیر خُون ہے اور اُس کی رُوح قوّتِ جاذبہ ہے۔
اِس سے پانی ہے۔ اور اِس کی رُوح سرد اور مرطوب ہے اور اِس کی نظیر بلغم اور اِس کی رُوح قوّتِ مدافعت ہے۔
اِس سے مِٹّی ہے اور اِس کی رُوح سرد خشک اور اِس کی نظیر سودا، اور اِس کی رُوح قوّتِ ماسکہ ہے۔

زمین کے طبقات

زمین کے سات طبقات ہیں، سیاہ زمین، تاریک زمین، سُرخ زمین، زرد زمین، سفید زمین، نیلی زمین، اور سبز زمین۔
انسان سے اِن ساتوں کی نظیر اُس کے جسم میں کھال، چربی، گوشت، رگیں، اعصاب، عضلات اور ہڈّیاں ہیں۔

عالمِ تعبیر

اِن میں سے رُوحانی ہیں۔ اُن کی نظیر انسان کے قویٰ ہیں، اِن میں سے عالم حیوان ہے۔ اُس کی نظیر وہ ہے جس سے انسان محسوس کرتا ہے۔
اِن میں سے عالمِ نباتات ہے جس کی نظیر انسان کے بال ہیں۔
اس سے عالمِ جمادات ہے جس کی نظیر وہ ہیں جو انسان سے محفوظ نہیں ہوتیں۔

عالمِ نسب

تو یہ ارض سے ہے۔ اس کی نظیر سیاہ اور سفید سے، ہے اور علوان واکوان سے ہے۔
پھر کیف ہے۔ اس کی نظیر صحیح وسقیم کی مثل احوال ہیں۔
پھر کمیت ہے۔ اس کی نظیر پنڈلی ہے۔ جو ہاتھ سے لمبی ہوتی ہے۔
پھر این ہے۔ اس کی نظیر سر کے مقام پر گردن اور ران کے مقام پر پنڈلی ہے۔
پھر زمان ہے۔ اس کی نظیر ہاتھ کی حرکت کے وقت سر کی حرکت ہے۔
پھر اضافت ہے۔ اِس کی نظیر یہ ہے میرا باپ اور مَیں اُس کا بیٹا ہوں۔
پھر وضع ہے۔ اُس کی نظیر میری لغت اور میرا لحن ہے۔ پھر کہا جائے کہ اُس کی نظیر یہ ہے۔
پھر کھایا تو اُس کی نظیر یہ ہے۔ پھر سیر ہوا تو اس کی نظیر یہ ہے اور ان سے اُمہات میں صورتوں کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ ہاتھی، گدھا، شیر اور صرصر ہے۔
اس قوتِ انسانیہ کی نظیر وہ ہے جسے مذموم و محمود سے معنوی صورتیں قبول کرتی ہیں۔ یہ ذہین وہ ہاتھی، یہ غیر ذہین اور وہ گدھا ہے، یہ بہادر ہے وہ شیر ہے یہ بزدل اور وہ صرصر ہے۔

اور اللہ ہی حق فرماتا ہے۔

اور وُہی راہ دکھاتا ہے۔

الحمدللہ چھٹے باب کا ترجمہ ختم ہُوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

باب ہفتم

اجسامِ انسانیہ کی پیدائش کی معرفت اور یہ دوسری جنس عالمِ کبیر سے موجود ہے اور آخری صنف مولدات سے ہے

نشأت حقیقة باطن الانسان	ملکاقویا ظاهر السلطان
ثم استوت فی عرش آدم ذاته	مثل استواء العرش بالرحمان
فبدت حقیقة جسمه فی عینها	وبها انتهی ملك الوجود الثانی
وبدت معارف لفظه فی علمه	عند الكرام وحامل الشنآن
فتصاغرت لعلومه أحلامهم	وتكبر الملعون من شیطان
باؤوا بقرب الله فی ملكوته	الا الشویطن باء بالخسران

انسان کی پیدائش کی باطنی حقیقت ایک زبردست ظاہر سلطان ہے۔ پھر اُس کی ذات نے آدمؑ کے عرش میں اُستواء کیا جس طرح رحمان نے عرش پر اُستواء فرمایا، اُس کے جسم کی حقیقت اُس کی عین میں ظاہر ہوئی۔ اور اُس کے ساتھ وجودِ ثانی کے مُلک کی انتہا ہو گئی۔ اُس کے عِلم میں اُس کے لفظ کے معارف ظاہر ہوئے۔ بزرگی کے نزدیک اور دشمنی اُٹھانے والے کے نزدیک۔ اُس کے علوم کے لئے اُن کی عقلیں چھوٹی ہو گئیں۔ اور شیطان تکبّر سے لعنتی ہو گیا۔ فرشتے قربِ الٰہی میں اُس کے ملکوت میں پلٹ آتے مگر شیطان خسارے کے ساتھ واپس لَوٹ آیا۔

دُنیا کے ماہ و سال

اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ جاننا چاہیئے جب عالمِ طبعی کی عُمر سے زمان کی قید اور مکان کے حصر کے ساتھ ہماری دُنیا کے اکہتر سال گذر جاتے ہیں۔ تو یہ مُدّت اس علم کے علاوہ گیارہ دن اور ایّام ذوالمعارج سے چھ دن ہے اور ایّام میں تفاضل واقع ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

ملائکہ اور جبریلؑ اُس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں۔ وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ المعارج آیت نمبر ۴۔

اور فرمایا!

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ الحج آیت ۴۷

ترجمہ: تیرے رَبّ کے نزدیک ایک دن ہزار سال کا ہے جو تم شمار کرتے ہو۔

سب سے چھوٹے دن وہ ہوتے ہیں جنہیں ہم اُس فلکِ محیط کی حرکت گنتے ہیں۔ جس کی رات میں دن کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ دن اہلِ عرب کے نزدیک سب سے چھوٹا دن ہے اور یہ فلکِ اکبر ہے۔ اور یہ اُس حکمت کے لئے ہے۔ جو افلاک کے جوف میں ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ رات اور دن میں اُس کی حرکت حرکتِ قسریہ ہے جس کے لئے تمام افلاک کو اُس کے غلبے نے گھیرا ہوا ہے۔ ہر فلک کے لئے حرکتِ طبعیہ ہوتی ہے جس کے لئے اُس کے ساتھ حرکتِ قسریہ ہے تو ہر فلک اس کے علاوہ ایک وقت میں دو حرکتیں کرتا ہے۔ یعنی حرکت طبعیہ اور حرکتِ قسریہ اور ہر طبعی حرکت کے لئے ہر فلک میں ایک دِن مخصوص ہے۔ جس کی مقدار اُن ایّامِ حادثہ کے ساتھ فلکِ محیط سے شمار ہوتی ہے۔ جو اِس سے تعبیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا!

بِمَا تَعُدُّوْنَ یعنی جس سے شمار کرتے ہو.

تمام تر فلکِ محیط میں قطع ہوتے ہیں جب وہ تمام کمال پر قطع ہو جاتے ہیں تو اُن کے لئے ایک دن ہوتا ہے اور وہ دَورہ کرتا ہے پس اُن سے چھوٹے دن اٹھائیس یوم ہوتے ہیں جو تم شمار کرتے ہو۔ اور یہ مقدار فلکِ محیط میں چاند کی حرکت قطع ہونے کی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے آسمانوں میں یہ سات ستارے نصب کر رکھے ہیں تاکہ فلکِ محیط میں اُس کے فلک کا قطع کیا جانا دیکھا جا سکے تاکہ برسوں اور حساب کا علم ہو سکے.

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ [illegible] بنی اسرائیل آیت ۱۲

ترجمہ: اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا بنی اسرائیل آیت ۱۲

ترجمہ: اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کر دی.

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ الانعام آیت ۹۷

یہ زبردست جاننے والے کی تقدیر ہے

اِن سے ہر ستارے کا دن تقدیر کیا گیا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر اپنی طبعی حرکت کی تیزی کے مطابق چھوٹا یا بڑا فلک ہونے پر فضیلت حاصل ہے۔

کس کو کیسے پیدا فرمایا جاننا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم اور لوح کو

پیدا کیا تو اُن کا نام عقل اور رُوح رکھا اور رُوح کو دو صفتیں عطا کیں. صفت علمیہ اور صفت عملیہ اور عقل کو اُس کا معلّم مقرّر فرمایا۔ اور مُشاہدۂ حالیہ سے فائدہ پہنچانے والا بنایا۔ جیسا کہ تم بغیر نُطق کے چُھری سے کاٹنے کا کام لیتے ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جوہر کو نفس کے بغیر پیدا فرمایا اور یہ مذکورہ رُوح ہے جس کا نام ھبا ہے اور اُس کا یہ نام ہم نے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہٗ کے کلام سے نقل کیا ہے۔

ھَبا کا لفظ عربی زبان میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَکَانَتْ ھَبَاءً مُّنبَثًا"۔

ایسے ہی جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہٗ نے اس جوہر مُنبثاء کے معنیٰ کو جمیع طبعی صُورتوں میں دیکھا اور کسی صُورت کو اِس سے خالی نہ پایا۔ کیونکہ کوئی صُورت نہیں ہوگی مگر اِس جوہر میں تو اُس کا نام "ھَبا" رکھا۔ اور یہ ہر صُورت کے ساتھ اپنی حقیقت کے اعتبار سے غیر مُنقسِم، غیر تجزئی ہے اور نقص سے مُتصِف نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ جیسا کہ ہر سفید میں بذاتہٖ اور حقیقتاً سفیدی موجود ہوتی ہے۔ اور یہ نہیں کہتے کہ اِس سفید سے جو سفیدی حاصل ہوتی ہے اُس میں کمی واقع ہوگئی ہے اور یہ مثِل اِس جوہر کے حال کی ہے۔

فرشتوں کے مرتبے

اللہ تبارک و تعالیٰ سُبحانہٗ کی ذات اِن دو صفتوں سے موصُوف رُوح کے درمیان ہے "ھبا" کے درمیان چار مرتبے ہیں اور ہر مرتبہ چار فرشتوں کی منزل مقرّر ہے اور یہ فرشتے عالمِ علیّین سے اسفل السّافلین تک اللہ سُبحانہٗ کے علاوہ مقرّر ہیں اور ملائکہ سے ہر فرشتے کو وہ علم عطا کیا جاتا ہے جو عالم میں جاری ہے۔ پس اعیان میں اللہ تعالیٰ نے جو چیز پہلے پیدا فرمائی۔ اور جس کا علم اِن ملائکہ سے

تعلق رکھتا ہے اور اُن کی تدبیر جسمِ کُلّی سے ہے۔ وہ شکلِ اوّل ہے۔ جو اس جسم میں ہیں گولائی کی شکل پر کھولی گئی ہا مُوجو دائرے کی شکل میں ہے۔ کیونکہ یہ تمام شکلوں سے افضل ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایجاد وخَلق کے ساتھ تمام صنعت کی طرف رجُوع فرمایا۔ اور اپنی تمام مخلوق کو اِن ملائکہ کی مملکت مقرّر فرمایا اور اُنہیں دُنیا وآخرت کے امُور پر والی بنایا اور مخالفت سے معصوم ومحفوظ فرمایا جس میں اُن کا امر ہے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں خبر دی۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ — التحریم آیت ۶

ترجمہ: جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے

انسان کا اعزاز

جب جمادات ونباتات وحیوانات میں سے مولدات کی پیدائش کو دُنیاوی سال کے حساب سے اکہتر ہزار سال پُورے ہو گئے اور عالم کی ترکیب حکیمانہ طور پر مُرتّب ہو گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے موجود سے آخری مولود تک کسی زندہ کو اپنے سامنے جمع نہیں کیا۔ سِوائے انسان کے، اور وہ یہی نشاۃِ بدنیہ تُرابیہ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سِوا ہر ایک کو امرِ الٰہی یا ایک ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ — النحل آیت ۴۰

جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا۔ وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ تو یہ امرِ الٰہی سے ہے۔ اور حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ اس نے جنّتِ عدن کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ اور تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور

شجرِ طوبیٰ کو اپنے ہاتھ سے لگایا اور آدمؑ کو جو کہ انسان ہے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بزرگی کی جہت سے فرمایا۔

مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ص آیت ۳۸

تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اُس کے لئے سجدہ کرے۔ جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فلکِ ادنیٰ کو پیدا فرمایا جو کہ ابھی فلکِ اوّل مذکور ہُوا۔ اُسے بارہ قسموں پر تقسیم فرمایا۔ اور اُس کے نام رکھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ البروج آیت ۱

قسم آسمان کی جس میں برُج ہیں۔

آسمانی بُرجوں کا تعارف

چنانچہ ہر قسم کو ایک بُرج بنایا اور یہ اقسام طبیعت میں چار کی طرف لوٹتی ہیں۔ پھر مکرر چاروں سے ہر ایک کو تین مقامات میں رکھا۔ اور اِن اقسام کو منازل اور راستوں کی طرح مقرر فرمایا۔ جن میں مسافروں کا نزول ہوتا ہے اور اِس میں وہ سیر اور سفر کرنے کے حال میں چلتے ہیں تاکہ اِن اقسام میں ستاروں کی سیر و سیاحت کے وقت منزل بتائیں۔ اُن کی سیاحت جسے اللہ تعالیٰ اُس فلک کے جوف میں ستاروں سے پیدا کرتا ہے۔ جسے وہ اپنی سیر کے وقت اِن بُرجوں میں قطع کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے قطع کرنے اور سیر کے وقت طبعی اور عنصری عالم سے جو چاہے کرے۔ اور اُنہیں بُرجوں کے فلک کی حرکت کے

اثر پر نشانیاں بنایا پس اسے جان لیں۔

اِن کی تقسیم اِن چار طبعیتوں پر ہے۔

نمبر ۱: حرارت و یبوست یعنی گرمی اور خشکی۔

نمبر ۲: برودت و یبوست یعنی سردی اور خشکی۔

نمبر ۳: حرارت و رطوبت یعنی گرمی اور تری۔

نمبر ۴: برودت و رطوبت یعنی ٹھنڈک اور تری۔

• اِن اقسام سے پانچویں اور نویں کو پہلی کی مثل اور چھٹی اور دسویں کو دُوسری کی مثل اور ساتویں اور گیارھویں کو تیسری کی مثل اور آٹھویں اور بارہویں کو چوتھی کی مثل طبع میں مقرر فرمایا۔

یہ خِلقتیں

اجسامِ طبعیہ کو اختلاف کے ساتھ اور اجسامِ عُنصریہ میں بلا اختلاف اِن چاروں میں محصُور فرمایا۔ یہ چاروں حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست ہیں۔ باوجود اس کے یہ چاروں آمہات ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے دو کو دو آخری وجُودوں میں اُصل مقرر فرمایا۔ پس خُشکی گرمی سے اور تری سردی سے متاثر ہُوئی۔ پس تری اور خشکی دو اسباب سے موجود ہیں اور وہ دو سبب گرمی اور سردی ہیں۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَّلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ — الانعام آیت ۵۹

ترجمہ: اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں نہ لکھا ہو۔

کیونکہ مسبّب کے لئے وجودِ سبب لازم ہے یا وجودِ فاعل کا اثر انداز ہونا ضروری ہے۔ جیسے چاہیں کہہ لیں۔ سبب کے وجود سے مسبّب کا وجُود لازم نہیں

دَورۂ افلاک

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے فلک کو پیدا فرمایا تو وہ غیر معلوم مدّت تک دَورہ کرتا رہا۔ جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ کو علم ہے۔ کیونکہ اُس کے اُوپر اجرام سے کوئی چیز محدود نہیں جس میں قطع ہو۔ کیونکہ اوّل اجرام شفاف ہیں۔ پس حرکات متحدّ اور امتیاز کرنے والی ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس کے جوف میں کسی چیز کو پیدا نہیں فرمایا۔ پس تمیز کرنے والی حرکات اُس کے نزدیک منتہی ہیں۔ اگرچہ اُس کے جوف میں نہ ہوں۔ اور اگرچہ تمیز نہ بھی کرتی ہوں۔ کیونکہ وہ اطلس ہے۔ اُس میں کوئی ستارا اجزاء کی مشابہت نہیں رکھتا۔ پس اُس سے حرکتِ واحدہ کی مقدار کو نہیں جانتا اور نہ تعین کرتا ہے۔ تو اگر اس میں اُس کے تمام اجزاء کے لئے مخالف جُز ہو تو بلاشک اُس کی حرکات کے ساتھ شمار ہو گی۔ ولیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کے اندازہ وانتہا اور دَورے کو جانتا ہے۔ پس اس حرکت سے دن کو پیدا کیا اور اُس میں دن اور رات نہ تھے۔ پھر اس فلک کی حرکات قائم رہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پینتیس ۳۵ فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ اِن کے علاوہ سولہ ۱۶ فرشتوں کے بارے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد اکاون ۵۱ ہوتی ہے۔ منجملہ اِن فرشتوں کے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔ پھر نو سو ۹ فرشتوں کو اور چار سو ۴ کو اور ستر ۷۰ فرشتوں کو پیدا کیا جن کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں اور اُن کی طرف وحی فرمائی اور جو امر اُن کے ہاتھوں پر اُس کی مخلوق میں جاری ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا — مریم آیت ۶۴

ہم فرشتے نہیں اُترتے مگر حضور کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے۔ اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں اور اُن کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَهُمْ [1]

انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے

دارِ دُنیا کی تخلیق

یہ وہ ملائکہ ہیں جن کے لئے خاص حکومت ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے اُن ملائکہ کو بھی پیدا فرمایا جو آسمانوں اور زمین کو معمور کرتے ہیں۔ آسمان و زمین میں کوئی مقام ایسا نہیں مگر اُس میں ایک فرشتہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ انفاسِ عالم کے مطابق فرشتوں کو پیدا فرماتا ہے جو ہمیشہ سے ہیں اور جب اس فلکِ اوّل کی حرکات منتہی ہو گئیں اور اُن کی مُدّت چوّن ۵۴۰۰۰ ہزار سال ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے دارِ دُنیا کو پیدا فرمایا اور اُس کے لئے معلوم مُدّت مقرر کی جو اِس پر منتہی ہو گی اور اُس کی صُورت ٹوٹ جائے گی اور ایک ایسی صُورتِ مخصوص کو قبول کرے گی جس کا آج مشاہدہ ہو رہا ہے یہاں تک کہ

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ [2]

ترجمہ! یہ زمین دُوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی

دارِ آخرت کی تخلیق

جب اس فلک کی حرکت کی مُدّت کو چھتیس ۳۶۰۰۰ ہزار سال گذر گئے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دارِ آخرت اور جنّت و دوزخ کو پیدا فرمایا جو اُس کے سعید

---

[1] التحریم آیت ۶ [2] ابراہیم آیت ۴۸

اور شقی دونوں طرح کے بندوں کے لئے ہے پس دُنیا اور آخرت کی تخلیق کے درمیان
نو ہزار ۹۰۰۰ سال کی گنتی ہے اور اس کا نام آخرت اس لئے ہے کہ وہ دُنیا کی تخلیق کے
بعد پیدا ہوئی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب
کرتے ہوئے فرمایا۔

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ؕ

آپ کے لئے آخرت دُنیا سے بہتر ہے۔

جنّت کی چھت

آخرت کی مدّت مقرر نہیں فرمائی جو اُس کی طرف باقی ہو۔ کیونکہ اُس کے لئے
ہمیشہ بقا ہے اور اس فلک کو جنّت کی چھت بنایا۔ اور اُس کے نزدیک عرش
ہے۔ جس کی حرکت کا تعین نہیں اور نہ ہی وہ امتیاز کرتی ہے۔ پس اُس کی حرکت
دائمی ہے۔ جو ٹوٹتی نہیں یعنی ختم نہیں ہوتی۔

ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے

تخلیق سے ہم نے جو ذکر کیا ہے اُس کی خلقت کا تعلق وجودِ انسانی سے دوسرے
قصد کا ہے جو کہ عالم میں خلیفہ اور نائب ہے۔ اور میں نے دوسرا قصد کہا ہے
جب کہ پہلا قصد حق تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی عبادت ہے جس کے لئے تمام
عالم کو تخلیق کیا تو کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔
قصدِ ثانی اور قصدِ اوّل کے معنی تعلّقِ ارادی ہے نہ کہ ارادہ کا حدوث،
کیونکہ ارادہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے قدیمیہ ازلیہ صفت ہے جس کے ساتھ
اُس کی ذات تمام صفات کی طرح متّصف ہے۔

لہ الضحیٰ آیت ۴

خُدا نے چراغاں کیا

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِن افلاک وسماوات کو پیدا فرمایا اور ہر آسمان میں اُس کے مرتبے کے مطابق وحی کی اور اُمر فرمایا اور اُنہیں منور کیا اور اُن میں چراغاں کیا اور اُنہیں فرشتوں کے ساتھ آباد کیا اور اِن آسمانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرکت عطا فرمائی تو وہ اطاعتِ الٰہی میں متحرک ہو گئے اور اپنی شان کے لائق اُس کی عبودیت میں کمال کے طالب ہوئے.

آسمانوں کی اور زمین کی اطاعت کا فرق

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُنہیں اور زمین کو بُلایا تو اُنہیں فرمایا۔ طوعًا وکرہًا میرے اُمر کی اطاعت کرو۔ جو دونوں کے لئے حَد ہے۔ دونوں نے کہا کہ ہم تیری اطاعت کرتے ہیں. پس وہ دونوں ہمیشہ کے لئے اطاعت گُذار ہو کر حرکت کرنے لگے بِسوائے اِس کے کہ زمین کی حرکت ہمارے نزدیک مخفی ہے اور زمین کی حرکت درمیانی گھیرے میں ہے. کیونکہ وہ کُرّہ ہے. مگر آسمان اللہ تبارک وتعالیٰ کے حُکم کے نزدیک اطاعت گُذار ہے. مگر زمین کی اطاعت تب ہُوئی. جب اُسے معلُوم ہُوا کہ اُس کی ذات مقہُور ہے اور اُس کے ساتھ لازمًا اطاعت کرنی پڑے گی. بقول اُس کے اَو کَرھًا. تو یہ اُس کی اطاعت کَرھًا یعنی جبرًا ہے. پس ساتوں آسمانوں کو دو یوم میں بلند کیا اور ہر آسمان میں اپنے اَمر کو وحی کیا. اور زمین کو پیدا کیا اور مُولدات سے اُس میں قوتوں کا اندازہ کیا. اور اُن کی قوتوں کے لئے خزانہ مقرر کیا. اور ہم نے نشاۃِ عالم کی ترتیب اپنی کتاب "عقلۃ المستوفز" میں بیان کی ہے.

کِس کو کِس سے پیدا کیا

قوتوں کی تقدیر سے پانی، ہوا اور آگ کا وجود ہے۔ اور جو اس میں بخارات، بادل، بجلیاں، رعد اور آثارِ علویہ ہیں۔

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ

یہ ہے اندازہ زبردست علم والے کا

اور جنوں کو آگ سے پیدا فرمایا اور بری اور بحری پرندوں اور چوپایوں کو پیدا فرمایا اور زمین کے تعفن سے حشرات الارض کو پیدا کیا۔ تاکہ ہمارے لئے ہوا کو تعفن کے بخارات سے مصفا کر دیں۔ اگر وہ ہوا میں مخلوط ہو جائیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں کو جو زندگی اور عافیت عطا فرمائی ہے وہ متاثر ہوتی اور لوگ ہمیشہ بیمار اور علیل رہتے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لطف سے اِن تعفنات کو دور فرمایا جنہیں ہم بیماریاں اور علالتیں کہتے ہیں۔ جب مملکت قائم ہو چکی اور اِن تمام مخلوقات میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ خلیفہ کون سی جنس سے ہوگا جس کے وجود کے لئے یہ مملکت بنائی ہے۔

جب ملک بن گیا بادشاہ بنا دیا

جب وہ وقت آگیا جو اِس خلیفہ کو پیدا کرنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم میں تھا تو دنیا کی عمر سترہ ہزار گذر چکی تھی۔ اور آخرت کی عمر جس کی کوئی انتہا نہیں اور اُس کے لئے دوام ہے، سے آٹھ ہزار سال گذر چکے تھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بعض ملائکہ کو حکم دیا کہ زمین کی مٹی کی تمام اجناس سے ایک ایک مٹھی لے آئیں۔ تو وہ لے آئے۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے جو لوگوں کو معلوم ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ سبحانہٗ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اُس کا خمیر بنایا۔ پس اُس کا ارشاد ہے۔

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ص آیت ۷۵

جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اور اُن ملائکہ سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہر ایک کو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے امانت عطا فرمائی اور انہیں فرمایا۔

"میں مٹی سے بشر کو بناؤں گا۔ اور یہ امانتیں اُس کے لئے ہیں جو تمہارے سپرد کی گئی ہیں۔ جب میں اُسے پیدا کروں تو تم میں سے ہر ایک اُسے واپس کر دے۔ پھر جب میں اُسے راست کروں اور اُس میں اپنی رُوح پھونکوں تو اُس کے حضور میں سجدہ ریز ہو جانا۔

اولادِ آدمؑ میں شقی بھی اور سعید بھی

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے طینتِ آدم کا خمیر کیا۔ یہاں تک کہ اُس کی خوشبو تبدیل ہو گئی۔ اور وہ مسنون ہے۔ اور یہ ہر ای جزو ہے۔ جو نشاۃِ آدم میں موجود ہے۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کو اُن کی ذریت سے شقیوں اور سعیدوں کا مقام بنایا۔ اور جو اُس کی دونوں مٹھیوں میں تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ودیعت کر دیا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اُس کی دائیں مٹھی میں سعید اور دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں شقی تھے اور میرے رب کے دائیں ہاتھ مبارک میں جو لوگ تھے فرمایا کہ "وہ جنتی ہیں اور وہ اہلِ جنت کے اعمال کریں گے۔ اور جو آگ کے لئے ہیں وہ اہلِ جہنم کے اعمال کریں گے۔

آدمؑ کو کیسے پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے طینتِ آدم کو ہر چیز ودلیعت کر دی اور اُس میں مجاورت کے حکم کے ساتھ اضداد کو جمع کر دیا۔ اور انہیں حرکتِ مستقیمہ پر پیدا فرمایا اور یہ برجِ جوں سے سُنبلہ کے زمانہ میں ہُوا۔ اور اُس کے لئے شش جہات مقرر فرمائے۔ فوق، یعنی اُوپر جو اُس کے سر کو ملتی ہے، تحت نیچے جو اُس کے مقابل ہے اور جو اُس کے دونوں پاؤں کو ملتی ہے۔ "یمین" یعنی دائیں جو ایک طرف ہے اور اُس کی قوتوں کو ملتی ہے۔ "شمال" یعنی بائیں جو مقابل ہے اور اُس کے ضعیف پہلو سے ملتی ہے۔ "امام" یعنی اگلی جو اُس کے چہرے سے ملتی ہے۔ "خلف" یعنی پچھلی جو اُس کے مقابل ہے اور پُشت سے ملتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے صُورت عطا فرمائی اور اُس کے لئے درستگی کی۔ پھر اُس میں اپنی رُوح پھُونکی جو اُس کی طرف مضاف ہے۔ پس یہ پھُونک اُس کے اجزاء کے ارکان اخلاط میں جاری ہوگئی اور یہ ارکان صفراء، سوداء، خُون اور بلغم ہیں۔

صفراء۔ ناری رُکن سے ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس سے پیدا فرمایا اور فرمایا۔

مِن صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ — الرحمٰن آیت

اور سوداء، کو مٹّی سے پیدا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ میں نے اِسے مٹّی سے پیدا کیا۔

فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ — الحج آیت ۵

مَیں نے اُسے مٹّی سے پیدا کیا۔

خُون کو ہَوا سے پیدا فرمایا اور فرمایا۔ مسنُون۔

بلغم کو اُس پانی سے پیدا فرمایا جس سے مٹی کو گوندھا تھا۔

قوتوں کی تخلیق

پھر اُس میں قوّتِ جاذبہ کو پیدا فرمایا جس سے وہ غذاؤں کو جذب کرتا ہے پھر قوّتِ ماسکہ پیدا فرمائی جس کے ساتھ حیوان اپنی غذا کو روکتا ہے۔ پھر قوّتِ ہاضمہ پیدا فرمائی جس کے ساتھ غذاء کو ہضم کرتا ہے، پھر قوّتِ دافعہ پیدا فرمائی۔ جس کے ساتھ وہ اپنی ذات سے پسینہ، بخارات، ہَوا، براز اور اس کی مثل فضلات کو دُور کرتا ہے۔

رہا جاری ہونا مگر اُس کا حصّہ اور رگوں اور جگر میں خون کا تقسیم ہونا ہے۔ جو ہر جُزوِ حیوان سے خالص کرتا ہے تو وہ قوّتِ جاذبہ سے ہوتا ہے نہ کہ دافعہ سے جیسا کہ ہم نے کہا۔ قوّتِ دافع جو نکالتی ہے وہ فضلات سے ہے نہ کہ اس کے علاوہ سے۔

پھر اس میں قوّتِ غاذیہ، قوّتِ منویہ، قوّتِ حاسیہ، قوّتِ خیالیہ، قوّتِ وہمیہ، قوّتِ حافظہ اور قوّتِ ذاکرہ کو پیدا فرمایا۔ اور یہ تمام قوّتیں انسان میں موجود ہیں۔ جس کے ساتھ وہ حیوان ہے نہ کہ صرف انسان اِن کے علاوہ چار قوّتیں ہیں، قوّتِ خیال، قوّتِ وہم، قوّتِ حِفظ اور قوّتِ ذِکر یہ انسان میں حیوان سے زیادہ طاقتور ہیں۔ پھر آدم کو جو کہ انسان ہے قوّتِ مصوّرہ، قوّتِ مفکّرہ اور قوّتِ عاقلہ سے مختص کیا۔ اور اُس کا حیوان سے امتیاز ہو گیا۔ اور یہ تمام قویٰ نفسِ ناطقہ کے لئے اس جسم میں آلات مقرّر کئے جس کے ساتھ اپنے تمام محسوس اور معنوی منافع کی طرف پہنچ سکے۔

پھر اُسے دوسری پیدائش سے پیدا کیا اور وہ انسانیہ ہے۔ پھر ان

قوتوں کے ساتھ اُسے زندہ، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع، بصیر بنایا اُس حدِ معلوم معتاد تک جس میں وہ اکتساب کرتا ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ
پس برکتوں والا اللہ احسن الخالقین ہے۔

ہر اسمِ الٰہی سے انسان کا حصّہ ہے

اللہ سبحانہ، تعالیٰ اپنے جن اسماء سے موسُوم ہُوا۔ انسان کے لئے بھی ان میں سے ہر اسم کا حصّہ پیدا فرمایا۔ جو عالم میں اُسی قدر ظاہر ہُوا جس کے وہ لائق تھا اس لئے بعض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اِس ارشاد کی اِن معنوں پر تاویل کی ہے

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ الحدیث
اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صوُرت پر پیدا فرمایا

اور اُسے اپنی طرف سے اپنی زمین میں خلیفہ بنا کر اُتارا۔ کیونکہ زمین عالم اعلیٰ کے برعکس عالمِ تغیّر و استحالات ہے۔ چنانچہ اِس عالم ارضی میں تغیرات کی حیثیت سے احکام ہوتے ہیں۔ تو اُس کے لئے تمام اسمائے الٰہیہ کا حُکم ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ آسمان اور جنّت کی بجائے زمین میں خلیفہ ہُوا۔ پھر اُس کے حُکم سے اُسے علم اسماء دیا گیا اور فرشتوں کا مسجود بنایا۔ مگر ابلیس نے انکار کیا۔ اس کا تمام ذکر انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔ کیونکہ یہ باب اجسامِ انسانیہ کی ابتداء کے ساتھ مخصوص ہے۔

اجسامِ انسانی کی ترکیب

اِس کی چار انواع ہیں۔ جسمِ آدمؑ، جسمِ حوّاؑ، جسمِ عیسٰیؑ اور اجسامِ بنی آدم۔
اِن چاروں میں سے ہر جسم کی پیدائش لسبب اِس کے ساتھ صوُرتِ جسمانیہ

اور رُوحانیہ کے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

ہم نے اِس کا سیاق و انتساب اس پر رکھا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کمزور عقل والے کو وہم ہو کہ قدرتِ الٰہیہ یا حقائق اِس نشاۃِ انسانیہ سے بغیر سببِ واحد کے بذاتہٖ نہیں ہوئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس شبہ کا رَدّ کیا جس کے ساتھ آدم میں یہ نشاۃ انسانی اس طریق سے ظاہر فرمائی جس کے ساتھ جسم حوّا کو نہیں ظاہر کیا اور جسم حوّا کو اُس طریق پر ظاہر فرمایا جس طریق پر اولادِ آدم کا جسم نہیں ظاہر فرمایا اور جس طریق پر اولادِ آدم کا جسم ظاہر فرمایا اُس طریق پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم نہ ظاہر فرمایا۔ جب کہ صفت و حقیقت کے اعتبار سے اِن سب پر اسمِ انسان کا اطلاق ہوتا ہے۔

اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ — البقرۃ آیت ۲۳۱

بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اِن انواعِ اربعہ کی تخلیق کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورت حجرات میں بیان فرمایا۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی — سورۃ الحجرات آیت

اے لوگو ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے۔

خَلَقْنٰکُمْ یعنی تمہیں پیدا کیا سے مُراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ مِنْ ذَکَرٍ یعنی مذکر سے مُراد حضرت حوّا علیہا السلام ہیں۔ وَّ اُنْثٰی یعنی مادہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُراد ہیں اور تمام ذکر و اُنثیٰ سے مُراد بطریقِ نکاح و توالد بنی آدم مُراد ہیں۔ تو یہ آیت جوامع الکلم اور اُس فصل الخطاب سے ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو عطا کیے۔

مَرد عورت کی مُحبّت کی وجہ

جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم ظاہر ہُوا تو اُس میں نکاح کی خواہش نہ تھی۔ جب کہ حق تعالیٰ کے عِلم میں ایجادِ تولّد اور تناسل و نکاح موجود تھا۔ اور یہ اِس دُنیا میں بقاءِ نوع کے لئے ہے۔

پس حضرت حوّا علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی چھوٹی پسلی سے نکالا۔ جس کے ساتھ مرد سے عورت کا درجہ چھوٹا قرار پایا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ — البقرۃ آیت

ترجمہ :- یعنی مردوں کا درجہ عورتوں پر اُونچا ہے۔

عورتیں مردوں کے درجہ کے ساتھ کبھی نہیں مل سکتیں۔ عورت کا پسلی سے پیدا ہونا اپنے بیٹے اور شوہر سے میلانِ محبت کے لئے ہے۔ پس مرد کا عورت پر شفقت کرنا اپنی ذات پر شفقت کرنا ہے۔ کیونکہ وہ اُس کا جُزو ہے۔ اور وُہ اُس کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ اور پسلی میں جُھکاؤ اور ٹیڑھا پن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے اُس مقام سے جہاں سے حضرت حوّا علیہا السلام نکلی تھیں اُن کی طرف خواہش کا مقام بنایا کیونکہ وجُود میں خلاء باقی نہیں رہتا۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُسے خواہش سے معمُور کر دیا تو حضرت آدم نے اُن کی طرف میلان کیا جیسے خود پر مائل ہُوا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اُن کی جُزو تھیں اور وہ بھی اُن کی طرف مائل ہو گئیں۔ کیونکہ وہ اُن کا وہ مقام تھے جہاں سے اُن کی پیدائش ہُوئی تھی۔ پس حضرت حوّا علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے مُحبّت حُبِ مقام تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اُن سے محبّت اپنی ذات کی

محبت تھی۔ مرد کی محبت عورت کے لئے اس لئے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اس کی عین ہے جب کہ عورت کو مرد کی محبت میں حیاء کی قوت عطا فرمائی گئی تو وہ اپنی محبت چھپانے پر طاقتور ہے کیونکہ اُس کا اِس مقام سے اتحاد آدم کے اتحاد کی طرح نہیں جس کے ساتھ پسلی میں اُن تمام صورتوں کی تصویر دکھا دی۔ جو کچھ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں پیدا کرنا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی پیدائش اِس صورت میں تھی جیسا کہ نقاش مٹی اور برتن کو پکانے سے کرتا ہے۔ اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا کے جسم کی پیدائش اِس طرح تھی جس طرح ترکھان لکڑی سے جیسی صورتیں چاہے بنا لیتا ہے۔

جب حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو پسلی سے بنا کر اُن کی صورت قائم کر دی اور انہیں راست کر لیا تو اُن میں اپنی رُوح پھونک دی تو وہ زندہ بولتی ہوئی مؤنث ہو گئیں۔ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے وجودِ انسانیہ کے لئے زراعت اور کھیتی کا مقام بنایا۔ جو تناسل انسانی ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے اُن کی طرف اور اُنہوں نے اُن کی طرف سکون و آرام پایا۔ وہ ان کا لباس تھیں اور وہ اُن کا لباس تھے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط البقرہ آیت ۱۸۷

وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔

ترکیبِ جسمِ انسانی

اِس سے حضرت آدم علیہ السلام کے تمام اجزاء میں خواہش سرایت کر گئی تو آپ اُن کے طالب ہوئے۔ جب وہ ملے اور رحم میں پانی ڈالا تو پانی کے نطفہ سے حیض کا خون ملا۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورتوں پر لکھا ہے یعنی

مقرر کیا ہے۔ پس اس جسم میں تیسرا جسم ہوگیا۔ یہ اُس طریق کے علاوہ تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا کے جسموں کو پیدا کیا تھا۔

پس یہ تیسرا جسم ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدائش کو رحم میں ایک حال کے بعد دوسرے حال کی طرف منتقل کیا۔ اور پانی کو نطفہ کی طرف اور نطفہ کو علقہ کی طرف اور علقہ کو مُضغہ کی طرف اور مُضغہ کو ہڈی کی طرف پہنچایا۔ پھر ہڈی کو گوشت پہنایا۔ پس جب نشاۃِ حیوانیہ پوری ہو چکی تو اس سے دوسری مخلوق پیدا کی۔ پس اُس میں روحِ انسانی پھونکی۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝

پس اللہ برکت والا احسن الخالقین ہے۔

اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم اُس کی تکوین کو رحم میں ایک حال کے بعد دوسرے حال کی طرف بیان کرتے۔ اور اُن مؤکل فرشتوں کا ذکر کرتے۔ اور جو ارحام میں اِن صورتوں کے بنانے پر مؤکل ہیں یہاں تک کہ خروج ہو۔ لیکن ہماری غرض اُن اعلام کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اجسامِ انسانیہ کا تعلق ہے۔ اگرچہ حدِّ حقیقت اور حِسّیہ و معنویہ صورتوں میں ایک ہیں لیکن اسبابِ تالیف مختلف ہیں۔ شاید کوئی خیال کرے کہ یہ سببِ ذات کے لئے ہے تو یہ نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ فاعلِ مختار کی طرف راجع ہیں۔ وہ جو چاہے کرے۔ اور وہ بغیر رکاوٹ اور تصور کے جیسے چاہے کرتا ہے۔ اس امر یہ دوسرا امر ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

نہیں کوئی معبود مگر وہ غالب حکمت والا ہے۔

جب اہلِ طبعیات نے کہا کہ عورت کی منی سے کچھ نہیں ہوتا اور رحم میں جو

جنین ہے وہ مرد کی منی سے ہے۔ اس لئے ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کی تکوین کو اس امر سے الگ رکھا ہے، اُن کی تکوین دوسری ہے۔ اُن کی تدبیر رحمِ والدہ میں دوسرے بچوں کے اجسام کی طرح تھی۔ خواہ عورت کی منی سے تھی۔ کیونکہ روح اُن کے لئے پورے مرد کی شکل کی صورت میں ظاہر ہوا اور خواہ بغیر منی کے روح پھونکنے سے تھی۔ بہر حال وہ ایک چوتھا جسم ہیں۔ جو پیدائش اجسام میں الگ نوع ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ   آل عمران آیت ۶۵

اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثل آدمؑ کی طرح ہے جسے مٹی سے پیدا کیا۔

مٹی کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو شبہ واقع ہو گیا تو فرمایا۔ اُن کی پیدائش کی صفت پیدائش کی طرح ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور فرمایا "کُن" یعنی "ہو جا"۔ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ماں کے شکم میں عادتِ جاریہ کے مطابق بچوں کی طرح نہیں رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نشانی بنانے کے لئے سرعت سے پیدا فرمایا۔

اس کے ساتھ اُن اہلِ طبعیات کی تردید کی گئی ہے جو اُس طبیعت پر حکم دیتے ہیں جو انہیں عادتاً عطا کی گئی ہے۔ اور طبعی لوگ اسرار و تکوینات عجیبہ سے جو اِن پیدائشوں میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کیا ہے اُسے نہیں مانتے۔ بعض اہلِ طبعیات اہلِ دانش حضرات نے اس طبیعت میں انصاف کی بات کہی ہے کہ ہم اسے نہیں جانتے۔ مگر جو ہمیں خاص طور پر عطا کیا ہے اُسے جانتے ہیں۔ اور اس کا ہمیں علم نہیں۔ ہم نے اجسامِ انسانیہ کی ابتداء کا ذکر کیا ہے۔

عقل کیسے پیدا ہوئی

ہم نے اجسامِ انسانیہ کی ابتدار کا ذکر کیا اور وہ چار مختلف پیدائشیں ہیں جو ہم نے مقرر کیں۔ اور یہ آخری مولدات ہیں۔ اُس کی نظیر عقلِ اوّل ہے جس کے ساتھ اس کا رابطہ ہے۔ کیونکہ وجود دائرہ ہے اور ابتدائے دائرہ عقلِ اوّل کا وجود ہے اس میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ — الحدیث

یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا

اور عقلِ اوّل اجناس سے ہے اور پیدائش کی انتہا تخلیقِ جنسِ انسانی پر ہے بس دائرہ مکمل ہوا تو انسان عقل کے ساتھ متصل ہو گیا۔ جیسا کہ دائرہ کا آخری حصہ پہلے حصے سے مل جاتا ہے تو یہ دائرہ ہے۔ اور دائرہ کے دونوں گوشوں کے درمیان اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجناسِ عالم سے جو کچھ تخلیق فرمایا وہ عقلِ اوّل کے درمیان ہے اور عقلِ اوّل قلم بھی ہے اور انسان کے درمیان ہے جو آخری موجود ہے۔

جب کہ خطوط نقطہ سے خارج ہوتے ہیں جو محیط دائرہ کے وسط میں ہے اور وہ محیط سے ہر جزو کے لئے مساوات پر نکلتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نسبت تمام موجودات کی طرف نسبتِ واحدہ ہے اور یہاں ہرگز تغیر واقع نہیں ہوتا۔ تمام تر اشیاء اُسی کی طرف دیکھ رہی ہیں اور اُس امر کو اُسی سے قبول کرتی ہیں جو نظیر اجزائے محیط نقطہ کی طرف عطا کرتی ہے۔

انسان خیمۂ افلاک کا ستون ہے

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے یہ صورتِ انسانیہ

خیمہ کے درمیانی ستون کی صورت حرکت کے ساتھ قائم فرمائی اور آپ نے آن آسمانوں کے
قبہ کے لئے مقرر فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس ستون کے ساتھ آسمانوں کو تھام رکھا
ہے، جب یہ صورت نہ رہے گی اور زمین پر کوئی متنفس باقی نہ رہے گا تو آسمان
پھٹ جائے گا۔ تو یہ وہ وقت ہے۔ جب مضبوطی قائم نہ رہے گی۔ کیونکہ ستون زائل
ہو جائے گا اور وہ انسان ہے۔ جب انتقالِ انسان کے ساتھ یہ عمارت دارِ آخرت
کی طرف منتقل ہو جائے گی تو اس منتقل کے ساتھ دنیا برباد ہو جائے گی۔

انسان مقصودِ خداوندی ہے

ہمیں قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ انسان عالم سے اللہ تعالیٰ کا عین مقصود
ہے اور یہ خلیفہ برحق ہے۔ اور یہ ظہورِ اسمائے الٰہیہ کا محل ہے۔ اور یہ تمام بے
مُلک و فلک، روح و جسم، طبعیات و جمادات اور نباتات و حیوانات سے حقائق
عالم کا جامع ہے۔ اس کا جسم و حجم چھوٹا ہوتے کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے
اس کے حق میں کہا ہے۔

"لوگوں کے پیدا کرنے سے آسمان و زمین کا پیدا کرنا بڑا ہے کیونکہ انسان
آسمان و زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ دونوں اس کے لئے ماں باپ کی طرح ہیں۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی قدر بلند فرمائی لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے
اور رحم میں نہیں لوٹایا کیونکہ یہ معلوم و محسوس ہے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے ابتلاء
آزمائش میں ڈالتا ہے جس میں مخلوق سے کسی کو نہیں ڈالتا۔ اس لئے اس کی توفیق
کے مطابق اس ابتلاء کے ذریعہ سے اسے سعید یا شقی قرار دیتا ہے۔ اللہ تبارک
تعالیٰ نے اس میں ایک قوت پیدا کی ہے جس کا نام فکر ہے جس کی بنا پر یہ
امتحان میں ڈالا جاتا ہے۔ اس قوت کو اس قوت کا خادم بنایا جس کا نام عقل ہے

اور عقل کو فکر پر زبردستی سرداری دی کہ وہ اس چیز کو اخذ کرے جو اسے فکر سے ملے اور فکر کے لئے مجال نہیں کہ وہ کوئی چیز قوتِ خیالیہ کے بغیر حاصل کرے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قوتِ خیالیہ کو قوتِ احساس کا محل بنایا اور اس کے لئے ایک اور قوت بنائی جو قوتِ مصوّرہ ہے پس قوتِ خیالیہ میں وہی حاصل ہوتا ہے جو اسے قوتِ حس یا قوتِ مصوّرہ عطا کرتی ہے اور قوتِ مصوّرہ کا مادہ محسوسات سے صورتیں ترتیب دیتا ہے اور اس کی عین نہیں لیکن اس کے تمام اجزاء حس میں موجود ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ عقل کو ساذجا پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے نزدیک علوم نظریہ سے کوئی چیز نہیں اور فکر کے لئے کہا گیا کہ جو اس میں قوتِ خیالیہ ہے اس سے حق د باطل کی تمیز کر لو۔ چنانچہ اس کے لئے حسبِ واقع نظر آتا ہے تو اسے کبھی شبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی اسے اس کے ساتھ دوسرے علم سے دلیل حاصل ہو جاتی ہے لیکن اسے اپنے گمان میں دلائل سے شبہ کی صورتوں کا عالم ہوتا ہے اور وہ اس مواد کی طرف نہیں دیکھتا جن سے علوم حاصل کرنے میں سند پکڑتا ہے۔

پس وہ اس سے عقل کو قبول کرتا ہے جس کے ساتھ اس علم سے اس کی جہالت میں اضافہ ہوتا ہے جو متقارب نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عقل کو اپنی معرفت کا مکلف کیا تاکہ اس کے ذریعہ سے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔ اور عقل اس نقیض سے ارادۂ الٰہی کو بھانپ لیتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا [۱] لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ [۲]

"تو یہ فکر کی طرف سند ہے۔ اور اسے امام بنایا۔ جس کی اقتدار کی جاتی ہے۔"

---

[۱] الروم آیت ۸ [۲] یونس آیت ۲۴

اہلِ اللہ عجز سے معرفت حاصل کرتے ہیں

وہ شخص اپنی مُراد میں فکر کے ساتھ حق تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے کہ وُہ اُسے فکر کرنے کے لئے مخاطب فرماتا ہے پھر وہ اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بری ہو جاتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کوئی راستہ نہیں. پھر اُس پر یہ اَمر منکشف ہو جاتا ہے جس پر وُہ ہے.

پس ہر عقل اُس کا فہم نہیں رکھتی. مگر یہ عقول اللہ تبارک و تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کے لئے مخصوص ہیں.

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی پُشت سے اُن کی ذُرّیّت کو مُٹھی میں لے کر گواہ بنایا تھا تو کیا اُنہوں نے اپنے افکار سے بلیٰ یعنی ہاں کہی تھی۔ نہیں خُدا کی قسم نہیں. بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے اُنہیں اُن کی پُشتوں سے لیتے وقت اپنی گواہی پیش فرمائی. جب وہ اپنی مُفکرہ قوتوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت میں اَخذ کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں تو معرفتِ الٰہیہ میں ایک حُکم پر کبھی جمع نہیں ہوتے اور ہر طائفہ ایک مذہب کی طرف چلا جاتا ہے اور جمالِ الٰہی میں کثرت سے گفتگو کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں انتہائی جُراَت سے کام لینے لگے۔

یہ سب کچھ اِس ابتلاء سے ہے جس کا ذکر ہم نے انسان میں اُس کی فکر کی تخلیق سے کیا۔

اہلِ اللہ جو اپنی معرفت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ مکلّف فرمائے ہیں. وہ اُس کی طرف محتاج ہیں اور جانتے ہیں کہ اُن سے مُراد اِس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے اور اُن میں سے ہر حال میں اِس اَمر کے قائل ہیں کہ وُہ پاک ہے جس نے اپنی معرفت کا راستہ سوائے عجز کے اور کوئی نہیں ٹھہرایا۔

اُن میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ درک الادراک سے عاجز ہونا ہی اِدراک ہے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ الٰہی!

"میں تجھ پر ثناء کا شمار نہیں کر سکتا۔"

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا — آیت ۱۱۰ سورۃ طٰہٰ

"لوگ اُس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔"

پس معرفتِ الٰہیہ میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اِس مرتبہ میں فکر کو چھوڑ دیتے ہیں اور اُس کا حق ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ جس اَمر میں فکر کرنے کا حق نہیں پہنچتا اُسے نقل نہیں کیا۔ اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کرنے سے روک دیا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات میں فکر کرنے سے ڈراتا ہے۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ اُنہیں اپنی معرفت عطا کرتا ہے۔ جو عطا کرتا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے مشاہدہ کرواتا ہے۔

اور وہی مظاہرہ ہے جو اُنہیں مشاہدہ کرواتا ہے۔ اور وہ جان لیتے ہیں کہ جو طریق فکر سے عقلاً محال ہے۔ نسبتِ الٰہیہ سے محال نہیں۔ جیسا کہ اُس کا ذکر اس زمین کے باب میں آئے گا۔ جسے حضرت آدم علیہ السّلام وغیرہ کی باقی مٹی سے تخلیق کیا گیا۔

ذی عقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا فرماں بردار ہے اور جان لے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے آگے کوئی اَمر محال نہیں۔ اُس کا

اقتدار نافذ ہے۔ اور وہ وسیع عطا کرنے والا ہے۔ اُس کے پیدا کرنے میں کوئی تکرار نہیں بلکہ وہ سب عالم امثال میں ایک ہی جوہر میں پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں وہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی مرضی ہے کہ انہیں باقی رکھے یا انفاس کے ساتھ فنا کر دے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ؕ ال عمران آیت ۱۸

نہیں کوئی معبود مگر وہ غالب حکمت والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ساتویں باب کا ترجمہ ختم ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

باب ہشتم

" اس زمین کی معرفت جو حضرت آدم علیہ السّلام کے خمیر کی باقی طینت سے پیدا کی گئی۔ یہی زمین حقیقت ہے اور بعض اُن عجائب و غرائب کا بیان، جو اِس میں ہیں"۔

یاأخت بل یاعمتی المعقوله   أنت الامیمة عندنا المجهوله
نظر البنون الیك أخت أبیهمو   فتنافسوا عن همة معلوله
الا القلیل من البنین فانهم   عطفوا علیك بأنفس مجبوله
یاعمتی قل کیف أظهر سرّه   فیك الاخ محققات تنزیله
حتی بدا من مثل ذاتك عالم   قد یرتضی رب الوری توکیله
أنت الامامة والامام أخوك والمأ   موم أمثال له مسلوله

اے بہن بلکہ اے میری پھوپھی! تو ہمارے نزدیک غیر معروف چھوٹی ماں ہے۔ بیٹوں نے تیری طرف اپنے باپ کی بہن کی نظر سے دیکھا پس ہمت معلول سے رغبت کرنے لگے۔ مگر تھوڑے بیٹوں نے تجھ پر نفس مجبولہ سے عطف کیا۔ اے پھوپھی! بتا تیرے بھائی نے تجھ میں اپنا بھید کیسے ظاہر کیا جس کا ذکر تنزیل الٰہی میں محقق ہے۔ یہاں تک کہ تیری ذات کی مثل ایک عالم ظاہر ہوا۔ ربّ العزت تیری توکیل سے راضی ہے۔ تو امامہ ہے اور تیرا بھائی امام ہے اور اُس کی مثل اقتداء کرنے والے اُس کے برابر ہیں۔

مخصوص زمین

جاننا چاہیئے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور وہ پہلا انسانی جسم ہے اس جسم کو اجسامِ انسانیہ کے وجود کے لئے اصل قرار دیا۔
حضرت آدم علیہ السّلام کے خمیر کی جو مٹی باقی بچی اُس سے کھجور کا درخت پیدا فرمایا تو یہی کھجور حضرت آدم علیہ السّلام کی بہن ہے اور یہی ہماری پھوپھی ہے۔ شریعت نے بھی اس کا نام پھوپھی رکھا۔ اور اس کی تشبیہہ مومن کے ساتھ دی۔ دوسری نباتات کے برعکس اس کے عجیب اسرار ہیں اور اس کھجور کی تخلیق کے بعد سمسمہ کی مقدار پوشیدگی میں مٹی بچی اُس میں وسیع زمین کو کھینچا۔
جب عرش کو مقرر فرمایا اور جو اُس کے اردگرد آسمان، زمینیں کرسی، تحت الثریٰ اور تمام جنّتیں اور دوزخ ہیں اس زمین میں پیدا کئے گئے۔ یہ سب اس میں ایسے ہیں جیسا کہ زمین کے جنگل میں زنجیر کا ایک چھوٹا سا حلقہ، اور اس زمین میں ایسے عجائب و غرائب ہیں جن کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس امر سے عقلیں حیران ہیں۔ اس کے ہر نفس میں اللہ تبارک و تعالیٰ عوالم پیدا فرماتا ہے۔ جو روز و شب خدا کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں۔ اور غافل نہیں ہوتے۔ اس زمین میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت ظاہر ہے اور دیکھنے والے کے نزدیک یہ عظمت اور بھی زیادہ ہے۔ اور کثیر محالاتِ عقلیہ جن پر صحیح عقلی دلیل قائم ہو چکی ہے وہ اس زمین میں موجود ہیں۔ اور یہ عارفوں اور علماء باللہ کی نظروں کو نواز رہی ہے اور وہ اُس میں جولانی دکھاتے ہیں۔

ایک روایت

جملہ عوالم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہماری صورتوں پر عالم

پیدا فرمائے. جب عارف ان کو دیکھتا ہے تو اِس میں اپنی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے.
حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اِس کی مثل کی طرف اشارہ
کیا ہے جس میں اِس حدیثِ کعبہ میں روایت آئی ہے کہ یہ چودہ گھروں میں سے
ہے. ساتوں زمینوں سے ہر زمین میں ہماری مثل مخلوق ہے یہاں تک کہ اُن میں
میری طرح ابن عباس موجود ہے. اہلِ کشف کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے.

اور بھی زمینیں ہیں

ہم زمین اور اُس کی وسعت اور اُس کے عوالم کی کثرت اور اُس میں مخلوقات
کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اِس سے اِس میں عارفوں کے لئے تجلّیاتِ الٰہیہ
وارد ہوتی ہیں.

ایک عارف نے مجھے اِس اَمر کی خبر دی ہے جسے میں مشاہدہ سے جانتا
ہوں. اُس نے کہا کہ میں ایک روز اُس زمین کی ایک مجلس میں داخل ہوا جس
کا نام مجلسِ رحمت تھا. میں نے اُس سے عجیب مجلس کبھی نہیں دیکھی. میں اُس
میں تھا کہ مجھ پہ تجلّیٔ الٰہی ظاہر ہوئی اور اُس تجلّی نے مجھے پکڑا نہیں یعنی بے ہوش
نہیں کیا بلکہ میں اُس کے ساتھ باقی رہا. اور یہ اُس زمین کی خاصیت ہے کیونکہ
اِس دُنیا میں اِن ہیکلوں کی جو تجلّیاتِ الٰہیہ انبیاء و اولیاء پہ وارد ہوتی ہیں وہ
اُنہیں اِن کے دیکھنے سے از خود رفتہ کر دیتی ہیں.

ایسے ہی بلند آسمانوں کے عالم اور کرسی اور عالمِ عرشِ محیطِ اعلیٰ اور
اُس کے مکینوں پر جب تجلّیاتِ الٰہیہ وارد ہوتی ہیں. تو اُنہیں ہوش و خرد سے
بیگانہ کر دیتی ہیں. چنانچہ جب یہ زمین صاحبِ کشفِ عارف کو حاصل ہوتی ہے
تو اُس کے لئے واقع ہونے والی تجلّی اُسے شہود سے غافل نہیں کرتی اور نہ اُسے

اُس کے وجود سے بے بہرہ کرتی ہے اور اُس کی رؤیت اور گفتگو کے درمیان اجتماع قائم رہتا ہے۔

اُس نے کہا: اُس مجلس میں میرے لئے ایسے امور و اسرار کا اتفاق ہُوا۔ جن کے دقیق معانی اور عدمِ وصول ادراکات کی بناء پر بیان کی گنجائش نہیں۔ اس سے پہلے کہ انسان اِن مشاہد کی مثل اُس کا خود مشاہدہ کرے۔ اُس زمین میں گلستان، باغات، حیوانات و معدنیات کا اندازہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں لگایا جاسکتا۔

وہاں بھی زندگی ہے

اُس زمین میں جو چیز ہے زندہ اور ناطق ہے اور اُس کی حیات و نطق ہماری دُنیا کی اشیاء میں زندگی اور نطق کی طرح ہے اور وہ اشیاء باقی ہیں نہ فنا ہوتی ہیں اور نہ تبدیل ہوتی ہیں اور نہ اُن کے عالموں کو موت ہے۔ اور وہ زمین طبعیہ اور ظلمیتِ بشریہ کے اجسام سے کسی چیز کو قبول نہیں کرتی۔ سوائے اس کے عوالم کے یا بالخصوص ہمارے عالم ارواح کو قبول کرتی ہے۔

جب عارف اُس میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنی ارواح کے ساتھ داخل ہوتے ہیں نہ کہ جسموں کے ساتھ۔ پس وہ اپنے ہیکل اسی دُنیا کی زمین میں چھوڑ دیتے ہیں اور مجرّد ہوتے ہیں۔ اُس زمین میں عجیب و غریب صورتیں ظاہر یا پیدا ہوتی ہیں جو اس عالم کے راستوں کی گلیوں کے سرِ راہ کھڑی ہوتی ہیں جس میں ہم بستے ہیں اور وہ جو زمین و آسمان اور جنّت و دوزخ میں رہتے ہیں۔

وہاں داخلہ کیسے ہوتا ہے

جب ہم سے کوئی عارف وہاں جانا چاہتا

ہے یا نوعِ انسانیہ یا جنّ اور فرشتہ یا اہلِ جنّت سے بشرطِ معرفت اِس میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اپنے جسمانی ہیکلوں سے مجرّد ہو جاتا ہے۔ اور اُن صُورتوں کو گلیوں کے سروں پر پاتا ہے جس کے ساتھ وہ مؤکل قائم ہو جاتے ہیں۔ اُنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی شغل کے لئے کھڑا کر رکھا ہے۔ اور اُن میں سے کوئی ایک اِس داخل ہونے والے کی طرف لپکتا ہے۔ اور اُس کی قدر و منزلت کے مطابق لباس پہناتا ہے اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُس زمین میں چکر لگاتا ہے۔ اور اُس سے جہاں چاہتا ہے لپٹ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں عبرت پکڑتا ہے۔ اور وہ کسی حجر و شجر وغیرہ اور کسی چیز کے پاس سے نہیں گذرتا کہ وہ اُس سے کلام کا ارادہ کرے مگر ہر چیز اُس سے کلام کرتی ہے۔ جیسا کہ اُس کا ساتھی شخص کلام کرتا ہے اُن لوگوں کی مختلف زبانیں ہیں اور اُس زمین کو یہ خاصیت عطا کی گئی ہے۔ کہ اِس میں جو شخص داخل ہوتا ہے اُس میں بولی جانے والی تمام زبانوں کو سمجھ لیتا ہے۔ جب وہاں سے وہ اپنی ضرورت پُوری کرنے کے بعد واپسی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کا ساتھی اُسے اُس مقام پر واپس لے آتا ہے جس مقام سے وہ داخل ہُوا تھا۔ اور جب اُسے نکالتا ہے تو اُس کا وہ لباس اُتار لیتا ہے جو اُسے پہنایا تھا اور اُس سے واپس لوٹ جاتا ہے۔ اور اُسے دلائل و علوم حاصل ہوتے ہیں اور اُس میں اُس کا عِلم باللہ زیادہ ہوتا ہے جو کہ مشاہدہ کے وقت نہیں ہوتا۔

میں نے اُس زمین میں حاصِل ہونے والے فہم کی سُرعت اور کہیں نہیں دیکھی اور ہمارے نزدیک اُس دار اور اُس نشاۃ میں جو کچھ ظاہر ہُوا ہے وہ اِس قول کے بالعکس ہے جس کا ہم نے مشاہدہ کیا اور اُسے بیان نہیں کیا۔

دُوسرے کا وجُود اپنانا

اِن میں سے ایک بات یہ ہے جو اوحدالدین حامد بن ابی فخر کرمانی نے بیان کی. اللہ تعالیٰ اُس کی موافقت فرمائے. اُس نے کہا. میں نوجوانی کے وقت ایک بزرگ کا خادم تھا. شیخ پیچش کا بیمار ہوگیا. جب ہم تکریت کے مقام پر پہنچے تو میں نے کہا. یاسیدی! مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں راستے سے سنجار کے دواخانے کے مالک سے آپ کے لئے پیچش روکنے کی دوا لے آؤں. جب اُنھوں نے میرے دل کی جلن کو دیکھا تو مجھے کہا! اُس کی طرف جا سکتے ہو. کہا کہ جب میں اُس صاحبِ سبیل کی طرف گیا تو وہ خیمہ میں بیٹھا ہُوا تھا اور لوگ اُس کے سامنے کھڑے تھے اور اُس کے سامنے شمع جل رہی تھی، نہ تو وہ شخص مجھے پہچانتا تھا اور نہ میں اُسے پہچانتا تھا۔

جب اُس نے مجھے لوگوں میں کھڑے دیکھا تو میری طرف اُٹھ کر آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر میرا اکرام کیا اور مجھ سے میری حاجت دریافت کی۔

میں نے اُسے شیخ کا حال بتایا. تو اُس نے دوا حاضر کی اور مجھے دے دی اور وہ میرے اعزاز کے لئے میرے ساتھ باہر آیا اور اُس کے خادم نے شمع اُس کے آگے کر رکھی تھی. میں خوفزدہ تھا کہ شیخ نے اُسے دیکھ لیا تو اُس میں حرج واقع ہوگا. پس میں نے اُسے قسم دی اور وہ واپس ہوگیا۔

میں نے شیخ کی طرف واپس آکر اُنہیں دوا دی اور اُن سے صاحبِ سبیل امیر کا اپنی عزت افزائی کرنا بیان کیا۔

شیخ نے تبسم کُناں ہو کر مجھے فرمایا! اے بیٹے جب میں نے تیری جاں سوزی کو دیکھا. تو تجھ پر شفقت کرتے ہُوئے تجھے اجازت دے دی. جب تو چلا گیا تو میں خائف ہُوا کہ کہیں امیر تیرے عدم استقبال سے تجھے رُسوا نہ

کرے۔ چنانچہ میں اپنے اس ہیکل سے مجرّد ہو کر اُس امیر کے ہیکل میں داخل ہو گیا اور اُس کے مقام میں بیٹھ گیا۔

پس جب تم آئے تو میں نے تمہارا اکرام کیا۔ اور تمہارے ساتھ وہ سلوک کیا جو تم نے دیکھا۔ پھر میں اپنے اس ہیکل میں لوٹ آیا اور مجھے اس دوا کی ضرورت نہیں اور نہ میں اسے استعمال کروں گا۔

کستوری کا خطّہ

جب یہ شخص دوسری صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ تو اُس زمین کے رہنے والے کیسے ہوں گے۔ مجھ سے ایک عارف نے کہا کہ جب میں اُس زمین میں داخل ہُوا تو وہاں اُس زمین کا ایک خطّہ دیکھا جو سارے کا سارا عطر کستوری تھا۔ اگر اس دُنیا میں ہم میں سے کوئی اُسے سونگھ لے تو خوشبو کی قوت سے ہلاک ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ لمبا کرنا چاہے لمبا ہوتا ہے۔

سونے کی زمین

میں اُس زمین میں زمین کے ایک ایسے خطّے میں داخل ہُوا جو سُرخ اور نرم سونے کا تھا۔ اُس کے تمام درخت سونے کے تھے۔ اُس کے تمام پھل سونے کے تھے۔ پس اگر کوئی وہاں سے سیب یا دُوسرا پھل لے کر کھائے تو اُس میں میں ایسی لذت، حُسن اور خوشبو پائے گا جس کا وصف بیان کرنے والا وصف بیان نہیں کر سکتا۔

جنت کے پھل اِس سے قاصر ہیں تو دُنیا کے پھل کیسے مقابلہ کریں گے۔ اُن کے جسم شکل اور صورت سونے کی تھی اور صورت و شکل ایسی تھی جیسا کہ

ہمارے ہاں پھل کی شکل و صورت ہوتی ہے۔ اور اُن کی لذت مختلف ہے۔ اور اُس پھل میں نقش بدیع اور زینت حسن ایسی ہے جس کا گمان نہیں کیا جا سکتا اور اُس کا مشاہدہ آنکھ بھی کر سکتی ہے۔

میں نے اُس کے پھل اتنے بڑے بڑے دیکھے کہ اگر انہیں آسمان و زمین کے درمیان ٹھہرایا جائے تو اہلِ زمین اُس کے نیچے چھپ جائیں اور آسمان کو نہ دیکھ سکیں اور اگر اُسے اِس زمین پر ٹھہرایا جائے تو یہ زمین اُس کی متحمل نہ ہو سکے۔ کیونکہ وہ اِس سے بڑا ہے اور جب اُسے کھانے کے ارادے سے مٹھی میں لیا جائے تو وہ اِس ہاتھ میں آجاتا ہے۔ وہ ہوا سے زیادہ لطیف ہے۔ باوجود اِس بڑائی کے وہ ہاتھ میں سما جاتا ہے اور یہ وہ امر ہے جو یہاں ہماری نظر میں محال ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اِس کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے اِس کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ بڑی چیز چھوٹی چیز پر ایراد کر سکتی ہے۔ بغیر اِس کے کہ چھوٹی کو بڑی یا بڑی کو چھوٹی یا وسیع کو تنگ یا تنگ کو وسیع کیا جائے۔

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ سیب کی بڑائی باقی رہتی ہے اور اُس پر چھوٹے ہاتھ کے ساتھ مٹھی میں لینا اور احاطہ کرنا موجود ہے۔

کیفیت مشہودہ غیر معروف ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اِس کے ساتھ حق تعالیٰ منفرد ہے۔

ہمارے نزدیک زمانے کا ایک دن اُن کے نزدیک کئی سالوں کی مدت ہوتا ہے اور اُس زمین کے زمانے مختلف ہوتے ہیں۔

چاندی کا خطہ

کہا کہ میں اُس زمین میں زمین کے ایک ایسے خطے میں گیا

جو سفید چاندی کی صورت تھا۔ اور اُس کے درخت، نہریں اور لذت والے پھل سب کے سب چاندی کی شکل کے تھے۔ اور وہاں رہنے والوں کے تمام اجسام چاندی کے تھے۔ ایسے ہی وہاں کی ہر زمین کے درخت، پھل، نہریں اور دریا اُسی جنس سے پیدا کئے گئے تھے۔ جب اُن پھلوں کو کھایا جائے تو اِن میں لذت اور خوشبو دُوسری تمام کھائی جانے والی چیزوں کی مثل ہوتی ہے۔ باوجودیکہ اِن کی لذت کی توصیف نہیں کی جاسکتی اور نہ بیان کی جاسکتی ہے۔

کافوری خِطّہ

مَیں اِس زمین کے ایک سفید کافوری خِطّہ میں داخل ہُوا اور اُس کے بعض مقامات آگ سے زیادہ گرم تھے جس میں انسان داخل ہو کر جلتا نہیں۔ بعض مقامات معتدل اور بعض ٹھنڈے تھے۔ اور اِن زمینوں سے وہاں کی زمین بڑی ہے۔ یہ مقامات اُسی بڑی زمین میں ہیں۔ اگر اِس میں آسمان رکھا جائے تو صحرا میں پڑی ہُوئی انگوٹھی کی طرح ہو گا۔

اور جو کچھ اِن تمام زمینوں میں ہے میرے نزدیک بہت اچھا ہے اور میرے مزاج سے زعفران کی زمین کا خِطّہ زیادہ موافقت رکھتا ہے۔

اُس زمین کے عجائب و غرائب

مَیں نے دُنیا کی کسی زمین میں وہاں کے عالم میں زیادہ ہشاش بشاش اور کھِلا ہُوا شخص نہیں دیکھا۔ اُن واردات کے ساتھ جو اُن پر ہوتی ہیں۔ وہ لوگ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔ اور اُن کے کھانوں میں سے تعجّب خیز اَمر یہ ہے کہ آپ وہاں سے کوئی چیز کھائیں یا پھل توڑے جائے تو اُسی

وقت اُس کی جگہ پر دُوسرا پھل لگ جاتا ہے۔ اور دُوسری چیز اُگ آتی ہے۔ جب اُس پھل کو آپ اپنے ہاتھ سے توڑ کر اُس جگہ سے علیحدہ کر دیں تو بھی اُس کی جگہ دُوسرا پھل لگ جاتا ہے۔ اِسے سِوائے زیرک انسان کے کوئی نہیں جانتا۔ اُس زمین میں ہر گز نقص ظاہر نہیں ہوتا۔ یعنی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جب آپ وہاں کی عورتوں کی طرف دیکھیں گے تو آپ گمان کریں گے کہ جنّت کی حُوریں ان کی نسبت ایسی ہیں جیسا جنّت کی حُوروں کی نسبت ہماری بشری عورتیں ہوتی ہیں اور اُن سے جماع کی لذّت کو کسی لذّت کے ساتھ مشابہت نہیں دی جاسکتی۔ وہاں کے اہلِ زمین اپنے پاس آنے والے کے ساتھ عشق و محبّت سے پیش آتے ہیں۔ اُن کے نزدیک تکلیف نہیں بلکہ وہ حق تعالیٰ کی تعظیم میں اسی جبلّت پر ہیں۔ اگر وہ اس کے خلاف استطاعت بھی رکھتے ہوں تو بھی وہ ایسا کام نہیں کرتے جو خُدا کے حُکم کے خلاف ہو یعنی وہ کوئی غلط حرکت کر ہی نہیں سکتے۔

آن کی عمارتیں اُن کی ہمّتوں سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ ہماری عمارتیں آلات اور حُسنِ صنعت سے تعمیر ہوتی ہیں۔

وہاں کے دریا

پھر ان کے دریا ہیں جن کا ایک دوسرے سے امتزاج نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ لا بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ج الرحمٰن آیت ۱۹، ۲۰

دو مِلے ہوئے دریا بہتے ہیں اُن کے درمیان برزخ ہے۔ وہ ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کرتے۔

آپ سونے کے دریا کی انتہا دیکھیں تو اُس کی موجیں اُٹھتی ہیں۔ اور

پڑوس کے لوہے کے دریا میں مِل جاتی ہیں۔ مگر ایک میں دوسرے سے کوئی چیز داخل نہیں ہوتی۔ حرکت اور بہنے میں اُن دریاؤں کا پانی ہَوا سے زیادہ لطیف ہے۔ اور اُس کی صفائی کا یہ عالم ہے کہ اُس کے کناروں پر چلنے والے چار پائے اور زمین اُس میں صاف نظر آتی ہے جس میں وہ دریا بہہ رہا ہے۔ جب آپ اُس کے پانی کو پینا چاہیں گے تو اُس میں ایسی لذّت پائیں گے جو کسی مشروب میں نہیں پائی جاتی۔

اُس میں نباتات کی تخلیق جیسا کہ تمام نباتات ہیں، سے بغیر تناسل کے ہوتی ہے بلکہ جس طرح ہمارے نزدیک حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں اس میں بھی ہوتے ہیں۔ اور اُن کے پانی سے اُن کے نکاحوں کے انعقاد سے اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ مگر وہ محض خواہش اور سرُور کے لئے نکاح کرتے ہیں۔

مزید عجائبات

اُن کی سواریاں سوار کی خواہش کے مطابق بڑی اور چھوٹی ہوتی ہیں۔ جب وہ ایک شہر سے دُوسرے شہر کی طرف سفر کرتے ہیں۔ تو وہ خشکی اور تری میں سفر کرتے ہیں اور برّ و بحر میں اُن کی رفتار دیکھنے والے کے ادراکِ بصارت سے بھی تیز ہوتی ہے۔

وہاں کی مخلوق کے احوال میں تفاوت ہے۔ اِن میں سے بعض پر شہوت کا غلبہ ہے اور بعض پر جنابِ حق تعالیٰ کی عظمت کا غلبہ ہے۔ مَیں نے وہاں ایسے رنگوں کو دیکھا جو اِس دُنیا میں نہیں ہیں اور وہاں سونے کی کانیں دیکھیں جو سونے کی بھی نہیں اور پیتل کی بھی نہیں اور جواہرات کی بھی نہیں، سُرخ یاقوت اِس قدر مُصفّا تھے کہ اُن سے نظر پار ہو جاتی۔ تعجّب خیز بات یہ ہے کہ اُن

کے سفلی اجسام کے رنگ ہوا کی طرح اِدراک کرتے ہیں اور رنگوں کے ساتھ یہ اِدراک ایسے ہوتا ہے جیسے رنگوں کا تعلق اجسامِ کثیفہ میں ہوتا ہے۔

شہروں کے دروازوں پر یاقوت کے پتھروں کی گرہیں لگائی جاتی ہیں اور اُن میں سے ہر پتھر پانچ سو گز کا ہوتا ہے۔ ہوا میں دروازے کی بلندی بہت بڑی ہوتی ہے اور اُس پر اِس قدر زیادہ اسلحہ لٹکایا ہوا ہوتا ہے کہ اگر زمین کی تمام ملکیت جمع کرلی جائے تو بھی اُس کے برابر نہ ہو۔

اُن کے ہاں بغیر سُورج کے ظُلمت اور روشنی ہوتی ہے۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے ظاہر ہوتے ہیں اور وہ جان لیتے ہیں کہ کون سا زمانہ ہے۔ اُن کی ظلمت بصارت کو اِدراک سے محجوب نہیں کرتی جیسا کہ اُسے روشنی محجوب نہیں کرتی۔ وہ لوگ بغیر عداوت و دشمنی اور فساد کے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں وہ جب دریا میں سفر کرتے ہوئے غرق ہوتے ہیں تو پانی اُن پر غلبہ نہیں کرتا جیسا کہ ہمیں ڈبو دیتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے چوپایوں کی طرح دریا میں چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ ساحل پر پہنچ جاتے ہیں۔

وہاں زلزلے کیوں آتے ہیں

اُس زمین میں ایسے زلزلے آتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ یعنی ہماری زمین پر آئیں تو زمین اُلٹ جائے اور جو کچھ زمین پر ہے وہ سب ہلاک اور برباد ہو جائے۔

اُس نے کہا! ایک دن میں اُن کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا کہ شدید زلزلہ آیا اور میں نے دیکھا کہ عمارتیں اِس قدر تیزی سے تھرا رہی تھیں جتنی تیزی بصارت کے لئے بھی ممکن نہیں۔ اور ہمیں پتہ بھی نہ چل سکا

گویا کہ ہم زمین کے ایک قطعہ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور زلزلہ رُک گیا ہے۔ جب ہم زلزلے سے فارغ ہوئے اور زمین ٹھہر گئی تو اُس جماعت نے میرا ہاتھ پکڑا اور میری بیٹی فاطمہ کی عزاداری کرنے لگے۔

مَیں نے کہا! مَیں تو اُسے خیریت و عافیت کے ساتھ اُس کی والدہ کے پاس چھوڑ کر آیا تھا۔

اُنھوں نے کہا! آپ سچ کہتے ہیں مگر یہ زمین اُس وقت متزلزل ہوتی ہے جب ہمارے ساتھ بیٹھا ہُوا شخص یا اُس کے اہلِ خانہ سے کوئی شخص فوت ہو جائے، اور یہ زلزلہ آپ کی بیٹی کی موت کی وجہ سے آیا ہے۔ اُس کے حال کا پتہ کرو۔

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا مَیں اُن کے ساتھ بیٹھا اور میرے ساتھی میرے اُٹھنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب مَیں نے اُن سے علیحدہ ہونے کا ارادہ کیا۔ تو وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے راستہ کے دہانے پر آ گئے اور اُنھوں نے اپنا لباس لے لیا اور مَیں اپنے گھر آ گیا۔ میری ملاقات ایک ساتھی سے ہُوئی تو اُس نے کہا۔ فاطمہ پر نزع طاری ہے۔ مَیں اُس کے پاس آیا تو وہ فوت ہو چکی تھی، اور مَیں اُن دنوں مکّہ میں مجاور تھا۔ چنانچہ اپنی بیٹی کی تجہیز و تکفین کے بعد اُسے جنّت المعلّیٰ میں دفن کیا۔

تو یہ اُس زمین کے تعجب خیز امور ہیں جن کی مَیں نے خبر دی۔

وہاں کعبہ بھی ہے

اُس زمین میں مَیں نے ایک کعبہ دیکھا۔ وہاں کے رہنے والے بغیر لباس کے اُس کا طواف کرتے تھے اور وہ مکّہ معظمہ کے بیت اللہ شریف سے بڑا تھا۔ اُس کے چار ارکان تھے۔ جب لوگ اُس کا طواف کرتے تو وہ اُن کے ساتھ گفتگو

کرتا اور اُنہیں سلام کرتا۔ اور وہ اُنہیں اُن علوم سے مستفید کرتا جو اُن کے پاس نہیں تھے۔

مٹی کا سمندر، پتھروں کی کشتی

مَیں نے اُس زمین میں مٹی کا ایک سمندر دیکھا جو پانی کی طرح جاری تھا اور چھوٹے اور بڑے پتھروں کو دیکھا جو ایک دوسرے کی طرف اِس طرح چل رہے تھے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف چلتا ہے۔ یہ پتھر طبعی طور پر ایک دوسرے سے فاصلہ نہ رکھتے تھے بلکہ اِن کا فاصلہ لوہے اور مقناطیس کی کشش کی طرح تھا، کہ اُس میں قوت نہیں کہ اُسے روک سکے۔ چنانچہ جب اُنہیں چھوڑ دیا جاتا تو وہ ایک مخصوص فاصلے سے ایک دوسرے کی طرف چلتے ہوئے ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے اور اُن پتھروں سے ایک کشتی کی صورت پیدا ہو جاتی۔ اور مَیں نے اُن میں سے ایک چھوٹی سی کشتی دیکھی۔

جب اِن پتھروں کا سفینہ مکمل ہو جاتا تو وہ لوگ اُس میں سوار ہو کر مٹی کے دریا میں چھوڑ دیتے اور اپنی خواہش کے مطابق دوسرے شہروں میں سفر کرتے تو اپنی خاصیت کے مطابق ریت، مٹی وغیرہ سفینے کے بیرونی حصہ میں چمٹ جاتی۔

مَیں نے وہاں جو کچھ دیکھا اُن میں سفینوں کا اِس دریا میں چلنا عجیب تر تھا۔ اِن سفینوں کی صورت ایک جیسی ہوتی ہے۔ سفینے کے دونوں بازوؤں کے آخر پر دو بڑے ستون ہوتے ہیں اور یہ سفینے سوار کے قد سے اونچے ہوتے ہیں۔ اِس سفینے کی زمین پچھلی جہت سے دونوں ستونوں کے درمیان کھلی اور دریا کے برابر ہوتی ہے اور اُس میں اِس دریا کی ریت سے اپنی خاصیت کے ساتھ ہرگز کوئی چیز داخل نہ ہوتی۔

اور اُس کشتی کی شکل یہ ہے۔
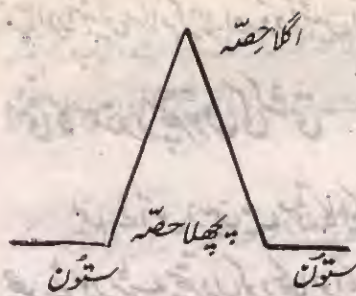
وہاں کے شہر

اِس زمین میں شہر ہیں جن کا نام روشنی کے شہر ہیں۔ اِن میں عارفوں سے وہی شخص داخل ہو سکتا ہے جو مُصفّا اور اختیار دیا گیا ہو۔ ان شہروں کی تعداد تیرہ ۱۳ ہے اور یہ سب ایک ہی سطح پر بنے ہُوئے ہیں۔ اِن کی بُنیادیں عجیب ہیں۔ یہ شہر اِس زمین کے ایک ہی مقام پر بنائے گئے ہیں۔ اُن میں ایک چھوٹا شہر ہے اور اِس کی دیواریں بہت بڑی ہیں جب سوار اُس کا چکّر کاٹنا چاہے تو اُسے تین سال کا عرصہ درکار ہے۔

جب اِس شہر کو قائم کیا تو اُنہوں نے اُسے اپنے منافع و مصالح اور اعداد کا خزانہ مقرّر کیا اور بعد ازاں اُس کے پہلوؤں میں بُرج بنائے جو شہر کے بُرجوں سے اُونچے ہیں اور اُن کی عمارت پتّھروں سے تعمیر کی۔ یہاں تک کہ وہ عمارت گھر کی چھت کی طرح ہو گئی۔ اُنہوں نے اِس چھت کو زمین بنا کر اُس کے اُوپر ایک اور بہت بڑے شہر کی بُنیاد رکھّی جس کی عمارتیں اُس سے بڑی تھیں۔ اُنہوں نے اُس شہر میں سکُونت اختیار کی اور وہ اُن سے تنگ ہو گیا تو اُنہوں نے اُس پر دوسرے بہت بڑے شہر کی بُنیاد رکھّی۔ اور وہ ہمیشہ عمارتیں بناتے رہے اور ایک طبقے پر دوسرے طبقے کی بُنیادیں رکھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اُن کی تعداد تیرہ ۱۳ ہو گئی۔

پھر مَیں کچھ مُدّت کے لئے اُن سے غائب رہا اور دوسری مرتبہ اُن کی طرف گیا تو پتہ چلا کہ اُنہوں نے دو شہر مزید بنائے ہیں جن میں ایک کو دُوسرے کے

اُوپر بنایا گیا ہے۔ اور اُن میں اُن کے لئے بادشاہ ہیں۔ جن میں لُطف اور رحم دِلی پائی جاتی ہے۔

وہاں کے بادشاہ

میں نے اُن میں سے ایک جماعت کے ساتھ صُحبت اختیار کی اور وہ بمنزلہ حمیر میں فیل کے اتباع کرنے والا تھا۔ اور میں نے کوئی بادشاہ نہیں دیکھا جو اُس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو۔ اُسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر نے اپنی مُلکی تدبیروں سے روک رکھا تھا۔ میں نے اُس کے ساتھ نفع حاصل کیا اور اُس کے ساتھ بہت سی مجلسیں کیں۔

اُن میں ایک بادشاہ کا نام ذوالعرف تھا اور وہ بہت بڑا بادشاہ تھا۔ میں نے زمین کے بادشاہوں میں کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی طرف اُس سے زیادہ بادشاہوں کے پیغام لانے والے آتے ہوں۔ وہ بہت زیادہ متحرک اور نرم تھا۔ وہ اپنی طرف آنے والوں کے ساتھ لُطف اور مہربانی سے پیش آتا۔ لیکن جب وہ غضب ناک ہوتا تو اُس کے غصّے کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہرتی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے جو چاہی قوت عطا فرما رکھی تھی۔

میں نے اُس زمین کے دریا کا ایک بادشاہ دیکھا جو منیع الحمیٰ تھا اور سابح کے نام سے بُلایا جاتا تھا۔ وہ کم مجالس کرتا تھا۔ لوگ اُس سے مِلنا چاہتے تھے اور وہ کِسی کی طرف التفات اور توجّہ نہ کرتا تھا۔ اُس کے پڑوس میں ایک بہت بڑا سُلطان تھا اُس کا نام سابق ہے۔ جب اُس کے پاس کوئی شخص آتا تو وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا اور مہمان کے آنے سے اُس کے چہرے پر بشاشت اور

خوشی کا اظہار ہوتا۔ اور اپنے حاجت مند کے سوال سے پہلے تمام لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاتا۔ مَیں نے اُسے اَمر میں کہا تو اُس نے مجھے کہا! مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مخلوق سے غیرتِ سوال کے باعثِ سائل کے چہرے پہ ذلّت دیکھوں۔ کہ وہ کسی غیر اللہ کے سامنے ذلّت اُٹھائے اور وہ شخص توحید کے قدم پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ واقفیت رکھتا ہو۔ اور بہت سے چہرے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف حجاب کے ساتھ اسبابِ موضوعہ کی طرف مصروف رہتے ہیں۔ تو یہ اَمر مجھے مہمان کی تکریم پر اُبھارتا ہے۔

ایک اَور بادشاہ

اُس نے کہا! مَیں ایک اور بادشاہ کے پاس گیا جسے القائم بامر اللہ کے نام سے پکارتے۔ وہ اپنے دل میں عظمتِ الٰہیہ کے غلبہ سے مہمان کی طرف التفات نہ کرتا۔ اور نہ اُس مہمان کو جانتا۔ عارفوں سے جو مہمان اُس کے پاس آتا تو وہ صرف اُسے اِس لئے دیکھتا کہ وہ کس حال پر ہے۔

اُس نے اپنے ہاتھ ملزموں اور عبدِ درماندہ کی طرح اپنے سینے پر باندھ رکھے تھے اور دونوں پاؤں کے مقام کو سر جُھکا کر دیکھ رہا تھا۔ اُس سے کوئی بال حرکت نہیں کرتا تھا اور نہ اُس سے اعضاء مضطرب تھے۔ جیسا کہ ایک قوم کی اُن کے سُلطان کے ساتھ حالت کے بارے میں کہا گیا ہے۔

کأنما الطیر منهم فوق أرؤسهم

لا خوف ظلم ولکن خوف اجلال

"جیسا کہ اُن کے سروں کے اُوپر پرندہ بیٹھ جائے تو جلالِ الٰہی کے خوف سے اُن کا یہ حال ہے۔ ولیکن خوفِ اجلال سے پرندہ اُن سے نہیں ڈرتا۔"

عارفین اُس سے مراقبہ کے حال کی تعلیم دیتے ہیں۔

غیرت مند بادشاہ

اُس نے کہا! مَیں نے ایک بادشاہ کو دیکھا تو رِداعِ کے نام سے منسُوب کرتے تھے۔ وہ مہیب المنظر، لطیف الخبر، شدید غیرت مند اور دائم الفکر تھا۔

جب وہ کسی کو طریقِ حق سے نکلتے دیکھتا تو اسے حق کی طرف لوٹا دیتا۔ کہا! کہ مَیں نے اُس کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور وہاں کے بہت سے بادشاہوں کے ساتھ مجلس کی اور اُن کے عجائب سے یہ امر دیکھا کہ اُن کے نزدیک اللہ تبارک تعالیٰ کی تعظیم راجح تھی۔

اگر ہم اسے کھول کر تحریر کریں تو کتابت کرنے والا اور سُننے والا تنگ آ جائے۔ پس اس زمین کے عجائبات سے اسی قدر کافی ہے۔

وہاں اُٹھارہ [۱۸] بادشاہ ہیں

اُن کے شہر بے شمار ہیں اور وہاں کے دیہات سے زیادہ ہیں اُس مملکت کے اٹھارہ بادشاہ ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ہم نے کیا ہے اور بعض سے سکوت اختیار کیا ہے۔

ہر بادشاہ کے لئے جو سیرت و احکام ہیں وہ دوسرے کے لئے نہیں ہیں۔

کھانا بادشاہ کِھلاتے ہیں

اُس نے کہا! ایک دن مَیں اُن کے دیوان میں گیا تا کہ اُن کی ترتیب کو دیکھوں۔ تو مَیں نے ہر بادشاہ کو دیکھا کہ اپنی رعایا کا رِزق دینے پر قائم ہے۔ جو مُنیبے وہ پہنچے تو مَیں نے اُنہیں دیکھا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو بے شمار

خلقت کھڑی ہوگئی۔ اُن کا نام جبات ہے اور وہ ہر گھر کے قاصد تھے اور امیر اُسے مطبخ سے اُس کے خاندان کی مقدار پر کھانا عطا کر دیتا اور وہ مجابی کو لے کر واپس چلا جاتا اور جو شخص اُنہیں کھانا تقسیم کرتا۔ وہ ایک ہوتا اور دوسرا نہ ہوتا۔ اُس کے ہاتھ قاصدوں کی مقدار ملے تھے۔ پس وُہ ایک ہی وقت میں کھانا ہر شخص کے برتن میں ڈال دیتا اور وُہ واپس چلا جاتا۔ جو مزید کھانا بچ رہتا اُسے اُٹھا کر وہ خزانے کی طرف لے جاتا۔ جب اِس تقسیم سے فارغ ہو جاتا تو خزانے میں داخل ہو جاتا۔ اور فاضل کھانے کو لے کر اُن فقیروں کے پاس آجاتا جو بادشاہ کے دروازے پر کھڑے ہوتے۔ چنانچہ وہ اُن کی جھولی میں کھانا ڈال دیتا اور وُہ اُسے کھا لیتے اور وہ ہر روز ایسے ہی کرتے۔

ہر بادشاہ کے خزانہ پر خوبصورت شخص مقرر ہوتا جسے خازن کہتے۔ اس بادشاہ کی تمام مملکت اُس کے ہاتھ میں ہوتی۔

اُن کی شرع سے یہ بھی ہے کہ وہ کسی کو والی بنا کر معزول نہ کرتے۔

ہر کام پر ایک شخص ہوتا

مَیں نے اُن میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی حرکات مجھے بہت اچھی معلوم ہُوئیں۔ وہ بادشاہ کے ایک طرف بیٹھا ہُوا تھا اور مَیں بادشاہ کے دائیں طرف تھا۔ مَیں نے اُس بادشاہ سے پُوچھا کہ آپ کے نزدیک اِس شخص کا کیا مقام ہے؟ بادشاہ نے تبسّم ریز ہو کر کہا۔ "تجھے یہ اچھا لگتا ہے؟"

مَیں نے اُسے کہا! "ہاں!"

بادشاہ نے کہا! "یہ معمار ہے جو ہماری سکونت کے لئے گھر بناتا ہے اور شہر بناتا ہے۔ تم نے جو کچھ دیکھا اِسی کے عمل کے آثار ہیں۔"

میں نے اُن کے صرافہ بازار میں دیکھا کہ پورے شہر میں اُن کا کھرا کھوٹا دیکھنے والا ایک ہی شخص ہے. علاوہ ازیں اُس بادشاہ کے زیرِ تسلط جتنے بھی شہر ہوتے ہیں اُن میں بھی اکیلا وُہی سُنار ہوتا.

ایسے ہی میں نے اُن کی سیرت میں دیکھا کہ اُن کا ہر اَمر ایک ہی شخص کے سپُرد تھا. لیکن اُس کے لئے کارِندے ہوتے.

اِس زمین کے رہنے والوں کو اللہ کی معرفت دوسرے لوگوں سے زیادہ ہوتی. ہر وہ چیز جسے عقل ہمارے نزدیک دلیل کے ساتھ محال جانتی ہے. ہم نے اُسے اُس زمین میں ممکن اور وقوع پذیر دیکھا۔

اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ[1]

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خُدا قادر ہے

ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ عقلیں قاصر ہیں اور اللہ تعالیٰ اجتماعِ ضدّین، جسم کے دو مکانوں میں موجود ہونے، عرض کا اپنی ذات کے ساتھ قیام و انتقال اور معنیٰ کے معنیٰ کے ساتھ قیام کرنے پر قادر ہے۔

ہمارے نزدیک وَارد ہونے والی ہر آیت و حدیث جسے عقل اُس کے ظاہر سے پھیرتی ہے. اُسے ہم نے اُس زمین میں اُس کے ظاہر پر پایا اور ہر جسم میں رُوحانی فرشتہ اور جِنّ اور ہر وہ شکل جسے انسان خواب میں دیکھتا ہے مُتشکل ہو سکتا ہے. پس اُس زمین کے اجساد کے لئے اُس زمین میں مخصوص مقام ہے اور اُن کے لئے تمام عالم کی طرف کھینچے ہُوتے رقائق ہیں اور ہر رقیقہ پر ایک امین ہے جب یہ امین ارواح سے کسی رُوح کا معائنہ کرتا ہے وُہ

---

[1] البقرہ آیت ۲۰

اِن صُورتوں سے کِسی صُورت کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ پس آ سے اُس صُورت کا لباس پہنا دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی صُورت اپنا لیتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمین کو حق تعالیٰ نے برزخ میں بنایا ہے اور اُس کے اجساد کے لئے اُس کی عین سے ایک مقام مقرر فرمایا ہے۔ موت کے بعد اور نیستد کی حالت میں اُن کا رُوحانیت کا کا لباس اور نفوس اُس کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

پس ہم اُس زمین کا ایک عالم ہیں اور اُس زمین کی ایک سمت جنّت میں داخل ہوتی ہے جس کا نام سوق یا بازار ہے۔

ایک دقیق مثال

ہم آپ کے لئے اُس طرف کی مثال اِمتداد کی صُورت بیان کرتے ہیں جس کا عالم اُس زمین سے مِلا ہُوا ہے۔

چنانچہ یہ ایسے ہیں کہ انسان جب چراغ یا سُورج اور چاند کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر اَبرؤوں کے ساتھ جسم مستیز اور آنکھ کے درمیان اس جسم مستیز کی کی طرف اُن خطوط کی شبیہہ کو دیکھتا ہے جو چراغ سے اُس کی آنکھ کی طرف اِتّصال کرتی ہے۔ چنانچہ جب ناظر کے مقابلہ میں یہ پلکیں تھوڑی تھوڑی اُٹھتی ہیں تو وہ اِن خطوط کو لمبا دیکھتا ہے جو اُس جسمِ منور کی طرف جاتے ہیں۔

پس جسم منوّر اِس زمین سے اِن صُورتوں اور ناظر کے لئے معیّنہ مقام کی مِثال ہیں اور عالم اور اِمتداد کی مِثال یہ خطوط ہیں جیسا کہ اجساد کی صُورتیں نیستد میں اور موت کے بعد اُس کی طرف اور جنّت کے بازار کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

وُہ ارواح جو اُس سے مُتلبّس ہیں اور اِن خطوط کی رویّت کی طرف تیرا قصد اس فعل کے ساتھ پلکوں کے حائل ہونے والے کے ارسال کرنے سے ہے۔ ناظر اور جسمِ منوّر کے درمیان استعداد کی مثال ہے۔ اور اِن خطوط کا اُٹھانا اس حال کے نزدیک استعداد و انقباضِ خطوط کے نزدیک صُورتوں کا اُٹھانا ہے اور مُنوّر جسم کی طرف رَفع حائل کے وقت صُورتوں کا رجُوع اس زمین کی طرف زوالِ استعداد کے وقت ہے۔

اِس بیان کے بعد کوئی بیان نہیں۔ ہم نے اس زمین کے عجائبات اور جو اِس کے ساتھ متعلق ہے۔ اِس کے معارف اپنی بڑی کتاب میں کھول کر بیان کیے ہیں جو ہم نے تالیف کی ہے۔

اَلحَمدُ لِلّٰہ گیارھویں جزء اور آٹھویں باب کا ترجمہ ختم ہُوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

بابِ نہم

وجودِ ارواح مارجیہ ناریہ کی معرفت کا بیان !

مرج النار والنبات فقامت — صورة الجن برزخا بين شيئين
بين روح مجسم ذي مكان — في حضيض وبين روح بلا أين
فالذي قابل التجسم منها — طلب القوت للتغذي بلامين
والذي قابل الملائك منها — قبل القلب بالتشكل في العين
ولهذا يطيع وقتا ويعصي — ويجازي مخالفوهم بنارين

آگ اور نباتات ملے تو جن کی صورت قائم ہوئی جو دو چیزوں کے درمیان برزخ ہے۔ پستی اور روحِ لامکان کے درمیان، اور مکان والا روحِ مجسّم کے درمیان ہے جس نے اس سے جسم کو قبول کیا۔ وہ امین کے ساتھ اپنی غذا کے لئے کھانا طلب کرتا ہے۔ اس سے جو فرشتوں کے مقابل ہوا۔ اس نے عین کے ساتھ متشکل قلب قبول کیا۔

اس لئے وہ کسی وقت فرمانبردار اور کسی وقت نافرمان ہوتا ہے اور ان کے مخالفوں کو دو جہنموں کے درمیان بدلہ دیا جاتا ہے۔

شعلہ مارنے والی آگ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ الرحمٰن آیت ۱۵

اللہ تعالیٰ نے جنوں کو شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا فرمایا:

صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے پیدا فرمایا اور اس نے جنوں کو آگ سے پیدا کیا۔ اور انسان کو اس چیز سے پیدا فرمایا جو تمہارے لئے کہی گئی۔

تخلیقِ انسانی میں اختصار کیوں

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کی تخلیق کے بارے میں فرمایا۔ کہ جو چیز تمہارے لئے کہی گئی اور ملائکہ اور جنوں کی تخلیق کی طرح وضاحت نہیں فرمائی تو اس سے آپ کو اختصار مطلوب تھا۔ کیونکہ آپ کو جامع کلمات عطا ہوئے تھے اور یہ اسی جامعیت سے ہے۔ کیونکہ ملائکہ اور جن اپنی اصل تخلیق سے مختلف نہیں۔

انسان کی تخلیق مختلف ہے

رہا انسان تو یہ اپنی تخلیق سے چار انواع پر مختلف ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق حضرت حوا علیہا السّلام کی تخلیق کے مشابہ نہیں اور حضرت حوا علیہا السّلام کی تخلیق تمام بنی آدم کی تخلیق کے مشابہ نہیں۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی تخلیق مخلوق سے مشابہ نہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اختصار کا قصد فرمایا۔ اور تخلیقِ انسان کی تفصیل جو ہمیں پہنچی ہے۔ آپ نے اسی مقام پر رہنے دیا۔ پس حضرت آدم علیہ السّلام مٹی سے اور حضرت حوا علیہا السّلام پسلی سے

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح پھونکنے سے اور بنی آدم کو ماں باپ سے پیدا کیا۔

اربعہ عناصر کی تشریح

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارکانِ اربعہ کو پیدا فرمایا اور فلکِ کواکبِ ثابتہ کے مقعر کی طرف دھوئیں کو بلند کیا اور اس دھوئیں کو پھاڑ کر سات آسمان پیدا کئے جو ایک دوسرے سے امتیاز کرتے ہیں اور ہر آسمان میں اس کے امر کی وحی فرمائی۔

اس کے بعد زمین میں قوتوں کے اندازے قائم کئے اور یہ سب کچھ چار روز میں پیدا ہوا۔

پھر زمین کے آسمانوں کے لئے فرمایا کہ طوعاً وکرہاً میری اطاعت کریں۔ یعنی جب تم دونوں سے میں کسی چیز کا ارادہ کروں تو اس پر فرماں برداری کرو۔ پس دونوں نے کہا۔ ہم تیری اطاعت کرنے والے ہیں۔

پس اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے آسمان وزمین کے درمیان تحاہم معنویہ مقرر فرمایا۔ اور اللہ سبحانہٗ نے زمین سے مولدات ومعدنیات، اور نباتات وحیوانات کو وجود میں لانے کا ارادہ فرمایا۔ اور زمین کو اہلِ خانہ کی طرح مقرر فرمایا اور آسمان کو شوہر کی طرح مقرر فرمایا اور آسمان اس امر کو زمین کی طرف ڈال دیتا جو اُسے اللہ تعالیٰ وحی فرماتا۔ جیسا کہ مرد عورت میں جماع کے ساتھ پانی ڈال دیتا ہے۔ اور زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کے طبقات پر تکوینات سے جو خاصیت رکھی ہے اُسے ظاہر کر دیتی ہے۔ جب ہوا اس سے مشتعل اور گرم ہوتی ہے تو چراغ کی مثل روشن ہو جاتی ہے۔ آگ کے اس شعلے کا مشتعل ہوتا

احتراق ہُوا ہے۔ اور اِس کا نام مارج ہے یعنی شعلہ مارنے والی آگ۔ کیونکہ آگ کا ہُوا سے اختلاط ہوتا ہے۔ اور یہ اشتقاق ہُوا ہے۔ اِس لئے کہ مَرج کا معنیٰ اختلاط ہے اور مَرج کا نام مارج اِس وجہ سے ہے کہ اِس میں نباتات کا اختلاط ہے تو یہ ہُوا اور آگ دو عنصروں سے ہے۔ یعنی جنّات۔

جیسا کہ آدمی مٹی اور پانی کے گُوندھنے سے دو عنصروں سے پیدا ہُوا تو اُس کا نام "طِین" رکھا گیا۔

جنّات کیوں متکبّر ہیں

جَیسا کہ آگ اور ہُوا کے امتزاج سے اسمِ "مارج" بنا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِس مارج میں جنّوں کی صُورت کو کھولا۔ کیونکہ جنّات میں ہُوا ہے۔ اِس لئے وہ جس صُورت میں چاہیں مُتشکل ہو جاتے ہیں۔ اور جنّ میں آگ ہے جو اُس سے ہلکا پُھلکا اور بہت ہی لطیف رکھتی ہے اور جنّ میں قہر و تکبّر اور غرور ہے۔ کیونکہ وہ آگ سے پیدا ہُوا ہے۔ جو ارکانِ مکان سے بُلند ہوتی ہے۔ اور اُس کے لئے محال اشیاء پر تسلّط ہے۔ جس کا اقتضاء اُس کی طبیعت کرتی ہے اور یہی سبب تھا کہ اُس نے اللہ عزّوجل کے فرمان کے وقت حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرنے سے انکار اور غرور کیا اور یہ تاویل پیش کی کہ میں اِس سے بہتر ہوں۔ یعنی اُس اصل کے حُکم کے ساتھ جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارکانِ اربعہ کے درمیان ارسال فرمایا تھا۔ اور یہ نہ جانا کہ پانی کا تسلّط اور غلبہ جس سے حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدا فرمایا گیا اُس سے زیادہ طاقتور ہے۔ کیونکہ وہ آگ کو بُجھا دیتا ہے اور مٹی اُس سے ٹھنڈک اور خشکی کی وجہ سے زیادہ ثبات والی ہے۔

انسان کیوں متواضع ہے

پس آدم کے لئے قوت اور ثبات اِن دونوں ارکان کے لئے ہے۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے اُن دونوں سے پیدا فرمایا ہے۔ اگرچہ اُس میں باقی ارکان ہیں لیکن اُن کے لئے یہ تسلط اور غلبہ نہیں۔ اور وہ ہوا اور آگ ہیں۔ جیسا کہ جنات میں باقی ارکان ہیں جن کا نام مارج ہے لیکن اُن کے لئے اس پیدائش میں یہ غلبہ نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم کو تواضع اور انکسار اُس کی طینت وطبیعت کے ساتھ عطا فرماتے ہیں۔

چنانچہ اگر وہ تکبر کرتا ہے تو وہ اُس کے لئے عارضی اَمر ہے جس کو وہ آگ کے رُکن کی وجہ سے قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ صُورتوں کا اختلاف اپنے خیال اور اپنے احوال میں ہوا سے قبول کرتا ہے۔

اور جنات کو آتشی طبع کے طور پر تکبر عطا ہوا ہے۔ اگر وہ کسی اَمر میں تواضع سے کام لیتا ہے تو یہ اُس کے لئے عارضی ہے جس کو وہ مٹی سے قبول کرتا ہے۔

جنات کا انکسار کیوں ہے

جیسا کہ شیطان ہونے کے باوجود وہ اغواء پر ثبات کو قبول کرتا ہے اور اگرچہ وہ شیطان ہے لیکن فرماں برداری پر ثبات کو قبول کرتا ہے۔ صحابہ کرام کے پاس سورت رحمٰن کی تلاوت کے وقت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دیتے ہوئے فرمایا۔ جب میں نے یہ سورت

جنوں پر تلاوت کی تو اُنہوں نے اِسے تم سے زیادہ اچھے طریقے سے سُنا۔ جب میں فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن کی تلاوت کرتا تو وہ کہتے۔ اے ہمارے رَبّ ہم تیری کسی چیز کو نہیں جُھٹلاتے۔ اِن کا یہ انحصار مٹی اور پانی کی وجہ سے ہے جو آگ کی گرمی کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ تو اُن میں ہماری مِثل فرماں بردار بھی ہیں اور گنہگار بھی اور وہ ملائکہ کی طرح سُورتوں میں مُتشکّل ہو جاتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری نظروں کو اُنہیں دیکھنے سے روک دیتا ہے تو ہم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے۔ اپنے بعض بندوں کے لئے کھول دیتا ہے اور وُہ اُنہیں دیکھ لیتے ہیں۔ چُونکہ وہ عالَم سخافت اور لطافت سے ہوتے ہیں اِس لئے صُورِ حِسّیہ سے جس میں چاہیں مُتشکّل ہو جائیں۔

اصلی صُورت جس کی طرف رُوحانیوں کا انتساب ہے وہ پہلی صُورت ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے وجُود میں لاتے وقت پہلے پیدا فرمائی۔ پھر یہ صُورتیں اُس کے ارادہ کے مطابق مختلف ہو جاتی ہیں۔ جس صُورت میں داخل کرنا چاہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری آنکھوں سے پردہ اُٹھا دے۔ یہاں تک کہ ہم اُس صُورت کو دیکھ لیں گے۔ جس قوّتِ مُصوّرہ کو اللہ تعالیٰ نے خیال کرنے والے کے خیال میں تصویر کے ساتھ موکّل بنایا ہے تو ہم اُسے ظروفِ انسانیہ کے ساتھ مختلف صُورتوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور وہ ایک دُوسرے سے ملتی نہیں۔

جنّوں کی اَولاد کیسے پَیدا ہوتی ہے

جب شُعلے میں رُوح پھُونکی گئی اور وہ ہلکا ہونے کی وجہ سے مُضطرب تھا اور اِس پھُونک نے اُسے اَور بھی مُضطرب کر دیا۔ اور اُس پر ہَوا

غالب آگئی۔ اور وہ ایک حالت پر قرار نہ لے سکی۔ تو اِس صُورت پر عالمِ جنّات ظاہر ہو گئے۔

جیسا کہ تناسلِ بشری میں رِحم میں پانی ڈالنے سے اِس صنفِ بشریہ آدمیہ میں اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی رحمِ مونّث میں ہَوا ڈالنے سے جنّات میں تناسل واقع ہوتا ہے اور اُن سے صنفِ جنّات میں ذُرّیت و توالد کا سلسلہ چل نِکلتا ہے۔ جنّات کا وجُود آگ کی کمان سے ہے۔ اور ان کا وجُود آگ کی کمان سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت فرمائے۔ وارد نے ایسا ہی ذِکر کیا ہے۔

جنّ اِنسان سے کِتنا عرصہ پہلے پیدا ہوئے

جنّات کی تخلیق اور آدم کی تخلیق کے درمیان ساٹھ ہزار سال کا عرصہ ہے بعض لوگوں کا گمان ہے کہ جنّات کا توالد چار ہزار سال گذرنے کے بعد منقطع ہو جاتا ہے جب کہ بشر کا توالد سات ہزار سال گذرنے کے بعد منقطع ہوتا ہے لیکن اِس امر پر واقع نہیں ہوتا بلکہ راجح امر یہ ہے کہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ پس جنّات میں توالد آج تک باقی ہے اور ایسے ہی ہم میں ہے۔

آپ اِس کے ساتھ تحقیق کر سکتے ہیں کہ آدمی کی کتنے سال عُمر باقی ہے اور دُنیا ختم ہوتے اور فنائِ بشر کے لئے اُس کے ظاہر ہونے سے اور اُس کے دارِ آخرت کی طرف منقلب ہوتے تک کتنا عرصہ باقی ہے۔ یہ عِلم میں راسخین کا مذہب نہیں۔ بلکہ بہت ہی کم لوگوں کا گمان ہے۔

جنّات کیسے پیدا ہوتے ہیں

پس ملائکہ انوار میں پھونکی ہوئی ارواح ہیں اور جنات ہواؤں میں پھونکی ہوئی ارواح ہیں اور انسان جسموں میں پھونکی ہوئی ارواح ہیں۔

کہتے ہیں کہ جنات سے اس کی مؤنّث پہلے نہیں پیدا ہوئی۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت حوّا علیہا السّلام پیدا ہوئیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک جن میں اندام نہانی پیدا کئے اور اُس نے اپنے آپ سے خود ہی مجامعت کی تو اُس سے ذرّیتِ آدم کی طرح مذکّر اور مؤنّث پیدا ہوئے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے مجامعت کی تو اُن سے مُخنّث پیدا ہوتے۔ اسی لئے برزخ میں جنّات فرشتوں اور انسانوں کے مشابہ ہیں جیسا کہ مُخنّث کی مشابہت مذکّر سے بھی ہوتی ہے اور وہ مؤنّث سے بھی مُشابہ ہوتا ہے۔ ہم نے یہ وہ روایت بیان کی ہے جو ہم سے بیان ہوئی کہ دین کے ایک امام نے ایک مُخنّث کو دیکھا جس کے پاس دو لڑکے تھے ایک لڑکے نے اُس سے پُشت کی طرف سے اور ایک نے اُس کے پیٹ کی طرف سے جماع کیا تو اُس کے ہاں اولاد پیدا ہو گئی۔ مُخنّث کا نام انخناث سے ہے اور وہ استرخاء کے معنوں میں ہے اور رخاوت واسترخاء کا معنیٰ قوّت اور شدّت کا نہ ہونا ہے۔ پس اُس میں نہ تو مذکّر کی طرح نر کی قوّت ہوتی ہے اور نہ مؤنث کی طرح مادہ کی قوّت ہے۔ چونکہ وہ دونوں قوتوں میں سُستی اور کمزوری کا شکار ہوتا ہے اس لئے اُسے خُنثیٰ یا مُخنّث کہتے ہیں۔ واللہ اَعلم۔

جنّوں کی غذا

جنّات پر چونکہ ہوا اور آگ غالب ہوتی ہے۔ اِس لئے اُن

کی وہ غذا ہوتی ہے جسے ہوا اُٹھا لیتی ہے اور وہ ہڈیوں کی چربی ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کا رِزق ہڈیوں میں مقرر فرمایا ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں تو ہڈیوں کے جوہر اور اُن پر چڑھے ہوئے گوشت میں سے کسی چیز کو کم نہیں پاتے۔ اس سے ہمیں قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں اُن کا رِزق مقرر فرمایا ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ہڈیاں تمہارے جن بھائیوں کے لئے خوراک ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اُن کے لئے ان میں رزق رکھا ہے۔

مکاشفین میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ میں نے جنوں کو دیکھا کہ وہ ہڈیوں کے پاس آکر درندوں کی طرح سونگھتے پھر واپس چلے جاتے۔ وہ ہڈیوں کو سونگھ کر اپنی غذا اور قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ پس لطیف وخبیر ذات پاک ہے۔

جنوں کا ملاپ

جنات کا جماع کے وقت ایک دوسرے سے ملاپ اس طرح ہے جیسے آپ آتش دان یا انگیٹھی سے دھواں خارج ہوتا دیکھتے ہیں کہ ایک دھواں دوسرے دھوئیں میں داخل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی طرح جنات ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک اس دخول سے لذت اندوز ہو لیتا ہے اور اُن کا ملاپ کھجور کے مجرد رائح کے ساتھ پیچھے ہٹنے کی طرح ہے ایسے ہی اُن کی غذا برابر ہے۔

بگولے کب اُٹھتے ہیں

جنات کے شعوب وقبائل ہوتے چنانچہ بیان کیا گیا

ہے کہ اصولی طور پر اُن کے بارہ قبیلے ہیں۔ پھر اُن میں افخاذ کی طرف شاخیں ہیں اور اُن کے درمیان بڑی بڑی جنگیں واقع ہوتی ہیں اور بعض بگولے عین جنوں کی جنگ کے وقت پیدا ہوتے ہیں کیونکہ بگولہ جب دو ہواؤں کے درمیان مقابل میں آتا ہے تو ہر ہوا ایک دوسری کو آگے نکل جانے سے روک دیتی ہے۔ اور اُن کی آپس کی یہ رکاوٹ ایک دائرہ بنا دیتی ہے جو غبار میں بظاہر دکھی اور محسوس کی جا سکتی ہے اور اُس کے آثار دو متضاد ہواؤں کے سامنے ہوتے ہیں تو اِن کی جنگیں اِس کی مثل ہوتی ہیں اور ہر بگولہ اِن کی جنگ کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

عمرو جن کی بابت یہ بات مشہور روایت میں آئی ہے کہ اُس کا قتل بگولے میں ہوا جو دیکھا گیا اور جب یہ بگولہ منتشر ہوا تو عمرو قریب المرگ تھا اور کچھ دیر بعد وہ مر گیا۔ اور وُہ جنوں میں نیک بندہ تھا۔ اگر یہ کتاب اخبار و حکایات پر مبنی ہوتی تو ہم اِس میں اِس گوشہ کا بھی ذکر کرتے۔ مگر یہ کتاب علم معانی پر ہے۔ پس آپ یہ حکایات تواریخ ادب اور اِن کے اشعار میں دیکھیں۔

رُوحانیوں کو قید کرنے کا طریقہ

ہم پھر واپس ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عالم رُوحانی جب متشکل ہو کر صُورتِ حسیّہ میں ظاہر ہو تو آنکھ اسے قید کر لیتی ہے اور اُس کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اِس صُورت سے نکل سکے جب تک کہ خاصیت کے ساتھ آنکھ اُس کی طرف دیکھتی رہے۔ ولیکن جب انسان اُسے قید کر لے اور ناظر اُس کی طرف سے نظر نہ ہٹائے اور اُس کے لئے چھپنے کی جگہ نہ ہو تو یہ رُوحانی اُس کے لئے ایسی صُورت ظاہر کرتا ہے جیسے وہ اپنے اُوپر پردہ بنا لیتا ہے۔ پھر ناظر کے تخیّل میں یہ صُورت مخصوص جہت کی طرف چلتی ہُوئی معلوم ہوتی ہے اور اُس

کی بصارت اُس کا پیچھا کرتی ہے جب اُس کی نظر اُس کے پیچھے رہتی ہے تو رُوحانی اُس کی نظر سے نکل کر غائب ہو جاتا ہے اور رُوحانی کے غائب ہونے سے یہ صُورت ناظر کی نظر سے چھپ جاتی ہے جو اُس کے پیچھے لگی ہوتی تھی۔

کیونکہ وہ رُوحانی کے لئے ایسے ہے جیسا کہ چراغ کی روشنی گوشوں میں منتشر ہوتی ہے تو جب چراغ کا جسم غائب ہو جاتا ہے تو یہ روشنی گُم ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اِس صُورت کے گُم ہو جانے کا حال ہے۔

چنانچہ جو اِس اَمر کو جانتا ہے اور رُوحانی کو قید کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اُس کی بصارت اُس صُورت کے پیچھے نہیں جاتی۔ یہ وہ اسرارِ الٰہیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کے علاوہ نہیں پہچانے جاتے۔ اور یہ صُورت عینِ رُوحانی کی غیر نہیں بلکہ یہ اُس کی صُورتِ عین ہے۔ اگرچہ وہ صُورت ایک ہزار مکان میں ہو یا مختلف شکلوں میں ہر مکان میں ہو۔ اور جب اِن صُورتوں میں سے کسی صُورت کے قتل ہونے کا اتفاق ہو اور وہ ظاہر اَمر میں مَر جائے تو یہ رُوحانی حیاتِ دُنیوی سے برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم موت کے ساتھ منتقل ہوتے ہیں۔

اور عالمِ دُنیا میں ہماری طرح اُس کی کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ اِن صُوَرِ محسوسہ کا نام جن میں رُوحانیت ظاہر ہوتی ہے اَجساد ہوتا ہے اور یہ اللہ تبارک تعالیٰ کے اِس ارشاد سے ہے۔

وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا — صٓ آیت ۳۴

اور اُن کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ — الانبیاء آیت ۸

اور ہم نے انہیں ایسا جسم نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں

جنّوں اور فرشتوں کا فرق

اگرچہ جنّوں اور فرشتوں کا رُوحانیت میں اشتراک ہے لیکن اُن کے درمیان فرق ہے۔ جنّوں کی غذا وہ ہے جنہیں اجسامِ طبعیہ کھانے کی چیزوں کے ساتھ اٹھاتے ہیں اور ملائکہ اس طرح نہیں ہیں۔

لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابراہیم خلیل علیہ السلام کے مہمان کے قصّہ میں فرمایا۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ — ھود آیت ۷۰

پس جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچے۔

جنّوں کی پہلی تخلیق کیسے ہوئی

جب جنّات کی پیدائش کا وقت آیا تو فلکِ اوّل سے تین امین فرشتے اِن لوگوں کی پیدائش کے سلسلہ میں متوجّہ ہوئے۔ پھر اُنھوں نے دوسرے آسمان سے اپنی ضرورت کے مطابق اِن کی پیدائش کے سلسلہ میں اپنے نائبین کو لیا پھر دیگر آسمانوں کی طرف نازل ہوئے اور دوسرے اور چھٹے آسمان سے دو فرشتے لئے اور ارکان کی طرف نزول کیا اور جگہ تیار کی اور اُن کی اِتّباع تین اور فرشتوں نے کی اور اپنی ضرورت کے مطابق دوسرے آسمان سے اپنے نائب لئے۔ پھر تیسرے اور پانچویں آسمان کی طرف نازل ہوئے تو وہاں سے دو فرشتے لئے اور پھر چھٹے آسمان پر پہنچے تو وہاں سے ملائکہ سے اپنا ایک دُوسرا نائب مقرّر کیا اور ارکان کی طرف اُترے تاکہ ارکانِ جنّات کو مکمّل اور درُست کریں۔ پھر چھ باقی بھی اُتر آئے اور اُنہوں نے

دیگر آسمانوں میں سے اپنے نائبین کو ساتھ لیا۔ چنانچہ یہ تمام جمع ہو کر علیم و حکیم کے اذن کے ساتھ اِس پیدائش کو درست کرنے لگے۔

جب اُس کی نشاۃ پوری اور بنیاد قائم ہو چکی تو روح نے عالمِ اَمر سے توجہ کی اور اِس صورت میں روح پھونکی جو اُس میں جاری ہو گئی۔ اور اُس کے وجود میں زندگی آ گئی۔ تو وہ حمد و ثنا بولتا ہوا کھڑا ہو گیا جس کے لئے اُس کی جبلت کو بنایا گیا تھا۔ وہ اُس جبلت پر تھا اور اُس کی ذات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عزت و عظمت نے گھر کر لیا۔ جس کے سبب کو وہ نہیں جانتا تھا اور نہ کسی دوسرے کو اِس کے ساتھ عزت دیتا تھا۔ کیونکہ عالمِ طبائع سے دوسری مخلوق نہ تھی۔

جنّ سے شیطان

پس وہ اپنے پروردگار کی عبادت پر اصرار کرتا تھا۔ اور اپنے بنانے والے کی ربوبیت کے لئے اُس کی عزت کا متواضع تھا جس کے ساتھ وہ اپنی نشاۃ میں آیا تھا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تک جاری رہا۔ جب جنات نے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت دیکھی تو اُن میں سے ایک پر اِس پیدائش کے ساتھ بُغض غالب آ گیا جس کا نام حارث تھا۔ اُس نے اِس صورت آدمی کی رؤیت کے لئے اپنا چہرہ اُس کے سامنے رکھا اور یہ بُغض اُس کی جنس کے لئے ظاہر ہوا تو اُس کے ساتھیوں نے اُسے غمزدہ اور ملول دیکھا۔

جب آدم کا اَمر حارث پر ظاہر ہوا اور جو بُغض اُس نے اپنی ذات میں اُس کے لئے پایا تھا اُس سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے

بارے میں اپنے خالق کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ تکبر کیا اور اپنی اصل کے ساتھ فخر کیا تو اس سے پانی کی قوت کار از غائب ہو گیا تھا جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز کو زندگی دی اور اسی سے ہی جنات کی زندگی ہے اور وہ نہیں جانتے تھے۔

اگر آپ اہلِ فہم سے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کریں۔

وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ — ھود آیت ۷

اور اس کا عرش پانی پہ تھا۔

پس عرش اور وہ مخلوقات جو عرش کے گرد تھی زندہ ہو گئیں

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ — بنی اسرائیل آیت ۴۴

ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان نہ کرتی ہو۔

پس چیز کو نکرہ کے ساتھ بیان کیا ہے اور تسبیح وہی کرتا ہے جو زندہ ہو۔

انسان سب سے طاقتور ہے

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسن حدیث میں وارد ہوا ہے کہ فرشتوں نے طویل گفتگو میں کہا! اے پروردگار، کیا تو نے آگ سے زیادہ شدید چیز بھی پیدا فرمائی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا! ہاں پانی۔

پس پانی کو آگ سے زیادہ طاقتور ٹھہرایا۔ تو اگر ہوا کا عنصر جنات کی نشاۃ میں بغیر آگ کے مشتعل ہوتا تو جنات بنی آدم سے طاقتور ہوتے کیونکہ

ہَوا پانی سے زیادہ طاقتور ہے۔ اِس لئے کہ ملائکہ نے اس حدیث میں کہا ہے۔
اَے پروردگار! کیا تُو نے پانی سے زیادہ شدید بھی کوئی چیز پیدا فرمائی ہے؟ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔ ہاں! ہَوا پانی سے زیادہ طاقت وَر ہے۔
فرشتوں نے پھر عرض کی۔
اَے پروردگار! کیا تُو نے ہَوا سے زیادہ شدید چیز بھی پیدا فرمائی ہے؟
فرمایا! ہاں ابنِ آدم ہَوا سے زیادہ طاقت وَر ہے۔ (الحدیث)
اِس جگہ نشأۃِ انسانیہ کو ہَوا سے زیادہ طاقت وَر مقرّر فرمایا ہے۔ اَور پانی کو آگ سے زیادہ طاقت وَر مقرّر کیا ہے۔ اور پانی انسان میں عُنصرِ اعظم ہے۔ جیسا کہ جِنّات میں بڑا عُنصر آگ ہے۔ اِس لئے شیطان کے حق میں کہا گیا۔

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا النسا آیت ۷۶

بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

تو اِس کی طرف قوّت سے کوئی چیز منسوب نہیں کی گئی۔ اور مِصر کے بادشاہ عزیز کے اِس قول کی تردید نہیں فرمائی۔ جو اُس نے عورتوں کے حق میں کہا تھا۔

اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ یوسف آیت ۲۸

بے شک اُن کا داؤ بڑا ہے۔

باوجود اِس کے عورت کی عقل مَرد سے کمزور ہوتی ہے۔ کیونکہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، تو مَرد کی قوّت کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے۔

انسان میں عقل کیوں زیادہ ہے

اس کا سبب یہ ہے کہ نشاۃ انسانیہ امور میں مودۃ، نرمی، فکر اور تدبیر عطا کرتی ہے۔ کیونکہ اُس کے مزاج پر پانی اور مٹی دو عنصروں کا غلبہ ہے۔ تو اس میں عقل وافر ہوتی ہے۔ کیونکہ مٹی اِسے قائم رکھتی ہے اور روکتی ہے اور پانی اِسے نرمی اور آسانی فراہم کرتا ہے۔

جنّات کی عقل کیوں کم ہے

اور جنّات ایسے نہیں ہیں کیونکہ جن کے لئے عقل نہیں جو اِس اِمساک پر اُسے روکے جو انسان کے لئے ہے۔ اِس لئے کہتے ہیں کہ فلاں خفیف العقل اور سخیف العقل ہے جب کہ کسی کی رائے کمزور ہوتی ہے۔ اور یہ تعریف جن کی ہے کہ وہ اپنی عقل کی خفت اور نظر میں عدم اثبات کی وجہ سے سیدھے راہ سے گمراہ ہُوا تو اُس نے کہا کہ میں اِس سے بہتر ہوں۔ تو عقل خفیف ہونے کی وجہ سے اُس میں جہالت اور سوءِ ادبی جمع ہوگئیں۔ تو جنّات سے جو نافرمان ہُوا وہ شیطان ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت سے راندہ ہُوا۔

جنوّں سے پہلا شیطان

جنّات میں سے جس کا نام سب سے پہلے شیطان ہُوا اس کا نام حارث ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُسے ابلیس بنا دیا۔ یعنی اپنی رحمت سے دور ہٹا دیا اور رحمت کو اُس سے دُور کر دیا۔ اور تمام شیاطین اُس کی فرع ہیں۔ تو اُن میں سے جو ہامہ بن ہام بن لاقیس بن ابلیس کی طرح ایمان

لے آئے۔ وہ جنوں سے مومنوں کے ساتھ مل گئے اور جو اپنے کفر پر باقی رہا وہ شیطان ہُوا۔ اور یہ مسئلہ علمائے شریعت کے درمیان اختلافی ہے۔

کیا شیطان مسلمان ہو سکتا ہے

بعض نے کہا کہ شیطان کبھی اسلام قبول نہیں کرتا اور شیطان کے بارے میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں تاویل کرتے ہیں۔ کہ وہ موکل کے قریب ہے۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر آپ کی اعانت فرمائی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

بعض نے اسلم کی میم کو زیر سے اور بعض نے پیش سے پڑھا ہے تو اس کہنے والے کی تاویل زبر کے ساتھ ہے۔ اس نے اس کے ساتھ کہا۔ " فَاَسْلَمُ مِنْہ" یعنی مَیں اُس سے سلامت رہتا ہوں۔ اُس کا داؤ مجھ پر نہیں چلتا۔ اور ایسے ہی مخالف کی تاویل ہے کہ وہ اس میں پیش سے پڑھتا ہے کہ شیطان میرا فرماں بردار ہو گیا۔ کہا کہ باوجود وہ دشمن ہونے کے وہ میرا مطیع ہے۔ اور وہ مجھے نیکی کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔

گویا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے شیطان پر جبر کیا۔ یعنی اُسے جبراً حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطیع بنایا ہے۔

اور اس معنیٰ سے اختلاف رکھنے والے نے کہا۔ کہ "اسلم" کی میم پر زبر ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ایمان لایا جیسا کہ ہمارے نزدیک کافر مسلمان ہو کر مومن بن جاتا ہے۔ اور یہ معنیٰ بہتر ہے۔

کیا شیطان پہلا جنّ ہے

اکثر لوگوں کا گمان ہے کہ شیطان پہلا جنّ ہے جیسا کہ انسانوں میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے بشر ہیں۔ اور ہمارے نزدیک ایسا نہیں بلکہ وہ جنوّں میں سے ایک ہے اور اُن میں جو پہلا جنّ تھا۔ جیسا کہ بشریت میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے ہیں تو وہ جنّ شیطان کے علاوہ تھا۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ الکہف آیت ۵۰

مگر ابلیس جنوّں میں سے تھا۔

یعنی مخلوقاتِ جنّات کی اس صِنف سے جیسا کہ نوعِ بشریہ سے قابیل ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے شقی لکھ دیا اور وہ مخلوقِ بشریہ سے پہلا شقی ہے اور جنوّں میں پہلا شقی شیطان ہے۔

کیا جنوّں کو آگ کا عذاب ہو گا

جنوّں میں سے شیاطین کو جہنّم میں اکثر طور پر گرمی سے نہیں بلکہ ٹھنڈک سے عذاب دیا جائے گا۔ جب کہ انہیں آگ سے بھی معذّب کیا جائے گا اور بنی آدم کو اکثر طور پر آگ سے عذاب دیا جائے گا۔

میں نے ایک روز ایک مخبوط الحواس ولی سے واقفیت حاصل کی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے صرف اس قول کے ساتھ توقّف نہ کرو۔ جو اُس نے ابلیس کے لئے کہا۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ ص آیت ۸۵

میں تجھ سے جہنّم کو بھر دوں گا۔

بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس اشارہ کی طرف غور کرو جو تمہارے لئے اُس کے قول کے ساتھ کہ جہنّم ابلیس کے لئے ہے بیان ہُوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اُس پر لعنت ہو۔ وہ آگ سے پیدا ہُوا ہے اور وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے گا اور اگر اُسے معذّب کیا گیا تو عذابِ فخار آگ سے زیادہ شدید ہے۔ پس اس امر کی حفاظت کرو۔

جہنّم ٹھنڈا بھی ہے اور گرم بھی

اِس ولی کی نظر جہنّم سے بطورِ خاص آگ پر تھی۔ اور اِس سے غافل رہا کہ جہنّم گرمی اور ٹھنڈک کو کہتے ہیں اور گرمی اور ٹھنڈک کو جمع کرنے کا نام جہنّم ہے۔ کیونکہ جہنّم کریہہ المنظر کو کہتے ہیں۔ اور جہام وہ بادل ہے جس کا پانی برس چکا ہو اور بارش اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ پس جب اللہ تبارک وتعالیٰ بادل سے بارش برسا کر بادل سے بارش کو زائل کر دیتا ہے تو اُس رحمت کے زائل ہونے سے جسے بارش کہا جاتا ہے اُس کا نام جہام ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہنّم سے رحمت کو زائل کر دیا ہے تو وہ کریہہ المنظر ہو گیا۔

اور جہنّم کا دوسرا نام بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اُس کی گہرائی بہت دُور ہے۔ کہتے ہیں کہ "رکیتہ جھنام" جب اُس کی گہرائی بہت دُور ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے اور مومنوں سے سوال کرے گا۔ مگر جو اس سے ہوگا اِس باب میں ابھی قدر کافی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

بابِ دہم

بادشاہ کے دَورہ کی معرفت میں اور اُس میں منفصل ہونے والے پہلے وجود اور دوسرے وجُود کا ذِکر جو اِس میں اِس سے علیحٰدہ ہوتا ہے اور اُس مقام کا ذِکر جس سے دونوں علیحٰدہ ہونے والوں کو پُورا کیا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِس مملکت کی تمہید کرنے کا بیان یہاں تک کہ اُس کا بادشاہ آجائے اور اُس مرتبۂ عالم کا ذِکر جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درمیان ہے اور وہ فترت کا زمانہ ہے۔

الملك لولا وجود الملك ما عرفا	ولم تكن صفة مما به وصفا
فدورة الملك برهان عليه لذا	قد التقت طرفاها هكذا كشفا
فكان آخرها كمثل أولها	وكان أولها عن سابق سلفا
وعند ما كملت بالختم قام بها	مليكها سيد الله معترفا
أعطاه خالقه فضلا معارفها	وما يكون وما قد كان وانصرفا

بادشاہ، اگر بادشاہ کا وجُود نہ ہوتا تو دونوں کی پہچان نہ ہوتی اور نہ ایسی صِفت ہوتی جس سے دونوں کا وَصف بیان ہو سکتا۔

بادشاہی کا دَورہ اِس پر دلیل ہے۔ اِس لئے اُس کی دونوں طرفیں مِل گئیں۔ اَیسے ہی کشف ہُوا ہے۔

اُس کا آخر پہلے کی طرح ہے اور اُس کا اوّل سابق سے بھی پہلے ہے جب ختم کے ساتھ اُس کے شکل ہونے کے نزدیک ہوا تو اُس کے ساتھ اللہ کا سردار قائم ہو کر معترف ہو گیا۔

اُس کے خالق نے اُسے اُس کے معارف عطا فرمائے اور جو کچھ ہو گا اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جس کی طرف پھرتا ہے بیان کیا۔

حضوُر رسالت مآبؐ کی سرداری

اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ جان لیں کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضوُر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فخر کی را کے ساتھ فرمایا۔

اِنَا سَیِّدُ وُلدِ آدم و لا فخر " الحدیث "

مَیں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں۔

ایک روایت میں "زا" کے ساتھ ہے۔ یعنی فخز۔ اور اُس سے مراد ہے باطل پر فخر نہیں۔

صحیح مسلم کی روایت میں آیا ہے۔

انا سیّد النّاس یوم القیامۃ الحدیث

مَیں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں گا۔

تو اِس روایت سے جنسِ بشریہ سے اُس کے ابنار پر آپ کی سیادت اور شرف ثابت ہے۔

اور حضوُر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا۔

کُنتُ نبیًا و آدم بَین الماء والطین ، " الحدیث

" مَیں نبی تھا اور حضرت آدم علیہ السّلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

اس سے مُراد آپ کو اس کا علم ہے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آپ کے اس مرتبہ کی خبر دی ہے اور وہ اجسام انسانیہ سے پہلے آپ کی رُوح کا پیدا ہوتا ہے۔ جیساکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی آدم پر اُن کے اجسام کی پیدائش سے پہلے وعدہ لیا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اپنے انبیاء کرام علیہم السّلام سے ملحق کر دیا کہ ہمیں آن کے ساتھ آن کی اُمّتوں پر گواہ بنایا جب ہر اُمّت سے آن کے لوگوں سے گواہ بنایا جائے گا۔ اور وہ رسُول ہوں گے۔

تمام انبیاء آپؐ کے نائب ہیں

پس انبیائے کرام علیہم السّلام حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر آخری رسُول تک حضور رسالت مآب صلی اللہُ علیہ و آلہ وسلّم کے نائب ہیں۔ اور حضور رسالت مآب صلی اللہُ علیہ و آلہ وسلّم نے اس مقام سے متعدد امُور کو بیان کیا ہے۔ جن میں سے رسُول اللہ صلی اللہُ علیہ و آلہ وسلّم کا یہ فرمانا ہے۔

واللّٰہ لو کان مُوسیٰ حیا ما وسعہ الا ان یتبعنی — الحدیث

اگر حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام زندہ ہوتے تو آن کے لئے میری اِتباع کے سوا گنجائش نہیں تھی۔

اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السّلام کے آخری زمانہ میں نزول کے بارے میں آپؐ نے فرمایا۔

اِنَّہٗ یُؤمُّنا یعنی ہم میں ہمارے نبی صلی اللہُ علیہ و آلہ وسلّم کے طریقہ کے مطابق حکم دیں گے اور صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اور اگر حضور رسالت مآب صلی اللہُ علیہ و آلہ وسلّم حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانہ

ہی مبعوث ہوتے تو انبیاء کرام اور تمام لوگ قیامت تک آپ ہی کی شریعت کے حکم کے تحت ہوتے۔ اس لیئے وہ عام طور پر مبعوث نہیں ہوتے بلکہ اُن کی بعثت خاص علاقوں تک تھی۔

پس آپؐ تمام رسولوں کے بادشاہ اور سردار ہیں اور دیگر انبیاء کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص قوموں کی طرف مبعوث فرمایا اور سوائے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی رسول کی رسالت عام نہیں ہوئی۔

حضور رسالتمآب انبیاء کے بادشاہ ہیں

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک اور قیامت کے دن تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بادشاہی ہے اور آخرت میں بھی آپؐ تمام رسولوں سے مقدم ہوں گے اور قیامت کے دن آپ کی سرداری صحیح نص کے ساتھ ثابت ہے۔

پس حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت موجود ہے اور ہر نبی اور رسول کی روحانیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک سے مدد لیتی ہے اور رسولوں کے اپنے زمانے میں اُنہوں نے شریعتیں اور علوم ظاہر کیئے۔ اُن میں اسی روحِ اقدس کی امداد شامل تھی۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وغیرہ کے احکام اپنے زمانہ میں موجود تھے اور اُن کا موجود ہونا حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے حکم میں تھا۔ ایسے ہی حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ظاہر ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر زمانے میں اپنے زمانہ ظہور میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر حکم دینا ہے

اور آن کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت کے مطابق حکم دینا مقرر ہے۔ کیونکہ وہ آپ کی اُمّت میں ظاہر ہوں گے۔ لیکن چونکہ عالم جس میں پہلے یہ نہیں ہُوا تھا اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا وجودِ عینی پہلے تھا۔ لہٰذا ہر شریعت کی نسبت اُس نبی کے ساتھ ہُوئی جس کے ساتھ وہ مبعوث ہُوا۔ حقیقت میں ہر شریعت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہی کی شریعت تھی اگرچہ مفقود العین تھی۔ کیونکہ اُس وقت آپ کے آثار ظاہر نہ تھے۔ جیسا کہ اب آپ سے پہلی شریعت کی علامت مفقود ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کے زمانہ میں اور آن کی شریعت کے حکم میں بھی یہی بات ہے۔

شریعتِ مصطفٰے ناسخ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت کے ساتھ تمام شریعتوں کو منسوخ فرما دیا ہے اور یہ نسخ اِس اَمر کو خارج نہیں کرتا کہ وہ شریعتیں بھی آپ کی شریعت سے ہوں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آپ کی اُس شریعت میں گواہ بنایا۔ اور اُس نسخ کو ظاہر فرمایا جو قرآن وسُنّت میں نازل فرمایا تھا۔ باوجود اِس کے ہمارا اُس منسوخ پر اجماع و اتفاق ہے کہ وہ شریعتیں آپ ہی کی شریعت سے ہیں جس کے ساتھ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہماری طرف مبعوث ہوتے۔ پس بعد میں آنے والا پہلے کو منسوخ کرتا ہے۔ اِس میں ہمیں خبردار کیا گیا ہے کہ یہ نسخ قرآن وسُنّت میں موجود ہے اور یہ نسخ پہلی تمام شریعتوں کو آپ کی شریعت سے خارج نہیں کرتا۔

آپؐ کی شریعت کا حکم نافذ رہے گا

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آخری زمانہ میں نزول سے اُن کی اپنی شریعت یا اُس کے بعض سے وہ اپنی رسالت اور حکم کے زمانہ میں شریعتِ محمّدی کے ساتھ حکم دیں گے جو آج مقرّر ہے۔ یہ اِس امر پر دلیل ہے کہ اِس زمانہ میں بھی انبیائے کرام میں سے سوائے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اُس حکم کے کسی کا حکم نہیں جو آپ نے اپنی شرع میں مقرّر فرما دیا ہے۔ ا... یہ ہیں اہلِ کتاب ذمّی بھی اسی پر ہیں کہ وہ اطاعت گذار ہو کر جزیہ دیتے رہیں۔ کیونکہ وہ مطیع ہیں۔ اور شریعت کا حکم احوال پر ہے۔ تو اِس تمام مجموعہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضُور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم تمام بنی آدم کے بادشاہ اور سردار ہیں۔ اور پہلے تمام زمانوں میں بھی آپ ہی کی بادشاہی تھی اور آپؐ ہی کی اطاعت کی جاتی تھی اور حکومت کرنے والے انبیاء۔ اِس امر میں آپؐ کے نائب ہے۔

ہم فضیلت نہیں دیتے خُدا دیتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ حضُور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے کسی نبی پر فضیلت نہ دو تو اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو یہ فضیلت نہیں دی بلکہ یہ فضیلت اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود آپ کو عطا فرمائی ہے کیونکہ یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم فضیلت دے سکیں۔ اگرچہ قرآنِ مجید میں یہ وارد ہوا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۚ

الانعام آیت ۹۱

یہ وُہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ دکھائی تو آپ انہی کی راہ پر چلیں،

اس لیئے انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ ذکر صحیح ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آن کی ہدایت کے راستے پر چلیں۔ کیونکہ آن کی ہدایت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور یہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی شریعت ہے۔ یعنی آپ اس شریعت کو لازم کر لیں جس کے ساتھ اقامتِ دین میں آپ کے نائبین نے ظہور فرمایا۔ اور اس میں متفرق نہ ہوں۔ تو یہ نہیں کہا کہ اس کی اقتدا کریں بلکہ اس میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ الشوریٰ آیت ۱۳

کہ اس میں علیحدگی نہ کریں

یہ شریعتوں کے اتحاد پر تنبیہہ ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد

اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ النحل آیت ۱۲۳

یعنی ملتِ ابراہیم کی اتباع کریں

اور وہ ملتِ دین ہے۔ تو وہ اتباعِ دین پر مامور تھے۔ کیونکہ دین اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دوسرے کی طرف سے نہیں۔

طریق اَور ہے پیروی اَور ہے

آپ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف دیکھیں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا گنجائش نہ تھی۔ تو اتباع کی اضافت آپ کی طرف ہے اور آپ کو انبیائے کرام کے دین اور ہدایت کا امر ہوا ہے۔ نہ کہ آن کی پیروی کا۔ کیونکہ جب امامِ اعظم موجود ہو تو اس کے نائبین کا حکم باقی نہیں رہتا بلکہ اسی کا حکم ہوتا ہے۔ جب اس کے مراسم کے ساتھ نائبین کا حکم غائب ہو جاتا ہے تو وہ غیب و حضور حاکم ہوتا ہے۔

یہ اخبار کیوں درست ہیں

ہم یہ اخبار و تنبیہات اس لئے لائے ہیں کہ جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف سے اطلاع نہیں دی۔ اور وہ کشف سے اس مرتبہ کو نہیں جانتا تو وہ اسے جان لے اور اس سے مانوس ہو جائے۔ رہے اہل اللہ تو وہ اسی عقیدہ پر ہیں جس پر ہم ہیں۔ اور ان کے لئے اس پر ان کے نفوس میں ان کے رب کے نزدیک تحقیقی شواہد قائم ہو چکے ہیں۔ ہم اس میں جو کچھ لائے ہیں اگرچہ ان میں کثیر احتمالات متصور ہیں۔ تو یہ قوت کے ساتھ ان الفاظ کی طرف راجع ہیں جو اپنی اصل وضع میں ہیں۔ اور ان اہل ذوق کے نزدیک یہ امر فی نفسہٖ ہے۔ جو اس علم کو حضرت خضر علیہ السلام اور ان کی مثل اللہ تبارک و تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں۔ کیونکہ انسان گفتگو کرتا ہے تو مثال کے طور پر اس کے ان معانی سے اس کی مراد ایک معنیٰ ہوتی ہے۔ جو اس کلام کو متضمن ہیں۔ تو جب ان معانی سے متکلم کے مقصود کے علاوہ اس کی تفسیر کی جاتی ہے تو مفسر اس کی تفسیر اس امر کے ساتھ کرتا ہے جو اسے قوت لفظ عطا کرتی ہے۔ اگرچہ وہ متکلم کے مقصود کو نہ پہنچے۔

تفسیر ایک مشکل کام ہے

کیا آپ نے دیکھا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوپر اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد سے کتنی مشقت پڑی۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ الانعام آیت ۸۲

اے ایمان والو اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملتبس نہ کرو۔

چنانچہ اس کے ساتھ ظُلم نکرہ کے لحاظ سے ہے۔ تو اُنہوں نے کہا۔ ہم میں سے کِس نے ایمان کو ظُلم کے ساتھ مُتلبّس نہیں کیا۔ حالانکہ یہ صحابۂ کرام وُہ عربی لوگ ہیں جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہُوا۔ اور وہ حق تعالیٰ کے اُس مقصود کو نہ سمجھ سکے جو اِس آیت میں مُضمر تھا اور اِس کلمہ میں مناسب معنیٰ کی طرف نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُنہیں فرمایا۔ یہ وُہ امر نہیں جس کا تم گمان کرتے ہو اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ظُلم سے مراد وُہ امر ہے جو حضرت لقمان علیہ السّلام نے اپنے بیٹے کو وصیّت کرتے ہُوئے فرمایا تھا۔

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. لقمان آیت ۱۳

اَے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔ بے شک شرک کرنا ظُلم عظیم ہے۔

تو اِس کلمہ کی قوّت نے ظُلم کو عام معنوں میں کر دیا اور متکلّم کا مقصد ظُلم سے مراد مخصوص اور معیّن ظُلم ہے۔

یہ روایات بھی ایسے ہی ہیں

ایسے ہی ہم جو روایات لاتے ہیں کہ تمام بنی آدم رعایا ہیں اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کے بادشاہ اور سردار ہیں تو ہمارا یہ مقصود کشف کے طریق پر ہے جیسا کہ وہاں ظُلم سے متکلّم کا مقصودِ خاص شرک تھا۔ اِس لئے قرائنِ احوال کے ساتھ کلام میں تفاسیر کو تقویّت حاصل ہوتی ہے کیونکہ تفسیریں متکلّم کے مقصود معانی کے لئے امتیاز کرتی ہیں تو وُہ شخص اِس کی تفسیر کیسے نہیں کرے گا جس کے پاس کشفِ الٰہی اور علمِ الدُنّی ربّانی ہو۔ منصف عاقل کا حق یہ ہے کہ اِس گروہ کی خبروں کو تسلیم کرے

اگر اِس میں اِن کی تصدیق کی جائے گی تو یہ اِن کے ساتھ حُسنِ ظن ہوگا اور تسلیم کرنے والے منصف قرار پائیں گے۔ اِس لیئے کہ تسلیم کرنے والا اُس کی تردید نہیں کرتا جو نفس الامر میں حق ہوتا ہے۔

اگر اِن کی تصدیق نہیں کرتے تو تسلیم نہ کرنا نقصان دِہ نہیں بلکہ اِس میں اُنہیں نفع حاصل ہوتا ہے۔ کہ اُنھوں نے اُس پر غور و خوض کرنا ترک کر دیا جس میں اُن کے لئے قطعی حُکم نہیں۔ اور اِس علم کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لَوٹا دیا۔ اور اِس طرح اُنھوں نے حقِ ربوبیت کو ادا کر دیا۔

جب کہ اولیاء اللہ اُسے جو کہیں وہ ممکن ہوتا ہے۔ پس اُس کا تسلیم کرنا ہر وجہ سے اَولیٰ و افضل ہے۔ اور یہ وُہی بات ہے جس کی طرف ہم نے دورۃ الفلک میں اشارہ کیا ہے اور ہمارے علاوہ دوسروں نے بھی یہی بات کہی ہے۔ جیساکہ امام ابی قاسم بن قیسی نے اپنی کتاب "خلع" میں بیان کیا ہے اور ہم نے یہ روایت اُس کے بیٹے سے کی ہے اور وہ قوم کے سرداروں سے تھا۔ اور اُس کا شیخ جس کے ہاتھوں پر اُسے اِس کا کشف ہوا وُہ شیوخِ مغرب سے بہت بڑا شیخ تھا۔ اور ابِل لبکہ اُسے ابن خلیل کہتے ہیں۔ تو ہم نے جس بات کا ذکر کیا ہے اُس پر اعتماد نہیں کرتے۔ مگر ہمارا اعتماد اُس پر ہے جو ہمیں اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ اِلقاء فرماتا ہے۔ اور اُس سے نہیں جن کے الفاظ کئی وجوہ سے محمول ہوتے ہوں۔ اور بعض کلام میں تمام تر احتمالات متکلّم کا مقصود ہوتے ہیں۔ جن تمام کے ساتھ وُہ کہتا ہے۔

پس دورۃ الملک اللہ تبارک و تعالیٰ کی وہ تمہید ہے جو اس نشاۃِ انسانیہ میں ترتیبات سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ تک ہیں۔ جن کے ساتھ اِس میں احکام الٰہیہ کا ظہور

ہوتا ہے۔

اجسامِ انسانی میں پہلا باپ

پس وہ تمام سردار خلیفہ کے خلفاء ہیں۔ تو اجسامِ انسانیہ میں سب سے پہلے جو وجود ظاہر ہوا وہ حضرت آدم علیہ السّلام تھے۔ اور وہ اِس جنس سے پہلے باپ ہیں۔ اور تمام اجناس کے آباء کا ذکر انشاء اللہ العزیز اِس باب کے بعد آئے گا۔ اور وہ پہلا باپ ہے جو اِس جنس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ظاہر ہوا۔ ولیکن جیسا کہ ہم نے مقرر کیا ہے۔ پھر اُس سے ہمارے باپ علیحدہ ہوئے۔ تو درست یہ ہے کہ پہلے باپ کا درجہ اُس کے بعد آنے والے باپ کے اُوپر ہو۔ اِس لیے کہ وہ اُس کی اصل ہے۔

دورۃ الملک سے تابعین کا ختم ہونا اُسی کی مانند ہے جس کے ساتھ شروع ہوا تا کہ پتہ چل جائے کہ فضیلت اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ وہ امر ہے جس کا اقتضاء پہلے باب میں اپنی ذات کے لئے کیا۔

حضرت آدمؑ اور مریمؑ باپ ہیں

پس حضرت عیسیٰ علیہ السّلام حضرت مریم علیہا السّلام سے پیدا ہوئے تو حضرت مریم علیہا السّلام بمنزلہ حضرت آدم علیہ السّلام کے تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نزول بمنزلہ حضرت حوّا علیہ السّلام کے تھا تو جیسے مذکر سے مؤنث پیدا ہوئی ایسے ہی مؤنث سے مذکر پیدا ہوا اور بغیر باپ سے بیٹے کو پیدا کرنے میں وہ مثال ختم ہو گئی جس کے ساتھ ابتدا ہوئی تھی جیسا کہ حضرت حوّا بغیر ماں کے پیدا ہوئیں۔ تو حضرت عیسیٰ اور حضرت حوّا دو بھائی

ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام دونوں کے دو باپ ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ
اٰلِ عمران ۵۹

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثل ایسے ہے جیسے آدمؑ کی مثل

عَدمِ البوّت میں مُذکر کی تشبیہہ کا واقع ہوتا اِس لئے ہے کہ یہ دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اُن کی والدہ کی برئیت میں نصب ہوئی۔ اور حضرت حوا علیہا السلام کے ساتھ تشبیہہ واقع نہیں ہوئی۔

عالم میں خلاء نہیں

کیونکہ عورت وجودِ حمل کے باعث اِس امر پر محلِ تہمت ہے کیونکہ عورت محلِ ولادت ہوتی ہے اور مرد کے لیۓ یہ مقام نہیں ہوتا اور دلائل سے مقصود شکوک کو رفع کرنا ہوتا ہے۔ حضرت حوا علیہا السلام سے حضرت آدم علیہ السلام میں التباس اور شُبہ واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا محل یہ نہیں کہ اُن سے صدُورِ ولادت ہو۔ اور یہ دلیل اُس کے نزدیک ہوگی جس کے نزدیک حضرت آدمؑ کا وجود اور اُن کی تکوین ثابت ہے اور تکوین اُن سے ہے جیسا کہ بیٹا بغیر باپ کے نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ماں کے بغیر نہیں ہوتا۔

پس یہ مثل معنیٰ کے طریق سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت حوا سلام اللہ علیہا کی طرح ہیں جب کہ اس امر میں انکار کرنے والوں کا دخل مؤنث ہونے کی حیثیت سے ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ عورت سے اولاد کا محلِ صدر ہے۔ اس لئے اُن پر تہمت لگائی گئی اور حضرت آدم کے لئے تشبیہہ حضرت مریمؑ کی برئیت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ عادت میں ممکن ہے۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا بغیر باپ کے حضرت مریمؑ سے ظہور فرمانا ایسے ہی ہے جیسے حضرت حوّا علیہا السّلام بغیر ماں کے حضرت آدم علیہ السّلام سے ظاہر ہوئیں اور وہ دوسرا باپ ہیں۔ جب حضرت حوّا حضرت آدم علیہ السّلام سے علیحدہ ہوئیں تو حضرت آدم علیہ السّلام کا وہ مقام نکاح کی خواہش سے معمور ہوگیا جس سے تناسل و توالد کے ظہور کا وقوع ہوا۔ حضرت آدم علیہ السّلام کا وہ مقام جہاں سے ہوا خارج ہوتی ہے۔ ہوا خارج ہونے کے وقت حضرت حوّاؑ کا جسم تھا۔ کیونکہ عالم میں خلا نہیں ہے۔ پس ہوا کے اس جز نے اُس مقام کو طلب کیا جہاں سے حضرت حوّا نے اپنی شخصیت کو اخذ کیا تھا۔

پس حضرت آدم علیہ السّلام نے اُس مقام کی طلب کے لئے حرکت کی تو اُسے حضرت حوّا علیہا السّلام کے ساتھ بھرا ہوا پایا۔ پس آپ اُس مقام پر واقع ہوئے اور جب اُس پر پردہ ڈالا تو وہ حاملہ ہوگئیں اور اولاد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ بنی آدم وغیرہ سے حیوان میں یہ سُنّت بالطبع جاری رہی۔

انسان نسخۂ عالم ہے

لیکن انسان کلمۂ جامعہ اور نسخۂ عالم ہے۔ لہٰذا عالم کی ہر چیز اُس کی جزء ہے اور انسان عالم سے کسی ایک چیز کے لئے جز نہیں۔ اس فصل اور اس پہلے منفصل کی ایجاد کا سبب اُس جنس میں ہم شکل کے ساتھ اُنس کو طلب کرنا ہے۔ جو خاص الخاص نوع ہے تاکہ عالمِ اجسام میں طبعی انسانی ملاوٹ کامل صورت کے ساتھ وقوع پذیر ہو۔ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ اور جو قلمِ اعلیٰ اور لوحِ محفوظ سے مشابہت رکھتی ہے اور جسے عقلِ اوّل اور نفسِ کُل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جب آپ قلمِ اعلیٰ کہیں گے تو اس

اشارہ کو اُس اَمر سے سمجھ لیں جو کاتب اور قصدِ کتابت کو متضمن ہے۔ اِس طرح آپ کے ساتھ شارع کے اِس قول کا معنیٰ قائم ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ——— الحدیث

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

کُن کا درمیانی رابطہ

پھر شارع علیہ السلام کی عبارت ایجادِ اشیاء کے سلسلہ میں کتابِ عزیز میں ہے۔ جو کُن کہلاتی ہے۔ پس کُن میں دو حرف لائے گئے جو بمنزلہ دو مقدموں کے ہیں اور جو کچھ کُن کے وقت نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

یہ دو حرف ظاہر ہیں اور تیسرا وہ ہے جو دونوں کے درمیان رابطہ ہے اور کُن میں پوشیدہ ہے اور وہ واؤ محذوف ہے۔ جو ساکنین کی ملاقات کے لئے ہے۔ ایسے ہی جب مرد اور عورت کا ملاپ ہوتا ہے۔ تو قلم کا وجود ظاہر نہیں ہوتا اور وہ ملاپ رحم میں نطفۂ غیب ڈال دیتا ہے۔

اِس لئے شارح کی زبان میں نکاح کو راز سے تعبیر کیا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلٰکِنْ لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا

ولیکن عدت کے دوران ان سے پوشیدہ نکاح کا وعدہ نہ کرو

ایسے ہی عند الملاقات دونوں حرکت سے ساکن ہو جاتے ہیں اور اخفاء قلم ممکن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تیسرا حرف واؤ ساکنین کے لئے کُن سے مخفی ہے کیونکہ اُس کے لئے بلندی ہے اور وہ رفع سے متولد ہوتی ہے اور اُس سے

اشباعِ ضمّہ ہے اور وہ یعنی واؤ حروفِ علّت میں سے ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

اگر تجھے پیدا نہ کرتا

یہ اُس وقت ہوگا جب مُلک خاص انسان سے عبارت ہوگا۔ کیونکہ ہم جمیع ماسوا اللہ پر اُس کی سرداری کی طرف نظر کرتے ہیں جیسا کہ حدیث کی روایت میں بعض لوگوں کا مذہب ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

لَولَاكَ یا مُحَمَّد ما خلقت سماء و لا ارضًا و لا جنۃ و لا نارًا

یا محمدؐ اگر آپ نہ ہوتے تو میں نہ آسمان کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو، نہ جنّت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ کو۔

یعنی اپنے سوا تمام موجودات کا باعث حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بتایا۔

اور ماسوا اللہ ہر مخلوق کا ذکر کیا تو موجودِ اوّل سے اس میں نفسِ کُلیہ اوّل علیحدہ کرنے والا ہوگا اور وہ عقلِ اوّل ہے اور اس میں آخری موجودِ آدم سے علیحدہ ہونے والی ہستی حضرت حوّا ہیں۔

اجناسِ عالم کیا ہیں

چنانچہ اجناسِ عالم میں سے آخری موجود انسان ہے۔ اس لئے کہ عالم کی چھ اجناس ہیں اور ہر جنس کے تحت انواع ہیں اور ہر انواع کے تحت انواع ہیں۔

جنسِ اوّل مَلک، دُوسری جِنّ، تیسری معدنیات، چوتھی نباتات اور پانچویں

جنس حیوانات ہے جب کہ فرشتے کی انتہا و تمہید اور استواء ہُوا۔ اور چھٹی جنس انسان ہے اور وہ اس مملکت پر خلیفہ ہے اور وہ آخر میں اس لئے پیدا ہُوا کہ حقیقتاً بالفعل امام ہو نہ کہ صلاحیت اور قوت سے۔

اوّل بھی تُو آخر بھی تُو

جب انسان کا وجود پیدا ہُوا تو اُسے والی اور سلطان ملحوظ پایا گیا۔ اور جب اُس کے جسد کی پیدائش مؤخر ہوئی تو اُس کے لئے نائبین مقرر ہوتے اور اُس کے پہلے نائب اور خلیفہ حضرت آدم علیہ السّلام ہوتے۔ پھر اُن کی اولاد اور اتصالِ تناسل ہُوا اور ہر زمانہ میں خلفا متعین ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جسدِ اطہر پیدا ہُوا۔ تو آپ سُورج کی طرح روشن اور ظاہر و باہر تھے۔ چنانچہ ہر نُور آپ کے درخشندہ نُور میں درج ہوگیا اور ہر حکم آپ کے حُکم میں غائب ہوگیا اور تمام شریعتیں آپ کی اطاعت گذار ہوگئیں اور باطن سے آپ کی سیادت ظاہر میں آگئی۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

پس آپ ہی اوّل و آخر اور ظاہر و باطن ہیں اور ہر چیز کو جاننے والے ہیں

اوّلین و آخرین کے عالم

آپؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے جوامع الکلم یعنی جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں اور آپ نے فرمایا!

ضرب بيده بين كتفي فوجدت بردا نامله بين ثديي فعلمت علم الاولين والآخرين ، ، الحدیث ،

یعنی میرے پروردگار نے میرے دونوں کاندھوں کے درمیان تھپکی دی تو میں نے اُس کی اُنگلیوں کی ٹھنڈک اپنی چھاتیوں میں محسوس کی تو میں نے اوّلین و آخرین کے علم کو جان لیا۔

پس آپ کو وہ تخلق اور نسبتِ الٰہی حاصل ہو گئی جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بیان کی ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
الحدید آیت ۳

وُہی پہلے ہے۔ وُہی پیچھے ہے۔ وُہی ظاہر ہے وُہی پوشیدہ ہے وُہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تلوار اور رحمت

اور سورت حدید میں یہ آیت آئی ہے۔

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الحدید آیت ۲۵

اور ہم نے لوہے کو نازل فرمایا کہ اس کے اندر شدید ہیبت ہے۔ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی۔

اِس لئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار کے ساتھ مبعوث ہوئے اور رحمتُ لِلعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ اور آپؐ ہر چیز سے علیحٰدہ ہو گئے اور آپؐ اُس سے ہر چیز کو معمور فرماتے والے ہیں جس سے آپ علیحٰدہ ہوئے۔

آپؐ کے ساتے نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے

جیسا کہ ہم نے کہا کہ عالم میں خلاء باقی نہیں۔ چنانچہ آپؐ کے ظلِ مبارک نے

اُس جگہ کو معمُور فرما دیا۔ جہاں سے آپؐ علیحدہ ہُوئے تھے۔ کیونکہ آپؐ کا اتصال نوُر کی طرف تھا اور وہ نوُر ظہوُر کے لیئے ہے۔ چنانچہ جب آپؐ اپنی ذات کے ساتھ نوُر کے بالمقابل ہُوئے تو آپؐ کا سایہ دراز ہو گیا اور اُس نے مقامِ انفصال کو معمُور کر دیا۔ اور وہ اِس علیحدگی سے گم نہیں ہُوا۔ اور جس کی طرف منفصل ہُوا اُسی کی طرف وہ مشہوُد ہے اور جس سے منفصل ہُوا اُس کے لئے بھی وہ مشہوُد ہے۔

اور اُس کہنے والے کی مُراد کا یہی معنیٰ ہے جس نے کہا۔

اشہد تک موجوداً بکلِ مکانٍ ۔ الحدیث

یعنی۔ مَیں تیری گواہی دیتا ہُوں کہ تجھے ہر جگہ موجوُد پایا۔

سائے کیوں گھٹتے بڑھتے ہیں

عالم کے اسرار سے یہ بھی ہے کہ اِس دُنیا سے جس چیز کی پیدائش ہو اُس کا سایہ پہلے برابر ہوتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے تا کہ وُہ ہر حال میں اپنے رَبّ کی عبادت کے ساتھ قائم رہے۔ پیدا ہونے والا خواہ اطاعت گذار ہو یا نافرمان۔ اگر وہ اہلِ موافقت سے ہے تو اُس کا سایہ اور وہ برابر ہوتے ہیں۔ اگر اگر وہ مخالف ہو تو اُس کا سایہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت میں اُس کا نائب ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۔ الرعد آیت ۱۵

اور اُن کے سائے صبح شام اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں۔

بادشاہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے

سُلطان زمین میں خدُا کا سایہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کا ظہور اسمائے الٰہیہ

کی اُن تمام صُورتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو عالم دُنیا میں اثرات مرتّب کرتی ہیں۔ اور آخرت میں عرش اللہ تبارک و تعالیٰ کا سایہ ہوگا۔ پس سائے حِساً اور معناً صُورت کی اتباع کرتے ہیں۔ چُونکہ حِس قاصر ہوتی ہے اس لیئے صُورتِ معنویہ کے لئے ظلِ معنوی کی کی قوت سے مقوی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ مُقیدّ نوُر کے لیئے استدعا کرتی ہے جب کہ حِس میں قید، تنگی اور عدم وسعت پائے جاتے ہیں۔ اِس لئے ہم نے ظلِ معنوی پر آگاہ کیا ہے۔ شریعت سے حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے۔

السُّلطان ظل اللّٰہ فی الارض، الحدیث

بادشاہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے۔

اِس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ سایوں کے ساتھ مکانات معمُور اور بھرے ہُوئے ہیں۔ یہاں ہم نے اُن گوشوں کا ذکر کر دیا ہے جو اس باب کے لائق تھے۔ اور مزید وہ اُمر بیان نہیں کیا جس میں طوالت کا خوف اور دِلوں کے رنجیدہ ہونے کا ڈر تھا۔ اور اِس میں ہم نے صاحبِ عقلِ سلیم کے لئے کافی و وافی بیان کر دیا ہے اور یہ تذکرہ اُن اہلِ اللہ کے لئے کیا گیا ہے جو اُس چیز کے ساتھ شاہد و عالم اور مشغول رہنے والے ہیں جو بلند ہے یا اُس چیز کے ساتھ غافل ہیں جو پسّت ہے۔ تو وہ ہمارے اس ذکر کی طرف رجوع کریں گے جو اس باب میں ناظر کے لئے بیان کیا۔

اہلِ فترت کا حال

فصل :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ کے درمیان جو مرتبۂ عالم ہے۔ وہ اہلِ فترت ہیں اور وہ اُس تجلّی کی حیثیت سے مختلف مرتبوں پر فائز ہیں۔ جو اُن کے لئے علم اسماء کے جاننے اور

نہ جاننے سے ہے۔ اُن میں سے حق تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل وہ لوگ ہیں جن کے غور و فکر کے وقت اُن کے قلب پر تجلّی واقع ہوتی ہے۔ اور وہ صاحبِ دلیل ہیں۔ اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور پر تھے جس کا اِمتزاج اُن کے فکر کے ساتھ تھا۔ تو یہ قیامت کے دن اُمّتِ واحدہ کی صُورت میں مبعوث ہوں گے۔ جیسا کہ قیس بن ساعدہ اور اُن کی مثل، کیونکہ اِن کا ذکر خطبہ میں کیا گیا۔ جس پر یہ دلیل ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مخلوقات کا ذِکر کیا اور اِس میں اِن کا اعتبار کیا۔ اور یہ وہ فکر ہے جس سے وہ اپنے قلب میں اُس نورِ وِجدان کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کو مانتے تھے۔ جسے وہ بغیر فکر و رویت اور نظر و استدلال کے ہٹانے پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ پس وہ اپنے رب کے نور پر بغیر امتزاج کے خالص تھے۔ اور وہ قیامت کے دن ننگے پاؤں اُٹھائے جائیں گے۔

یہ طبقہ مومنوں کا ہے

اِن میں سے وہ ہیں جن کی ذات میں اِنفراد ہوا اور وہ شدّتِ نور وصفا کے کشف سے مطلع ہوئے اور اپنے خلوص و یقین کی وجہ سے حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر اور آپؐ کی سرداری پر ایمان لائے اور حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانہ سے اُس وقت تک آپؐ کی عام رسالتِ باطنی سے آگاہ ہوئے تو عالمِ غیب میں اور اللہ ربّ العزّت کی شہادت سے آپؐ پر ایمان لائے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ — ھود آیت ۱۷

جو اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل عقلی پر ہوں اور اِس سے

اُس کی طرف سے ایک گواہ بھی آ چکا ہو۔

چنانچہ اُس کا دِل اُس کے کشف کے مطابق اُس کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔ تو یہ لوگ قیامت کے دن حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے باطن پر محشور ہوں گے۔

یہ لوگ بھی ایمان والے ہیں

اِن میں سے جو لوگ اپنے پہلوں سے ملّتِ حق کی اتباع کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ لوگ جو یہود و نصاریٰ یا ملّتِ ابراہیمؑ کی اِتّباع کرنے والے تھے اور یہ کہ اُسے اُن کے نبی ہونے کا علم دیا گیا ہو، اور وہ جانتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مخصوص گروہ کو حق کی طرف بُلانے والے رسُول ہیں اور یہ جان کر اُن اِتّباع کی اور اُن پر ایمان لایا اور اُن کے راستے پر چلا اور اُس چیز کو اپنے اُوپر حرام کیا جو اُس رسُول نے حرام کی تھی اور اپنی ذات کو اُس شریعت کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصرُوف رکھا۔ اگرچہ یہ اُس پر واجب نہ تھا اس لیے کہ وہ رسُول علیہ السّلام اُس کی طرف مبعُوث نہیں ہوئے تھے۔ تو یہ شخص قیامت کے دن اُس رسُول کی اِتّباع کرنے والوں سے محشور ہو گا۔ اور اُس نبی کی شریعت میں ظاہر ہو گا۔ اور اُس کے زُمرہ میں تمیز کیا جائے گا۔ جب کہ ظاہر میں اُس نے نبی کی شریعت کو اپنے لیے مقرّر کیا ہو۔

پہلی کتابوں میں آپؐ کا ذِکر پڑھنے والے

اِن میں سے اَیسے لوگ ہوں گے جنہوں نے انبیاء علیہم السّلام کی کتابوں میں حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے شرف اور آپؐ کے دین

کے بارے میں مطالعہ کیا ہو گا۔ اور آپ کی اِتباع کرنے والوں اور آپؐ پر ایمان لانے والوں اور تصدیق کرنے والوں کے ثواب کے بارے میں پڑھا ہو گا۔ اگرچہ وہ پہلے گذرنے والے کسی نبی کی شریعت میں داخل نہ ہو جو مکارمِ اخلاق لایا ہو تو اُس شخص کا حشر بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ مومنین میں ہو گا۔ نہ کہ عالمین میں۔ ولیکن یہ شخص حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ظاہریت میں ہو گا۔

دوہرے اجر والے

اِن میں سے وُہ ہے جو اپنے نبی کے ساتھ ایمان لایا۔ اور حضورِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا زمانہ دیکھا تو آپؐ کے ساتھ بھی ایمان لایا تو اُس کے لئے دوہرا اجر ہو گا۔ اور یہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سعادت مند ہیں۔

بد بخت اہلِ فترت

اِن میں سے جو معطّل ہو گا تو وہ نظرِ قاصر سے وجُود کے ساتھ اقرار نہیں کریں گے۔ یہ قصُور اُس کی نظر کے ساتھ اُس کی انتہائی قوّت کی طرف ہے جو اس کے علاوہ قوّت سے کمزوری کے لیئے اُس کے مزاج میں ہے اور اِن میں وُہ ہے جو نظر سے نہیں بلکہ تقلید سے معطّل ہو گا۔ تو یہ مطلق شقّی اور بد بخت لوگ ہیں۔

یہ بھی بد بخت ہیں

اور اِن میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے طریقِ حق میں خطائے نظری سے

شرک کیا۔ باوجودیکہ وہ اِس بات کی کوشش کرتے تھے کہ اِس کی قوت عطا کی جائے۔

اِن میں سے بعض نے شرک کیا۔ اگرچہ استقصائے نظر سے نہ ہو تو یہ بھی شقی اور بدبخت ہیں۔

اِن میں سے بعض نے تقلیداً شرک کیا تو یہ بھی شقیّ اور بدبخت ہیں۔ اور اِن میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنی نظر کی پہنچ تک اثباتِ حق کیا اور بعد میں معطّل ہو گئے۔ جس میں جو انتہائی قوت ہے وہ اِس پر ضعف کے لئے ہے۔ اِن میں سے وہ ہیں کہ اُن پر تحقیقِ نظر یا تقلید کے بغیر اثباتِ حق ہُوا اور وہ اِس کے بعد معطّل ہو گئے۔ تو یہ بھی شقیّ اور بدبخت ہیں۔

یہ تمام مراتب اہلِ فترت کے ہیں جن کا ذکر ہم نے اِس باب میں کیا۔

اَلحمدُ للہ دسویں باب کا ترجمہ تمام ہُوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

گیارہواں باب

ہمارے بلند باپوں اور سفلی ماؤں کی معرفت کا بیان

أنا ابن آباء أرواح مطهرة ... وأمهات نفوس عنصريات

ما بين روح وجسم كان مظهرنا ... عن اجتماع بتعنيق ولذات

ما كنت عن واحد حتى أوحده ... بل عن جماعة آباء وأمات

هم للازله اذا حققت شأنهمو ... كصانع صنع الاشياء بآلات

فنسبة الصنع للنجار ليس لها ... كذاك أوجدنا رب البريات

فيصدق الشخص فى توحيد موجده ... ويصدق الشخص فى اثبات علات

فان نظرت الى الآلات طال بنا ... اسناد عنعنة حتى الى الذات

وان نظرت اليه وهو يرحدنا ... فلنا بوحدته لا بالجماعات

أنى ولدت وحيد العين منفردا ... والناس كلهمو أولاد علات

میں آباءِ ارواحِ مطہرہ اور اُمّہاتِ نفوسِ عنصریات کا بیٹا ہوں۔

جو رُوح و جسم کے درمیان ہے۔ وہ اجتماعِ معانقہ اور لذات سے ہمارے ظہور کا مقام ہے۔

میں ایک سے نہیں ہوں کہ اُسے ایک کہوں بلکہ آباؤ و اُمّہات کی ایک جماعت سے پیدا ہوا ہوں۔

اگر اُن کے حال کی تحقیق کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے کاریگر ہیں۔ جو اشیا کو آلات کے ساتھ گھڑتا ہے۔

نجار کے لئے نسبتِ صنعت اُن چیزوں پر نہیں۔ ایسے ہی ہمیں ربّ البریّات نے پیدا فرمایا ہے۔

شخص کا وجُود اپنے مُوجد کی توحید کا مُصدّق ہے اور شخص کی تصدیق علّات کے اثبات میں ہے۔

اگر آلات کو دیکھیں گے تو ذات کی طرف اسناد لانے میں ہمارے ساتھ طوالت ہو گی۔

اگر اُس کی طرف نظر کرے گا تو اُس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہم اُس کی وحدانیّت بیان کرتے ہیں جماعتوں کے ساتھ نہیں۔

مَیں وحید العین اکیلا پیدا ہُوا ہوں اور تمام لوگ عُلّات کی اولاد ہیں۔

علوی باپ سفلی مائیں

اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے۔ جاننا چاہیئے کہ چُونکہ اس عالم کا مقصُود انسان ہے اور وہ اس عالم کا امام ہے۔ اِس لئے ہم نے آباؤ اُمّہات کی طرف اضافت کی تو ہم نے کہا۔ ہمارے باپ علویّات اور مائیں سفلیات ہیں۔

تو ہر مؤثر اِس میں ماں ہے۔ اِس باب کے لئے یہی وہ ضابطہ ہے اور اِس اثر سے دونوں کے درمیان متولّد ہونے والے کا نام بیٹا ہے اور علوم کے نتائج میں ایسے ہی معانی پائے جاتے ہیں۔ وہ دو مُقدموں کے ساتھ ہے۔ ایک سے دُوسرے کا نکاح اُس ایک فرد کے ساتھ ہے جو اِس میں تکرار کرتا ہے اور وہ رابطہ ہے۔ اور یہی نکاح ہے۔

جس سے دونوں کے درمیان نتیجہ کا صدور ہوتا ہے اور یہی مطلوب ہے۔

پس تمام ارواح باپ ہیں اور طبیعت ماں ہے۔ اس لئے وہ محلِ استحالات ہوتی ہیں اور یہ ارواح اُن ارکان پر متوجہ ہوتے ہیں جو عناصر تغیّر اور استحالہ کے قابل ہوتے ہیں۔ اس میں مولدات ظاہر ہوتے ہیں اور یہ معدنیات ونباتات حیوانات وجنّات ہیں۔ اِن سب سے کامل انسان ہے۔

چار عورتوں سے نکاح کیوں؟

ایسے ہی ہماری شریعت تمام شریعتوں سے کامل تر آئی ہے۔ اِس حیثیت سے کہ وہ تمام حقائق کو اُٹھانے والی اور جاری کرنے والی ہے۔ پس یہ جامع کلمات لائی ہے اور چار عورتوں کے نکاح پر کفایت کی ہے۔ اور اِس سے زیادہ طریقِ نکاح موقوفِ عقد پر حرام ہوگی۔ مگر اِس میں ملکِ یمین داخل نہیں اور اُس پانچویں امر کے مقابلہ میں ملکِ یمین مُباح ہے جس کی طرف بعض علمآ گئے ہیں۔

اِس لئے عالمِ طبیعت سے چار ارکان ہیں اور عالمِ عُلوّی سے چار کے ساتھ اِن کا نکاح ہے۔ اِن چاروں کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے پیدا فرماتا ہے۔ جو اِن میں سے پیدا ہوتا ہے۔

اَصل کیا ہے

اِس میں چھ مختلف مذاہب ہیں۔ ایک طائفہ کا گمان ہے کہ اِن چاروں میں سے ہر چیز فی نفسہٖ اَصل ہے۔

ایک طائفہ کہتا ہے! آگ رُکن ہے اور وہ اَصل ہے۔ اور اِس سے

جو کثیف چیز ہے وُہ ہُرا ہے اور جو ہَوا سے کثیف ہے وُہ پانی ہے اور جو پانی سے کثیف ہے وُہ مٹّی ہے۔

ایک طائفہ کہتا ہے کہ ہَوا رُکن کی اصل ہے۔ اور ہَوا سے جو گرم ہے وہ آگ ہے اور جو اِس سے کثیف ہے وُہ پانی ہے۔

ایک طائفہ کہتا ہے کہ پانی رُکن ہے اور وُہ اصل ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ مٹّی رُکن ہے اور وُہ اصل ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ وُہ پانچواں اَمر اصل ہے۔ جو اِن چاروں میں سے نہیں۔ اور وُہ یہ ہے۔ جیسے ہم نے بمنزلہ ملکِ یمین کے مقرّر کیا ہے۔

پس ہماری شریعت نکاح میں تمام مذاہب سے کامل تر ہے اور یہ مذہب پانچویں اصل کے ساتھ ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک یہی اَصل ہے اور اِس کا نام طبیعت ہے۔ کیونکہ طبیعت معقولِ واحد ہے اور اِس سے آگ کا رُکن اور جمیع ارکان ظاہر ہوتے ہیں۔

ارکان کی مُنافرت

کہتے ہیں کہ آگ کا رُکن طبیعت سے ہے۔ اور وُہ اِس کا عین نہیں اور یہ نادرست ہے کہ وہ عین اَربعہ کو جمع کرنے والا ہے۔ کیونکہ بعض ارکان کی ایک دُوسرے سے کُلی طور پر منافرت ہے۔ اور بعض ایک دُوسرے سے کِسی ایک اَمر میں نفرت کرتے ہیں۔ جَیسا کہ آگ اور پانی تمام وجُوہ سے ایک دُوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور اَیسے ہی ہَوا اور مٹّی کا حال ہے۔

اِسی لیئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وجُود میں حکیمیہ طور پر حالات کو مُرتّب کیا ہے۔ پس اگر ایک نفرت کرنے والے کو دُوسرے نفرت کرنے

والے کا ہمسایہ بنا دیا جائے تو اُس کی طرف استحالہ ہو جاتا ہے۔ اور حکمت باطل ہو جاتی ہے۔

نفرت کیسے دُور کی

پس ہوا کو آگ کے رُکن کے ساتھ ملایا اور دونوں کے درمیان حرارت کا اجتماع ہے، پانی کو ہوا کے ساتھ ملایا اور دونوں کے درمیان رطوبت کا اجتماع ہے۔ مٹی کو پانی کے ساتھ ملایا اور دونوں کے درمیان ٹھنڈک کا اجتماع ہے۔

چنانچہ باپ مستحیل کرنے والا اور ماں مستحیل ہے۔ اور استحالہ نکاح ہے۔ اور جس کی طرف استحال ہوتا ہے وہ بیٹا ہے۔ پس کلام کرنے والا باپ، سننے والی ماں اور تکلّم کا نام نِکاح ہے۔ اور سننے والے کے فہم میں اس سے بیٹا موجود ہے۔

پس ہر باپ علوی ہے۔ کیونکہ وہ مؤثر ہے۔ اور ہر ماں سفلی ہے کیونکہ اُس میں اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔ اور دونوں کے درمیان ہر نسبت معینہ نکاح اور توجّہ ہے۔ اور ہر نتیجہ بیٹا ہے اور یہاں متکلّم کے قول کو سمجھتا ہے جس سے اُس کے قیام کا ارادہ کرتا ہے۔ تو قُم کہتا ہے۔ تو لفظِ "قُم" کے اثر سے قیام کے ساتھ مُراد قائم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سننے والا قائم نہیں ہوتا اور بلا شک وہ ماں ہے۔ تو وہ بانجھ ہے۔ اور جب بانجھ ہو گی تو اس حالت میں ماں نہیں ہو گی۔

باپ باپوں میں ماں ماؤں میں ساری ہیں

یہ باب اُمہات کے لئے مخصوص ہے۔ عالم علویہ سے پہلا باب معلوم ہے اور عالم سفلیہ سے پہلی ماں معدوم و ممکن شئے ہے، پہلا نکاح قصد اُمر کے ساتھ ہے اور یہ پہلا بیٹا اُس شئے کا وجودِ عین ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

یہ باپ باپوں میں اور یہ ماں ماؤں میں سرایت کئے ہوتے ہے اور یہ نکاح ہر چیز میں ساری ہے اور نتیجہ دائمی ہے اور ظاہر وجود کے حق میں منقطع نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک اس کا نام تمام ذریتوں میں جاری و ساری نکاح ہے۔ ہم نے جو کہا اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل ہے۔

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ النحل آیت ۴۰

جس چیز کا ہم ارادہ کرتے ہیں۔ تو اُس سے یہی فرماتے ہیں۔ ہو جا۔ تو وُہ ہو جاتی ہے۔

ہمارے لئے اس میں ایک بزرگ کتاب ہے۔ جیسے دیکھنے والا بینائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو جو پہلے ہی نابینا ہوں اُن کی حالت کیسی ہو گی۔

یہ ایک اَمرِ عظیم ہے

اگر آپ اِس مقام کو اور اِن اسماء الٰہیہ کے اعلام کی توجیہات کو دیکھیں گے تو ایک امرِ عظیم کو دیکھیں گے اور ایک عظیم الشان مقام کا مشاہدہ کریں گے۔ پس عارف اس مقام کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی تنزیہہ اور اُس کے پہلے اور بعد اُس کی صنعتِ جمیل ہے۔

پس ہم نے آپ کے روشن فہم اور صائب نظر کی طرف ساری پہلے باپ کا اشارا کیا ہے اور وہ اسم جامع اعظم ہے جس کی زبر، زیر اور پیش

کے حکم میں تمام اسماء اُس کی اتباع کرتے ہیں۔ اور پہلی اور آخری ماں تمام بیٹوں میں مؤنث کی نسبت میں ساری ہے۔ پس ہم اِن آباء و اُمہات کے حق میں وضعِ الٰہی کے ساتھ جو اسبابِ موضوعہ ہیں۔ اُن کا آغاز کرتے ہیں اور اُس بیان کو شروع کرتے ہیں جو اِن دونوں کے اِتصال سے حسی اور معنوی نکاح کے ساتھ مشروع ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے بیٹے تناسلِ انسانی کی طرف اصل تک حلال بیٹے ہوں اور وہ دُوسری نوع ہو گی اور وہ قصدِ تعین کے ساتھ پہلا مبدع ہے۔

قلمِ اعلیٰ پہلے پیدا ہوئی ہے

ہم کہتے ہیں کہ وہ عقل ہے جو سب سے پہلے پیدا ہوئی اور وہ قلمِ اعلیٰ ہے اور اس کے علاوہ کوئی چیز پیدا نہ کی گئی تھی اور وہ لوحِ محفوظ کے اُٹھانے سے اس میں مؤثر تھی جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمایا تھا۔ جیسا کہ اجرام میں حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت حوّا علیہا السّلام کو اُٹھایا گیا تھا۔ تاکہ یہ لوح وہ مقام و محل ہو جس میں اس قلمِ اعلیٰ الٰہیہ سے لکھا جائے اور دلالت کے لئے اُن حروفِ موضوعہ کو رقم کیا جائے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُس پر دلائل بنایا ہے۔ پس لوحِ محفوظ اُٹھایا جانے والا پہلا موجود ہے۔

شریعت میں وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ پھر لوح کو پیدا فرما کر قلم کو حکم فرمایا۔ لکھ دے۔ قلم نے کہا۔ کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! لکھ اور میں تجھ پر املاء کرتا ہوں۔ پس قلم نے لوح پر خط کشید کیا جس پر حق نے املاء کروائی اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا خلقت کے بارے میں علم تھا جو قیامت تک پیدا ہو گا۔ پس قلم اور لوحِ محفوظ کے درمیان نکاح معنوی معقول اور اثرِ حسی مشہود ہوا۔ ہمارے نزدیک

یہاں تحریر کردہ حروف کا عمل ہے اور اُس بار دافق کی مثل اثر ہے جو لوح میں ودیعت کیا گیا جو مؤنث کے رحم میں حاصل ہوتا ہے اور ان حروفِ جرمیہ میں جو اس کتابت کے ساتھ ودیعت کئے گئے۔ معانی سے ظاہر ہوتا ہے۔ بمنزلہ اُن کے اجسام میں ودیعت کی گئی۔ اولاد کے ارواح کے لیے۔ پس اس پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔

سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا

اس لوحِ عاقل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اُس کی طرف وحی ہونے والا حق مقرر فرمایا اور وہ اُس کی حمد کی تسبیح بیان کرنے لگی جس کی تسبیح کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ اسے اللہ تبارک و تعالیٰ جانتا ہے یا وہ جان سکتا ہے جس کی سماعت کو اللہ تعالیٰ کھول دے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے صحابۂ کرام کی سماعت کو کھول دیا تھا کہ انہوں نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طیب و طاہر کفِ دست مبارک میں سنگریزوں کی تسبیح کو سن لیا۔

ہم کہتے ہیں کہ ان کی سماعت کو کھولا گیا تھا۔ ورنہ کنکریوں کو جب سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ وہ ہمیشہ سے اپنے موجد کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہیں تو یہ ادراکِ سمعی خرقِ عادت سے تھا نہ کہ اس میں۔

دو صفات ہیں

پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں دو صفات پیدا فرمائیں۔ ایک صفت علم ہے

اور دوسری صفت عمل ہے۔ پس صفت عمل کے ساتھ اُس نے عالم کی صُورتوں کو ظاہر فرمایا۔ جیسا کہ نجار کے عمل کے وقت آنکھ کے لئے تابوت کی صُورت ظاہر ہوتی ہے پس اس کے ساتھ صُورتیں عطا ہوتی ہیں۔

صُورتوں کی قسمیں

صُورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ صُوَرِ ظاہرہ حسّیہ اور یہ اجرام اور وہ اشیاء ہیں جو اُن کے مُتصل حس کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں جیسا کہ اشکال و الوان اور اکوان، یعنی شکلیں، رنگ اور عوالم۔

نمبر دو۔ صُوَرِ باطنیہ معنویہ غیر محسُوسہ۔ اور یہ وہ ہیں جن میں علوم و معارف اور ارادے ہیں۔ اور آپ کے لئے جو ظاہر ہے انہی دو صفتوں سے ظاہر ہے۔

چنانچہ جو صُورتیں صفتِ علامت ہیں وہ باپ ہے کیونکہ وہ مؤثر ہے اور صفتِ عاملہ ماں ہے۔ کیونکہ اُس میں مؤثر ہے اور ایسی صُورتیں ظاہر ہوتی ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

مہندس کا نجار کو سمجھانا

نجار مہندس جب عالم ہو اور کام کو اچھی طرح نہ جانتا ہو تو وہ اُس کام کو اُس کے سپرد کر دیتا ہے جس کے بارے میں اُس نے اچھا کام کرنے والا سُن رکھا ہو اور یہ القاءِ نکاح ہے۔ پس مہندس کا کلام باپ ہے اور سامع کو قبول کرنا ماں ہے۔ پھر سامع کا علم باپ اور اُس کے جوارح ماں ہوتے ہیں۔

اگر آپ چاہیں تو کہہ لیں کہ مہندس باپ ہے اور وہ کاریگر جو نجار ہے ماں ہے۔ اس حیثیت سے کہ اُسے مہندس کی طرف سے یہ اَمر حاصل ہوا ہے

چنانچہ جب اُس میں اثر ہُوا تو مہندس کی قوّت نفسِ نجّار میں نازل ہو گئی اور نجّار کے لئے اُس کی باطنی صُورت ظاہر ہو گئی جس سے مہندس نے اُس کی طرف ڈالا تھا۔ اور اُس کے خیال کے وجُود میں قائمہ ظاہرہ حاصل ہُوا جو اُس کے لئے بمنزلہ اُس بیٹے کے ہے جو مہندس کی طرف سے اُس کے لئے اُس کا فہم پیدا ہُوا۔

پھر نجّار کا عمل باپ ہے اور لکڑی میں جو اُس کی کارگیری ہے۔ وہ اُن آلات کے ساتھ ماں ہے جس کے ساتھ نکاح واقع ہُوا۔ یہ قدوم کے ساتھ ہر ضرب کا اثر ہے یا منشار یعنی آری کے ساتھ کاٹنا ہے اور نجّار کی کاٹی ہُوئی چیز پر قطع وفصل اور جمع صُورتوں کے پیدا کرنے کے لئے ہے۔ پس تابُوت یعنی صندوق ظاہر ہُوا، جو خارج حس کے لئے بمنزلہ بیٹے کے پیدا ہونے کے ہے، ایسے ہی آباؤ اُمّہات وابناء اور کیفیّتِ انتاج پر غور فرمائیں۔

کِس وجہ سے باپ ہے

ہر وُہ باپ جس کے پاس صفتِ عمل نہیں وہ اس وجہ سے باپ نہیں اگر وہ عالم ہوتا اور کلام یا اشارہ کے ساتھ آلۂ توصیل کو منع کرتا۔ تاکہ انہام واقع ہو اور وہ عامل نہیں تو تمام وجوہ سے باپ نہیں ہوگا اور وہ ماں ہو گی اِس لئے کہ اُس کی ذات میں علوم کا حصُول اُس کے علاوہ ہے کہ جنین میں روح ماں کے پیٹ میں پیدا نہیں ہوتی یا اپنی ماں کے پیٹ میں مرجاتا ہے تو اُس کی ماں کی طبیعت تصرّف کی طرف مستحیل کرتی ہے اور اُس کی عین ظاہر نہیں ہوتی۔ پس غور فرمائیں۔

پہلی ماں جڑواں ہے

اِس کے بعد کہ آپ ممکنات میں سے دُوسرے باپ کو جان چکے ہیں اور وہ ماں ہے اور وہ قلم اعلیٰ کے لئے دُوسری ماں ہے جس سے اُس کی طرف القاءِ اقدس سے ڈالا گیا وہ رُوحانی طبیعت اور ہباء ہے۔

پس پہلی ماں جڑواں پیدا ہُوئی تو جو پہلے ڈالا گیا وُہ طبیعت ہے پھر اِس کی اِتباع ہباء نے کی تو طبیعت اور ہباء ایک باپ اور ایک ماں کے لئے بہن بھائی ہیں پس طبیعت کی ہباء سے مناکحت ہُوئی تو دونوں کے درمیان جسمِ کُلّ کی صُورت پیدا ہُوئی اور وہ پہلا ظاہر جسم ہے۔ پس طبیعت باپ ہے کیونکہ وُہ مؤثر ہے اور ہباء ماں ہے جس میں اثر ظاہر ہُوا اور اِس کا نتیجہ جسم ہے

نزُولِ توالد

پھر مخصوص ترتیب بر عالم میں مٹی کی طرف نزُولِ توالد ہُوا جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب میں کیا جس کا نام "عقلتہ المستوفز" ہے۔ اِس میں اِس امر کا طویل بیان ہے جس کی اِس باب میں گنجائش نہیں۔ کیونکہ ہماری غرض اختصار ہے اور ہم مرکز کے ساتھ نہیں کہتے بلکہ ہم نہایتِ ارکان کے متعلق کہتے ہیں اور بڑا رُکن چھوٹے کو جذب کر لیتا ہے۔ اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ بخار اور آگ دونوں بلندی کو طلب کرتے ہیں اور اُس جیسی چیزیں پستی کو طلب کرتے ہیں۔ توجیہات مختلف ہوگئیں اور یہ امر دونوں سے اُن کی استقامت پر ہے۔ یعنی وُہ بلندی اور پستی کو طلب کرتے ہیں۔

مرکز کون ہے

کیونکہ مرکز کا قائل کہتا ہے کہ یہ معقول اور دقیق امر ہے جسے ارکان طلب کرتے ہیں۔ اگر دائرہ کے لئے مٹی نہ ہوتی تو مرکزیت پانی کے لئے ہوتی۔ اور اگر پانی کے لئے مرکز نہ ہوتا تو ہوا سے ہوتا۔ اور اگر ہوا کا دائرہ نہ ہوتا تو مرکز آگ کے لئے ہوتا۔ جیساکہ مرکز کا قائل کہتا ہے اگر یہ ہوتا تو ہم دیکھتے کہ بخار پستی کو طلب کرتا ہے۔ جب کہ حس اس کے خلاف گواہی دیتی ہے۔ اس فصل کو ہم نے اپنی کتاب "المرکز" میں بیان کیا ہے اور وہ ایک لطیف جز ہے۔ ہم نے جب کبھی اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے تو کُرتوں سے نقطہ کی مثال کی جہت سے کیا ہے جس سے محیط پیدا ہوا۔ اس لئے کہ اس میں ہماری غرض معارف الٰہیہ اور نسبتوں کے متعلق ہے۔ کیونکہ نقطہ سے دائرہ کی طرف نکلنے والے خطوط برابر ہوتے ہیں تاکہ نسبتوں کو برابری حاصل رہے اور وہاں فضیلت واقع نہ ہو۔ کیونکہ اگر تفاضل واقع ہوگا تو مفضول کے نقص کی طرف لوٹے گا اور امرِ واقعی ایسا نہیں ہے۔ ہم نے اسے عنصرِ اعظم مقرر کیا ہے اور اس پر آگاہ کیا ہے کہ بڑے کا حکم چھوٹے پر ہوتا ہے اور ہم نے اپنی کتاب "عقلۃ المستوفز" میں مشارٌ الیہ کا ذکر کیا ہے۔

دِنوں کی پیدائش

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِن افلاک علویہ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اور فلکِ اوّل کے ساتھ دِنوں کو پیدا فرمایا اور دوسرے فلک کے ساتھ اس کی عین بنائی جس میں بصارتوں کے لئے کواکب ثابتہ ہیں۔

پھر مٹی، پانی، ہوا اور آگ کے ارکان پیدا فرمائے پھر آسمانوں کو سات طبقات پر راست فرمایا اور اُنہیں ہر ایک کو حدّت سے پھاڑ کر الگ الگ کر دیا جب کہ پہلے وہ دُھواں تھے اور زمین کو سات زمینوں کی طرف پھاڑا۔ پہلا آسمان پہلی زمین کی طرف اور دوسرا آسمان دوسری زمین کی طرف بنایا۔ یہاں تک کہ ساتوں آسمان ساتوں زمینوں کی طرف بنائے اور پانچ پیچھے رہنے والے ستارے پیدا فرمائے ہر آسمان میں ایک ستارہ ہے اور چاند کو پیدا فرمایا اور ایسے ہی سُورج کو پیدا فرمایا اور سُورج کی تخلیق سے دن اور رات پیدا فرمائے۔ دن موجُود تھا تو اس سے اہلِ زمین کے لیے نصف دن مقرر فرمایا اور وہ طلوعِ آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے اور نصف دن کو رات بنایا اور وُہ غروبِ آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک ہے۔

یوم مجمُوع سے عبارت ہے اس لئے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے کو چھ دِن میں پیدا فرمایا کیونکہ فلک برُوج کی حرکت کے وجُود کے ساتھ ایام موجُود تھے۔ اور ہمارے نزدیک یہی ایّام معرُوف ہیں۔

دِنوں کی مُدّت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ عرش اور کُرسی کو پیدا فرمایا۔ بلکہ فرمایا۔ مَیں نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا۔ جب فلکِ برُوج کے دائرہ کا پہلا دَور ہوتا ہے تو یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وجودِ آفتاب کے نزدیک دن اور رات کو پیدا فرمایا نہ کہ ایّام کے وجُود سے، چنانچہ رات اور دن میں جو کمی بیشی ہوتی ہے وہ ساعتوں میں نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ چوبیس ہیں اور یہ

منطقہ بروج میں حلولِ آفتاب کے لئے ہے اور یہ ہماری طرف نسبت کے ساتھ حمائل ہے
اِس میں میلان ہے۔

جب آفتاب منازلِ عالیہ میں ہوتا ہے تو دن کہیں بھی ہو لمبا ہوتا ہے اور جب
آفتاب منازلِ نازلہ میں ہوتا ہے تو خواہ کہیں ہو دِن چھوٹا ہو جاتا ہے اور ہم نے
سُورج کا کہیں بھی ہونا اِس لئے کہا ہے کہ جب ہمارے نزدیک رات لمبی ہوتی ہے
تو ہمارے علاوہ یعنی دُوسری جگہ پر رہنے والوں کے لئے دن لمبا ہوتا ہے تو اُن
کی نسبت کے ساتھ آفتاب منازلِ عالیہ میں اور ہماری نسبت کے ساتھ منازلِ نازلہ
میں ہوتا ہے۔ جب ہمارے نزدیک دن چھوٹا ہے اُن کے نزدیک رات لمبی ہوتی
ہے اِس لئے ہم نے اِس کا ذکر کیا۔

پس دِن بعینہٖ وُہی دن ہے جو چوبیس گھنٹوں کا ہوتا ہے اور اعتدال کے
مُقام پر نہ زیادہ نہ کم نہ بڑا نہ چھوٹا، تو یہ وُہ حقیقتِ یوم ہے اور حقیقتِ اصطلاح
کے حُکم کے ساتھ دِن کا نام ایک یوم رکھا جاتا ہے تو اِس پر غور کریں اور سمجھیں۔

دِن اور رات کا نام یوم ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِس دن اور رات کا نام یوم مقرر فرمایا ہے اور اِس
رات اور دِن کے زمانہ کا نام یوم ہے۔ جس زمانہ میں یہ دونوں موجود ہوتے ہیں
اِن دونوں کا نام باپ اور ماں رکھا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اِن دونوں میں پیدا
کرتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ

جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔

فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ

چنانچہ جب رات دن پر پردہ ڈالتی ہے تو رات باپ اور دن ماں ہوگا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ دن میں جو کچھ پیدا فرماتا ہے وہ بمنزلہ اولاد کے ہوگا جسے اُس عورت نے جنا اور جب دن رات پر پردہ ڈالتا ہے تو دن باپ ہوگا اور رات ماں ہوگی اور جو کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رات کے زمانہ میں پیدا فرمایا۔ وہ بمنزلہ اُس اولاد کے ہے جسے ماں جنتی ہے۔

یہ فصل ہم نے کتاب "الشان" میں بیان کی ہے۔ اس میں ہمارا کلام اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں ایام کی ایک طرف شافی معرفت عطا فرمائی تو ہم انشاءاللہ تعالیٰ اس کتاب میں اسے بیان کریں گے۔ ایسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

دن اور رات کی مناکحت

یُولِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُولِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ الحج آیت ۶۱

رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے

اس فرمان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے رات اور دن کی مناکحت کو زیادہ سے زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اور دوسری آیت ہے۔

لَّھُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ یٰسین آیت ۳۷

اُن کے لئے رات ہے ہم اُس سے دن کو نکالتے ہیں

اس آیت میں یہ ہے کہ رات ماں ہے اور دن اُس سے پیدا ہوا ہے اور مولود ماں سے نسلخ ہے۔ جب اُس سے نکلتا ہے اور سانپ اپنی کینچلی سے باہر آتا ہے تو پیدا ہونے والا دن اُس دوسرے عالم میں ظاہر ہوتا ہے جو اُس عالم کے علاوہ ہے جس پر رات حاوی ہے اور وہاں دن باپ ہوگا۔

جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اِسے ہم نے اپنی کتاب "الزمان ومعرفت الدھر" میں بیان کیا ہے۔

دونوں ماں بھی ہیں اور باپ بھی

یہ رات اور دِن ایک وجہ سے دو باپ اور ایک وجہ سے دو مائیں ہیں اور اِن دونوں کی گردش و تصریف کے وقت ارکانِ عالم میں اللہ تبارک و تعالیٰ جو اِن دونوں میں پیدا فرماتا ہے وہ رات اور دن کی اولاد ہے جیسا کہ ہم نے مقرر کیا۔
جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے تکوین کے لئے تمام اجرامِ عالم کو قابل پیدا فرمایا۔ تو اِس میں ایک حد مقرر فرمائی جو آسمانِ دُنیا کے مقعر سے زمین کے اندر کی طرف ملی ہوئی ہے۔ عالمِ طبیعت و استحالات اور اُن اعیان کا ظہور جو استحالات کے وقت پیدا ہوتے ہیں اُسے بمنزلہ ماں کے مقرر فرمایا اور آسمانِ دُنیا کے مقعر فلک سے دُوسرے افلاک کی طرف بمنزلہ باپ کے ہے اور اُس میں منزلیں مُقرر فرمائیں اور اُسے انوارِ ثابتہ اور سالجہ سے مزیّن فرمایا۔ پس سالجہ ثابتہ میں منزل قطع کرتا ہے اور ثابتہ اور سالجہ تقدیرِ عزیز کے ساتھ فلکِ محیط میں منازل قطع کرتے ہیں۔

اِس کی دلیل یہ ہے کہ اہرامِ مصر کی تاریخ میں قلم سے لکھا ہُوا ہے کہ اِن اہرام کو اُس وقت بنایا گیا جب برجِ نسر برجِ اسد میں تھا اور اِس میں شک نہیں کہ اِس وقت برجِ جدی میں ہے۔ ہم نے ایسا ہی اِدراک کیا اور جانا ہے۔

چاند اور سُورج کی گردش

یہ اُمر دلالت کرتا ہے کہ کواکب ثابتہ برُوجِ اطلہ ۔۔۔ سا قطع کرتے ہیں: اللہ

تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ

یٰسین آیت ۳۹

اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کی ہیں۔
اور کواکب کے حق میں فرمایا۔

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ

یٰسین آیت ۴۰

اور ہر ایک فلک میں تیرتا پھرتا ہے۔
اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا!

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا

یٰسین آیت ۳۸

اور سورج اپنے ایک مستقر پر چلتا ہے۔
اور یہ بھی پڑھا جاتا ہے لا مستقر لہا یعنی اس کے لئے مستقر نہیں اور ہر دو قرات میں تنافر نہیں۔ پھر فرمایا۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ

یٰسین آیت ۳۸

یہ اندازہ زبردست جاننے والے کا ہے۔
اور چاند کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف دیکھیں کہ اس نے چاند کی منازل کا اندازہ کر رکھا ہے اور فرمایا۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا

یٰسین آیت ۴۰

ترجمہ: "نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دِن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک آسمان کے دائرہ میں تیرتا پھرتا ہے۔"

یعنی دائرے کی چیز میں ہے اور ان انوار کے لئے جن کا نام کواکب ہے ارکان کے ساتھ اتصال کرنے والی شعاعیں مقرر کی گئیں۔ اس کے اتصالات کا قیام آباء کا اُمّہات کے ساتھ نکاح کی صورت میں ہے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ عالمِ طبیعت سے ارکان اربعہ میں اِن نوری شعاعوں کے اتصال کے وقت پیدا فرماتا ہے جو ان میں ہوتی ہیں اور جن کا مشاہدہ حس کو ہوتا ہے۔

رازوں بھری آیت

پس یہ ارکان اربعہ ہماری شریعت میں مثل چار عورتوں کے ہیں جیسا کہ ہمارے نزدیک نکاح شرعی حلال نہیں ہوگا مگر عقد شرعی کے ساتھ ایسے ہی حق تعالیٰ ہر آسمان میں اپنے امر کو وحی فرماتا ہے تو اس وحی سے ان کے درمیان امر نازل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا

الطلاق آیت ۱۲

ان میں اللہ تعالیٰ کا امر اترتا ہے تاکہ تم جان لو۔

امرِ الٰہی اور اس کے نزول کی تفسیر میں عظیم اسرار ہیں جن کی طرف اس باب میں اشارا کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ آپ نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا۔

لَوْ فَسَّرْتُهَا لَقُلْتُمْ إِنِّی کَافِرٌ۔

(الحدیث)

اگر میں اس کی تفسیر کروں تو تم مجھے کہو گے میں کافر ہوں۔
اور ایک روایت میں فرمایا! لرجمتونی، یعنی تم مجھے سنگسار کر دو۔
اور یہ قرآن مجید کے اسرار میں سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ

اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی تعداد میں زمینیں بنائیں

پھر فرمایا!

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ

الطلاق آیت ۱۲

ان کے درمیان اللہ کا امر اترتا ہے۔
پھر تمام کیا اور ظاہر طور پہ فرمایا!

لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

الطلاق آیت ۱۲

تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے۔
اور یہ وہ صفت عمل ہے جس کی طرف ہم نے اشارا کیا اور اس کا ذکر ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایجاد سے دوسرے باپ کے حق میں علم و عمل کی صفت سے کیا اور ہم نے اس صفت علم کے ساتھ اس کی طرف اشارا کیا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسرے باپ کو عطا فرمایا۔ کیونکہ قدرت ایجاد عمل ہے پھر اخبار میں پورا کر کے فرمایا!

وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے
جو کہ اُٹھایا جانے والا نفس کُلیہ ہے پس وہ سُبحانہٗ تعالیٰ اس چیز کو جانتا ہے۔ جسے پیدا فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ایجاد کرتا ہے۔ اُسے کوئی رد کرنے والا نہیں پس اللہ تبارک و تعالیٰ کا اَمر آسمان و زمین کے درمیان نازل ہوتا ہے۔ جیسا والدین کے درمیان بیٹا ظاہر ہوتا ہے۔

جنّتی مردوں کی خصوصیّت

رہا! ارکانِ اربعہ کے ساتھ فلکیہ سماویہ کی حرکت سے نوُرانی کواکب کی شعاعوں کا اِتّصال تو یہ ہر ایک کے ساتھ بیک وقت اُمّ المولدات ہیں۔ ایسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے عارفوں کے لئے مثال مقرر فرمائی ہے کہ جنّت میں اہلِ جنت اپنی تمام عورتوں اور کنیزوں سے ایک ہی وقت میں حِسّی طور پر نکاح یعنی جماع کرلیں گے۔ جیسا کہ اِن اتّصالات کا احساس ہوتا ہے، پس جنّت میں مرد کے پاس جتنی بھی منکوحہ عورتیں ہوں گی حسبِ خواہش وُہ اُن سب سے ایک ہی وقت میں بغیر تقدیم و تاخیر کے حِسّی مجامعت سے لُطف اندوز ہو سکے گا۔ اور یہ وُہی دائمی نعیم اور اقتدارِ الٰہی ہے اور فکر کی حیثیت سے عقل اِس حقیقت کے اِدراک سے عاجز ہے۔ اور اِس کا اِدراک اُس دُوسری قوّت سے ہوتا ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کے دِل میں چاہے ڈال دیتا ہے۔ جیسا کہ انسان جنّت میں صُورتوں کے سُوق میں جس صُورت میں چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ جیسا کہ یہاں ہمارے نزدیک

رُوح متشکل ہو جاتی ہے. اگرچہ جسم ہو. ولیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے اُس پر یہ قدرت عطا فرما دیتا ہے.

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اُور اللہ ہر چیز پر قادر ہے.

اُور جنّت کے بازار کی حدیث کا ذکر ابُو عیسیٰ ترمذی نے اپنی تصنیف میں کیا ہے تو اسے وہاں دیکھیں.

نُورانی شعاعوں کی اُولاد

جب نُورانی شعاعوں کا ارکانِ اربعہ میں اِتّصال ہوتا ہے تو اِس نکاح سے مولدات کا ظہور ہوتا ہے اور اِسے غالب جاننے والے نے ایسے ہی مقرّر کر رکھا ہے. تو مولدات آبا ریں جاری رہیں گی اور یہ اُمّہات کے درمیان افلاک اور انوارِ علویہ ہیں اور یہی ارکانِ طبعیہ سفلیہ ہیں اور ارکان کے ساتھ انوار سے شعاعوں کا اتّصال نکاح کی طرح ہے اور افلاک کی حرکات اور انوار کی رفتار بمنزلہ مجامعت کے ہے اور ارکان کی حرکات عورت کے وضعِ حمل کی طرح ہے. اُس جھاگ کے اخراج کے لئے جو دردِ زہ سے نکلتی ہے اور یہ اِن ارکان میں عین کے لئے معدنیات ونباتات، حیوانات اور جنّوں انسانوں کی نوع سے مولدات کا ظہور ہے. پس اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ قادر ہے جو چاہے کرے. اُس کے سِوا کوئی معبُود نہیں. وہ ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے.

میرا اُور اپنے والدین کا شکر کرو

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے.

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ

لقمان آیت ۱۴

میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر گزار رہ انہی کی طرف پھرنا ہے

اے دوست ہم نے آپ کے لئے آپ کے باپوں اور ماؤں کے بارے میں بیان کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اُن میں آپ کا قریب تر باپ کون ہے اور آپ کا وجود آپ کے باپ سے ظاہر ہُوا ہے اور ایسے ہی آپ کی ماں جو آپ کی طرف قریب ہے آپ کے پہلے باپ کے قریب ہے اور وہ جدِ اعلیٰ ہے اور جو آباء و اُمّہات کے درمیان کی طرف ہے۔ پس آپ اُن کا وہ شکر کریں جس سے وہ مسرور ہوں اور اُن پر ایسی ثناء کریں جس سے وہ فرحت حاصل کریں اور اُنہیں اُن کے مالک اور مُوجد کی طرف منسوب کریں اور اُن سے فعل کو سلب کر کے اُس کے ساتھ ملحق کریں جو اِس کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

جب آپ ایسا کریں گے تو اپنے اِس فعل سے اپنے آباء پر سرور داخل کریں گے یعنی اُنہیں خوش کر دیں گے اور اُنہیں اِس مسرت سے ہمکنار کرنا آپ کا اُن کے ساتھ نیکی کرنا اور اُن کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

جب آپ ایسا نہیں کریں گے اور اُن کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھول جائیں گے تو آپ نے اُن کا شکریہ نہیں ادا کیا۔ اور نہ ہی تم نے اُن شکریہ ادا کرنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اَمر کی اطاعت کی۔ کیونکہ اُس کا فرمان اَنِ اشْكُرْ لِيْ یعنی میرا شکریہ ادا کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مُقدّم کیا تاکہ آپ جان لیں کہ وہ سببِ اوّل و اولیٰ ہے۔ پھر واوِ عاطفہ لا کر فرمایا۔ وَلِوَالِدَيْكَ۔ یعنی اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو۔

اور یہ وہ اسباب ہیں جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو وجود دیا تاکہ آپ اس کی نسبت اللہ سبحانہ، کی طرف کہیں اور وجودِ خاص کے ساتھ آپ پر اُس کی فضیلت مقدّم ہو نہ کہ تاثیر کے ساتھ، کیونکہ درحقیقت اُن کے لئے اثر نہیں اگرچہ وجودِ آثار کے لئے اسباب ہیں۔

پس اُن کے لئے اسی قدر فضیلت درست ہے اور تم سے شکر طلب کیا ہے اور تمہارے لئے نازل کیا ہے اور تمہارے نزدیک تم پر اُن کی منزلت مقدّم کی ہے نہ کہ اثر میں ثناء مقدّم ہو گی اور تاثیر اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے اور تقدّم و توقّف والدین کے لئے ہے لیکن ہماری اس شرط کے ساتھ کہ اپنے رَبّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

جب مَیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ثناء کرتا ہُوں۔ اور کہتا ہُوں۔ اے ہمارے رَبّ اور ہمارے علوی باپوں اور سفلی ماؤں کے رَبّ' تو اس میں میرے کہنے اور بشر سے تمام بنی آدم کے کہنے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔

ترجمانی ہو جائے گی

کسی شخص کو بعینہٖ مخاطب نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ آپ حضرت آدم اور حوا علیہما السّلام سے لے کر اس زمانہ تک اپنے آباء و اُمّہات کو شامل کر سکتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نشاۃ انسانیہ ہے تو اس تحمید کے ساتھ آپ عالمِ ارکان اور عالمِ طبیعت و انسان سے ہر پیدا ہونے والے کی ترجمانی کر لیں گے، پھر آپ ہر پیدا ہونے والے سے مؤثر اور مؤثر فیہ کے درمیان نیابت سے ترقی کریں گے اور ہر زبان کے ساتھ اُس کی حمد بیان کریں گے اور ہر وجہ سے اُس کی طرف متوجّہ ہوں گے تو اس مقامِ کُلّی سے اللہ تبارک و تعالیٰ

کے ہاں ہمارے لئے جزا ہوگی۔

سلام کا جواب آتا ہے

جیسا کہ میرے مشائخ میں سے ایک بزرگ نے مجھے کہا!
جب تو اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کہے یا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے۔
یعنی یہ کہے کہ ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو یا تو اپنے راستے میں کسی کو ملتے وقت السلام علیکم کہے اور تیرے دل میں یہ موجود ہو کہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ہر نیک بندہ، مُردہ اور زندہ اس سلام میں شامل ہے تو اس مقام سے سلام تجھ پر لوٹ آئے گا اور کوئی مقرب فرشتہ اور پاک روح ایسا باقی نہیں رہے گا جس پر تیرا سلام پہنچے اور وہ تجھ پر سلام نہ لوٹائے اور یہ وہ دعا ہے جو تیرے حق میں قبول اور باعث نجات ہوگی۔

جن کو سلام نہ پہنچے

اللہ تبارک و تعالیٰ کے جن خاص بندوں کو اُن کے جلالِ خداوندی میں مشغول ہونے کی بناء پر تیرا سلام اُن کی طرف سے نیابت کے طور پر اللہ تعالیٰ تجھ پر سلام لوٹائے گا اور تیرے حق میں اس حیثیت سے یہ شرف کافی ہے کہ تجھ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا سلام آئے۔
اندریں صورت تو کہے گا! کاش میرا سلام کوئی بھی نہ سنتا جس پر میں نے سلام کہا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سب کی نیابت سے تجھ پر سلام لوٹاتا۔ کیونکہ تیرے ساتھ یہ بڑا شرف ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے حق میں تشریفاً فرمایا۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا

مریم آیت ۱۵

اور اُس پر سلام ہو جس دن پیدا ہوا اور جس دن انتقال کیا اور جس دن زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔

جب خدا واجب کر کے سلام کہے

یہ سلام فضیلت اور خبر ہے تو وہ سلام کیسا ہو گا جو اللہ تبارک و تعالیٰ حق نیابت واجب کر کے اُس کی طرف سے جواب دے گا جس نے سلام نہیں سُنا جب کہ فرائض کی جزاء سے اُس کے حق میں بہت بڑی ہے جس کے لئے کہا! وسلام علیہ یوم ولد۔ یعنی اُس پر سلام جس روز پیدا ہوا تو اُس کے لئے شرف کو دو فضیلتوں کے درمیان جمع کیا گیا۔

لفظ صَلواۃ تنہا سلام نہیں

ابتداء میں صَلٰوۃُ اللہِ عَلَیْنَا۔ یعنی ہم پر رحمت ہو وَارد ہُوا ہے اور میری طرف یہ نہیں پہنچا کہ کیا ابتداء میں سلام وَارد ہُوا ہے یا نہیں، جیسا کہ صَلواۃ وَارد ہُوا ہے۔ چنانچہ جو یہ روایت بیان کرے گا اور تحقیق کرے گا۔ میں نے یہ امانت اُس کی گردن میں ڈال دی، کہ وہ صلواۃُ اللہ علینا کی طرف اِسے اِس مقام میں اِس باب میں ملحق کر دے۔ یعنی سلامُ عَلَینا کی حدیث مل جائے تو اِس کتاب میں شامل کر دے۔ تاکہ مومنین کو بشارت ہو اور میری اِس کتاب کے لئے باعثِ شرف ہو، اور اللہ ہی معین و مددگار اور توفیق

دینے والا ہے اُس کے سوا رب نہیں۔

دو باپ دو مائیں

رہے! آباء و اُمّہاتِ طبعی تو اِن کا ذکر ہم نے نہیں کیا اور اِس سے امرِ کلّی کا ذکر کرتے ہیں۔

وہ دو باپ اور دو مائیں ہیں۔ دو باپ دو فاعل ہیں اور دو مائیں دو مُنفعل ہیں اور جو دونوں سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ دونوں سے مُنفعل یعنی متاثر ہونے والا ہے۔

حرارت و برودت دو فاعل اور رطوبت و یبوست دو مُنفعل ہیں، حرارت کی یبوست یعنی خشکی کے ساتھ مناکحت ہوئی تو اس سے آگ کا رُکن ظاہر ہوا اور حرارت کا رطوبت یعنی تری کے ساتھ نکاح ہوا تو ہوا کا رُکن پیدا ہوا۔ پھر برودت اور رطوبت کا نکاح ہوا تو پانی کا رُکن نکلا اور برودت کے ساتھ خشکی کا نکاح ہوا تو مٹی کا رُکن پیدا ہوا۔ اور بیٹوں میں آباء و اُمّہات کے حقائق حاصل ہوئے۔

کون کس کے ماں باپ ہیں

آگ گرم خشک ہے اُس کی گرمی باپ کی جہت سے ہے اور خشکی ماں کی کی طرف سے ہے۔

ہوا گرم مرطوب ہے۔ اِس کی گرمی باپ کی طرف سے اور رطوبت ماں کی طرف سے ہے۔

پانی سردی اور تری سے ہے۔ اِس کی سردی باپ کی طرف سے اور

تری ماں کی طرف سے ہے۔

زمین سرد خشک ہے۔ اس کی سردی باپ کی طرف سے اور خشکی ماں کی طرف سے ہے۔

پس حرارت و برودت علم سے ہے جب کہ تری اور خشکی ارادہ سے ہے یہ علمِ الٰہی سے اُن کے وجود میں ان کے تعلق کی اور اُس کی تعریف ہے جو دونوں سے قدرت پیدا ہوتی ہے۔

اِن ارکان کی اولاد

پھر اِن ارکان میں ولادت واقع ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ آبارِ علویہ کی مائیں ہیں نہ کہ اُن کے باپ ہونے سے، اگرچہ اِن میں اُبوّت موجود ہے۔

پس ہم نے آپ کو متعارف کروا دیا ہے کہ اُبوّت و بنوّت اضافتوں اور نسبتوں سے ہے، بیٹا اپنے بیٹے کا باپ ہے اور باپ اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ ایسے ہی نسبتوں کا باب ہے۔ اِس میں غور کریں۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے اُس کے سوا کوئی ربّ نہیں۔

ماں باپ کیسے؟

چونکہ گرمی سے خشکی منفعل ہے۔ یعنی تاثیر حاصل کرتی ہے اور تری سردی سے منفعل ہے۔ یعنی اُس کا اثر قبول کرتی ہے تو ہم نے کہا۔ تری اور خشکی دونوں منفعل ہیں۔ یعنی موثر فیہ ہیں۔ چنانچہ ہم نے ارکان کے لئے ان دونوں کو بمنزلہ ماں کے مقرر کیا اور جب گرمی اور سردی دونوں فاعل یعنی موثر ہوں تو ہم نے ارکان کے لئے اِن دونوں کو بمنزلہ باپ کے مقرر کیا۔

فاعل اَور مُنفعل کی حیثیّت

چونکہ صنعت صانع کی اِستدعا کرتی ہے تو لازماً مُنفعل بذاتہٖ فاعل کو طلب کرے گا۔ کیونکہ مُنفعل اُس کی ذات کے لیئے ہے اور اگر اُس کی ذات کے لئے مُنفعل نہیں ہو گا تو یہ اِس لئے ہو گا کہ فاعل کے بالعکس انفعال اور اثر کو قبول کرے اور اِس میں مؤثر ہو۔ کیونکہ اگر وہ چاہے تو بالا اختیار کرے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے تو اُس کا نام فاعل ہو گا اور یہ اَمر مُنفعل کے لئے نہیں۔
اِس حقیقت کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے اور وہ قرآن مجید کی فصاحت اور اختصار و ایجاز سے ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

الانعام آیت ۵۹

اور ہر تری اور ہر خشکی کتابِ مُبین میں ہے۔
اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہ تو مُنفعل کا ذکر کیا اور گرمی اور سردی کا تذکرہ کیا۔ کیونکہ علماء طبعیت کے نزدیک خشکی اور تری، گرمی اور سردی کو طلب کرتی ہے اور دونوں اِن دونوں سے مُنفعِل ہیں۔ جیسا کہ صانع صنعت کو طلب کرتا ہے اِس لئے اصل ذکر کے علاوہ ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ کتابِ مُبین میں ہر چیز ہے۔

حضورؐ رسالت مآبؐ سب سے زیادہ جانتے ہیں

ہمارے سردار حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو علوم عطا فرمائے وہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں پہنچے۔

جیسا کہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہاتھ کی ھتیلی کی حدیث میں فرمایا! فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ۔ یعنی میں نے اوّلین وآخرین کو جان لیا۔ پس علمِ الٰہی تمام علوم کی اصل ہے اور اس کی طرف سب کا رجوع ہے۔ یہ باب جس امر کا مستحق تھا، ہم نے انتہائی ایجاز و اختصار سے اسے پورا کر دیا۔ کیونکہ کیفیات کا بیان باعثِ طوالت ہے۔ اس لئے ہم نے اس کا ذکر کر دیا ہے اور اس کی ہم نے تزئین کر دی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بارہویں جزء اور گیارہویں باب کا ترجمہ تمام ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

بارہواں باب

ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فلک کے دورہ کی معرفت کا بیان یہ دورۂ سیادت ہے۔ زمانہ اُسی دن کی ہیئت پر پلٹ آیا جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ سے پیدا فرمایا تھا۔

الا بأبی من کان ملکا وسیدا ۔۔۔ وآدم بین الماء والطین واقف
فذاك الرسول الابطحی" محمد ۔۔۔ له فی العلی مجد تلید وطارف
أتی بزمان السعد فی آخر المدی ۔۔۔ وکانت له فی کل عصر مواقف
أتی لانکسار الدهر یجبر صدعه ۔۔۔ فأثنت علیه ألسن وعوارف
اذا رام أمرا لا یکون خلافه ۔۔۔ ولیس لذاك الامر فی الکون صارف

خبردار! "حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرا باپ قربان ہو وہ اس وقت بادشاہ اور سردار تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان کھڑے تھے۔"

وہ ذاتِ رسُولِ ابطحی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کے شرف ومجد کا تذکرہ بلندی میں جاری ہے۔

آپ آخری مدّت میں سعادت کے زمانہ میں تشریف لائے اور ہر زمانہ میں آپ کے لئے توقف کیا جاتا۔

آپؐ زمانے کو توڑنے کے لئے تشریف لائے جو اپنے حق میں زبردستی کرتا تھا۔ پس آپؐ پر زبانیں اور عوارف ثناء کرتے ہیں۔ جب آپ کسی امر کو درست فرمادیں تو اُس کا خلاف نہ ہوگا۔ دُنیا میں کوئی آپ کے اس اَمر کو نہیں پھیر سکتا۔

آپؐ موجود تھے

اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ جاننا چاہیئے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے وجودِ حرکتِ فلک کے وقت زمانہ کے ساتھ اجسام کے لئے ارواحِ محصورہ مُدبرہ کو پیدا فرمایا تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک مدّتِ معلومہ کا تعین ہو جائے تو اُس کی حرکت کے ساتھ زمانے کی پہلی تخلیق رُوحِ مدبّرہ یعنی حضرت محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رُوحِ مُبارک کو پیدا فرمایا گیا۔ پھر حرکات کے وقت اَرواح کا صدور ہوتا رہا اور بغیر عالمِ شہادت کے عالمِ غیب میں آپؐ کی رُوحِ مُبارک کا وجُود موجود تھا۔

آپؐ نبی بھی ہو چکے تھے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؐ کو آپ کی نبوّت کا علم عطا فرما کر اُس کی بشارت دے دی تھی اور حضرت آدم علیہ السّلام اُس وقت نہیں تھے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ حضرت آدم ماء و طین کے درمیان تھے اور حضرت محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حق میں زمانہ اسمِ باطن کے ساتھ مُنتہی ہُوا۔ یہاں تک کہ آپؐ کے جسمِ اطہر کے وجُود اور رُوحِ مُبارک کا اِرتباط ہو گیا تو زمانہ اپنے جاری ہونے میں اسمِ ظاہر کی طرف مُنتقل ہُوا اور حضُور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بذاتہٖ جسم و رُوح کے ساتھ ظاہر ہو گئے۔

شریعتوں کی منسوخی کیسے؟

انبیاء رُسل سلام اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں پر جو تمام شریعتیں ظاہر ہوئیں اُن میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا حکم باطن تھا۔ پھر آپؐ کا حکم ظاہر ہوگیا تو وہ ہر شریعت جسے اسمِ باطن نے حکمِ ظاہر کے ساتھ ظاہر کیا تھا۔ دو اسموں کے اختلاف بیان کے حکم سے منسوخ ہوگئی۔ اگرچہ مشرع یعنی صاحب شرع ایک تھا۔ کیونکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا۔ کُنتُ نَبِیًّا۔ یعنی میں نبی تھا اور فرمایا! کُنتُ اِنسَانًا یعنی میں انسان تھا۔ نہ کہ یہ فرمایا کُنتُ موجُوداً یعنی میں موجود تھا اور نبوت نہیں ہوتی۔ مگر اُس پر عند اللہ شریعت مقرر ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن انبیاء کرام کے وجود سے پہلے اپنی نبوّت کی خبر دی ہے جو اِس دُنیا میں آپؐ کے نائبین ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اِس کتاب کے پہلے ابواب میں مقرر کیا ہے۔

آپؐ باطن سے ظاہر کی طرف لوٹ آئے

اسمِ باطن کے ساتھ آپؐ کا لوٹنا آپؐ کے دُورے کی انتہا اور اسمِ ظاہر کے ساتھ دوسرے دُورے کی ابتداء ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ جس ہیئت پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمانے کو پہلے دن پیدا فرمایا تھا اُسی پر لوٹ آیا۔ اِس نسبت میں ہمارے لئے ظاہر کا حکم ہے جیسا کہ پہلے دُورہ میں ہماری طرف یعنی حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف باطناً منسوب تھا اور ظاہراً اُس کی طرف منسوب تھا جو حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور جمیع انبیاء و رُسل علیہم السلام کی شریعتوں سے تھا۔

انبیاء سے اور مہینوں سے چار چار حرم

انبیاء کرام میں زمانہ سے چار حرم ہیں۔ حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ علیہم السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زمانے سے اُن کی عین، ذلیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں۔ چونکہ عرب مہینوں میں حلال و حرام کرتے تھے تو اِن پر یہ ملت و حرمت لوٹا دی گئی اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے زمانہ اپنی اصل کی طرف لوٹ آیا۔ جس کا اُس کی تخلیق کے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا۔

پس مہینوں سے حرم کا تعین اُس صفت پر ہے جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُسے پیدا فرمایا تھا۔ اِس لئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لِسان ظاہر سے فرمایا! زمانہ اُسی دِن کی ہیئت پر لوٹ آیا جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُسے پیدا فرمایا تھا۔

ایسے ہی زمانہ لوٹ کر آیا تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہور فرمایا جیسا کہ ہم نے اِس کا ذکر رُوحاً اور جِسماً حِسّی صُورت میں اسم ظاہر کے ساتھ کیا پس جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہا۔ آپؐ نے اپنی پہلی یعنی باطنی شریعت سے منسوخ کر دیا اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اُسے باقی رکھا اور یہ تنسیخ اصُول کی نہیں بلکہ خاص احکام کی تھی۔

آپؐ کا ظہور میزان اور عدل میں ہُوا

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور برجِ میزان میں ہُوا جس کا معنیٰ دُنیا میں عدل ہے اور میزان مُعتدل ہے۔ کیونکہ اُس کی طبیعت گرم تر ہے۔

اور وہ آخرت کے حکم سے ہے بس جنت اور جہنم میں داخل ہونے تک میزان آخرت کے ساتھ متصل ہے۔ اس لئے اس اُمت کا علم پہلوں سے زیادہ ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوّلین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا۔ کیوں کہ حقیقتِ میزان یہی عطا کرتی ہے۔ اس اُمت میں کشف تیز ہوتا ہے۔ جب کہ دوسری تمام پہلی اُمتوں میں سردی اور خشکی کا غلبہ تھا۔ اگرچہ اُن میں بھی اذکیاء اور علماء تھے۔ تاہم اُن میں سے ایسے لوگ معین تھے۔ اس کے برعکس اس زمانہ میں لوگ زیادہ عالم ہیں۔ کیا آپ نے اس اُمت کے لوگوں کو دیکھا کہ اُنہوں نے تمام اُمتوں کے علوم کو کھنگال ڈالا ہے۔ اگر مترجم اُس معنیٰ کو نہیں جانتا جو متکلم کے لفظ پر دلالت کرتا ہے تو اُس کا مترجم ہونا درست نہیں اور نہ ہی اُس اسم پر ترجمہ کا اطلاق ہوگا۔

اُمتِ مصطفےٰ کے علوم

بے شک یہ اُمت پہلے لوگوں کے علوم کو بھی جانتی ہے اور اُن علوم سے بھی محقق ہے جنہیں پہلے لوگ نہیں جانتے تھے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے اشارہ فرمایا ہے کہ میں اوّلین کا علم جانتا ہوں۔ اس سے پہلے لوگ مراد ہیں۔ پھر فرمایا۔ اور میں آخرین کا علم جانتا ہوں تو یہ وہ علم ہے جو متقدمین کے پاس نہیں تھا اور یہ وہ علم ہے جو آپ کے بعد قیامت تک آپؐ کی اُمت کو حاصل ہوتا رہے گا۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمارے پاس وہ علوم ہیں جو پہلے نہ تھے۔ عندنا علوم مالم تکن قبل، تو یہ ہمارے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی ہے اور آپؐ اس کے ساتھ سچے ہیں۔

تو حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیئے دنیا میں علم میں سرداری ثابت ہے اور آپ کے لیے حکم میں بھی سرداری ثابت ہے جب آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میرے اتباع کے سوا چارہ کار نہ تھا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہو گا اور قرآن کے ساتھ ہم میں حکم ہے تو دنیا میں آپ کے لیئے ہر درجہ اور معنی کے ساتھ سرداری ثابت ہے

پھر قیامت کے دن آپ کا بابِ شفاعت کو کھولنا تمام لوگوں پر آپ کی سرداری ثابت کرتا ہے اور یہ امر سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیامت کے دن کسی نبی کے لیئے نہیں ہوگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء و رسل میں شفاعت فرمائیں گے اور ملائکہ میں شفاعت فرمائیں گے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی شفاعت کے وقت تمام فرشتوں اور انبیاء و رسل اور مومنوں کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا تو قیامت کے دن حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ ارحم الراحمین کی اجازت سے اوّل و آخر شفیع ہونگے۔

"اسمِ رحیم شفاعت کرے گا"

اسمِ منتقم کے پاس اس کا اسمِ رحیم شفاعت کرے گا کہ اُن لوگوں کو جہنم سے نکالا جائے جنہوں نے کبھی کوئی اچھا عمل نہیں کیا۔ پس اُنہیں اسمِ منعم متفضل دوزخ سے نکال لے گا۔

اِس دائرہ سے شرفِ اعظم اُس دائرہ کا ہے جس کا آخر اَرحَمُ الرَّاحِمِین ہو گا.
اور دائرے کے آخری حصّے کا اتّصال اُس کے پہلے حصّے کے ساتھ ہے. پس محمّد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے شرف سے بڑا کون سا شرف ہو گا کہ آپؐ کے
کمال کے لئے اُس دائرہ کی ابتداء کو آخر کے ساتھ ملایا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ
سُبحانہٗ نے اشیاء کی ابتدا کی تھی اور آپؐ ہی کے ساتھ اِس دائرہ کو مکمل کیا اور
مومن سے بڑا شرف کون سا ہے کہ اُس کی شفاعت کو اَرحَمُ الرَّاحِمِین کی شفاعت
سے ملایا گیا ہے.

اگر علم ایمان کے ساتھ ہو

پس مومن اللہ تبارک وتعالیٰ اور انبیاء کرام کے درمیان ہے کیونکہ علم مخلوق
کے حق میں ہے اور اگرچہ اُس کے لئے وُہ شرفِ تام ہے جو اپنے مکان سے غیر معروف
نہیں. ولیکن سوائے ایمان کے قربِ الٰہی عطا نہیں کرتا پس مخلوق میں ایمان کا نور
اُس علم کے نور سے زیادہ شرف والا ہے جس علم کے ساتھ ایمان نہیں.
چنانچہ جب علم ایمان سے حاصل ہو گا تو اِس علم کا نور نورِ ایمان سے پیدا
ہونے کی وجہ سے اعلیٰ ہے. اِس کے ساتھ اہلِ ایمان عالم اُس مومن سے ممتاز
ہے جو عالم نہیں، پس اللہ تبارک وتعالیٰ جن مومنوں کو علم عطا فرماتا ہے اُن کے
درجے اُن مومنوں سے بلند فرماتا ہے جنہیں علم نہیں عطا فرمایا اور عالموں کا علم باللہ
زیادہ فرماتا ہے، کیونکہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرماتے ہیں. تم اپنی دُنیوی مصلحتوں کو زیادہ جانتے ہو

وسیع تر فلک حضورؐ کا ہے

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فلک سے کوئی فلک وسیع تر نہیں اور اُس نے احاطہ کر رکھا ہے اور یہ اُس کے لئے ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کی اُمت سے حکمِ تبعیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے بس ہم نے تمام اُمتوں کا احاطہ کر رکھا ہے. اسی لئے ہمیں لوگوں پر گواہ بنایا گیا ہے۔

پہلے آسمان میں آپؐ کی خصوصیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانوں کے اَمر کی وحی عطا فرمائی جو آپؐ کے علاوہ کسی کو اُس کے مولد کے طالع میں نہیں عطا فرمائی. آپؐ کے پہلے آسمان کا اختصاص یہ ہے کہ وہاں قرآن مجید کا کوئی حرف اور کلمہ تبدیل نہیں ہوا. اور اگر شیطان دوران تلاوت میں کسی حرف کی کمی بیشی کی کوشش کرتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے منسوخ فرما دیتا. یہ حفاظت اس اَمر کا ثبوت ہے کہ آپؐ کی شریعت کو اس کے اپنے علاوہ منسوخ نہیں کیا جا سکتا بلکہ ہر آنکھ کی ٹھنڈک کے ساتھ اس کا محفوظ و مستقر ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس کے لئے ہر طائفہ کی گواہی ہے۔

دُوسرے آسمان میں خصوصیّت

آپؐ کے دوسرے آسمان کے ساتھ وہاں جو مخصوص اَمر ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ کو اولین و آخرین کے علم سے مختص کیا گیا اور آپؐ کو مودت و رحمت اور شفقت

عطا فرمائی گئی۔ چنانچہ آپؐ مومنوں کے ساتھ رحم فرمانے والے تھے اور کسی پر آپؐ کا تشدد ظاہر نہیں ہُوا۔ مگر اُس وقت جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؐ کو یہ ارشاد فرمایا۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کریں اور اُن پر سختی کریں۔

آپؐ نے اِس امرِ الٰہی کی تعمیل فرمائی۔ حالانکہ یہ آپؐ کا طبعی اقتضار نہ تھا اور بتقضائے بشریت آپؐ کا کسی پر اپنی ذات کے لئے ناراض یا خوش ہونا اُس وقت ہوتا جب آپ اُس کے لئے فائدہ پہنچانے والی دُعا تجویز فرما لیتے اور آپؐ کے اِس غضب میں رحمت ہوتی جس کا حالتِ غضب میں شعور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پس آپ کے غضب کے ساتھ اُس کی دلالت کی مثل آپؐ کی رُضا ہوتی۔ یعنی آپؐ کی ناراضگی آپ کی رضا پر دلالت کرتی۔ اِن اسرار کو ہم جانتے ہیں اور جو ہم میں سے اہل اللہ ہیں وُہ جانتے ہیں۔

چنانچہ عالم پر حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیادت و سرداری اِس باب سے درست ہے۔ کیونکہ آپؐ کی اُمت کے علاوہ دُوسری اُمتوں کے حق میں کہا گیا ہے۔

يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

وُہ جاننے اور عقل رکھنے کے باوجود تحریف کرتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُنہیں علم ہونے کے باوجود گمراہ کہا ہے اور ہم میں اِس ذکر کی حفاظت اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ذِمّے لیتے ہوئے فرمایا۔

ہم نے یہ ذِکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کریں گے۔

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کی سمع، بصر، زبان اور ہاتھ سے اسے محفوظ رکھتا ہے اور اس آیت کے علاوہ کسی کتاب کی حفاظت نہ فرمائی گئی تو لوگوں نے اُن میں تحریف کر ڈالی۔

تیسرے آسمان میں آپؑ کی خصوصیّت

تیسرے آسمان کی وحی سے وہاں کا آپؑ کے لئے مخصوص اَمر یہ بھی ہے کہ آپؑ کو تلوار اور خلافت عطا فرمائی گئی۔ اور ملائکہ کا آپؑ کے ساتھ مل کر قتال کرنا آپؑ کی خصوصیّت ہے کیونکہ اس آسمان کے ملائکہ نے بدر کے دن آپؑ کی معیّت میں جنگ کی اور اس آسمان سے یہ بھی ہے آپؑ کو اُس قوم میں مبعوث فرمایا گیا، جن کی ہمّت، مہمان نوازی، اُونٹوں کو ذبح کرنے، دائمی جدال وقتال اور خونریزی کا میں صَرف ہوتی تھی۔ اور اسی کے ساتھ وہ آپس میں مدح سرائی کرتے کراتے تھے۔ اُن میں سے بعض نے کہا ہے۔

تلوار کی نوک سے ضرب لگانے والے مہمان نوازی کے بازار ہیں۔ جب ان کے پاس ذریعہ معاش نہ ہو تو جرأت مند ہوتے ہیں۔

اور دوسرے نے اپنی قوم کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا۔

لا يبعدن قومي الذين همو — سم العداة وآفة الجزر

النازلون بكل معترك — والطيبون معاقد الازر

میری قوم سے دوری اختیار نہ کر، یہ عداوت کا زہر اور لڑائی کی آفت ہیں۔
یہ ہر معرکہ میں اُترنے والے اور ازار بند سے پاک ہیں۔
چنانچہ عنترہ بن شداد اپنے ہمسایہ کے گھر والوں کی حفاظت کے وقت
اُن کے کرم اور شجاعت و عفت کے بارے میں کہتا ہے۔

جب تک میری ہمسایہ عورت میرے سامنے رہتی ہے۔ میں اپنی آنکھیں
نیچی رکھتا ہوں کہ وہ اپنے گھر کی پناہ گاہ میں چلی جاتی ہے۔
عربوں کی کرامت و حماست اور وفاداری کی عجمیوں پر فضیلت کسی سے پوشیدہ
نہیں۔ اگرچہ عجم میں بھی اہل کرم اور بہادر ہیں مگر شاذ شاذ ایسے ہی عرب میں
بزدل اور بخیل ہوتے مگر اکیلا دوکیلا جب کہ بات غالب اکثریت کی ہے نادر
کی نہیں تو اس امر کا کسی کو انکار نہیں اور یہ امر اُس سے ہے جو اللہ تبارک
تعالیٰ نے اس آسمان سے وحی فرمایا ہے اور یہ تمام اُس امر سے ہے جو
آسمان اور زمین کے درمیان اُس کے لئے نازل ہوتا ہے جو سمجھتا ہے۔
اگر ہم ہر آسمان سے اُس امر کا تفصیلاً ذکر کرتے جو اُس میں اللہ تعالیٰ
سبحانہٗ وحی فرماتا ہے تو ہم اس سے عجائبات کو ظاہر کرتے۔ بسا اوقات
اہلِ تعالیم میں سے کوئی شخص رصد و تسییر کے طریق سے اس علم میں دیکھتا ہے
تو انکار کر دیتا ہے اور ان میں سے منصف جب اُس میں سنتا ہے تو حیرت زدہ
رہ جاتا ہے۔

چوتھے آسمان میں آپؐ کی خصوصیات

چوتھے آسمان میں اس کے ساتھ ماثر

وحی سے یہ ہے کہ آپؐ کی شریعت کے ساتھ تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور آپؐ کے دین کو تمام ادیان پر ظاہر فرمایا گیا۔ ہر اُس رسول کے پاس جو آپؐ سے پہلے تھا اور ہر اُس کتاب میں جو نازل ہوئی آپؐ کا دین ظاہر تھا، پس ادیان میں سے کسی دین کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں حکم باقی نہ رہا۔ مگر جو اُس سے مقرر کیا اور اس کا تقرر ثابت ہے اور نہ آپؐ کی شریعت سے اور آپؐ کی رسالت کے عموم سے ہے، اور اگر اُن میں سے کوئی حکم باقی رہے تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے نہیں۔ مگر خاص طور پر جزیہ دینے والوں میں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم نہیں کیونکہ اُس کا نام باطل ہے تو یہ اُس کے لئے ہے، جو آپؐ کا متبع ہے نہ کہ اُس کے لئے یعنی آپؐ کے دین کا غلبہ تمام ادیان پر ہے جیسا کہ آپؐ کی مدح میں نابغہ نے کہا۔

کیا آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کو وہ مرتبہ و دبدبہ دیا گیا ہے جس کے سامنے ہر بادشاہ تذبذب کا شکار ہے۔

آپؐ آفتاب ہیں اور بادشاہ ستارے ہیں جب آپؐ نے طلوع کیا تو اُن سے کوئی ستارہ ظاہر نہ رہ سکا۔ اور یہ ہے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام و مرتبہ، اور جو انبیاء کرام علیہم السلام اور اُن کی شریعتوں سے اُن کا مرتبہ آیا کیونکہ ستاروں کی روشنیاں آفتاب کے نور میں مندرج ہیں، پس دِن ہمارے لئے اور اُس کی تہمارات اہلِ کتاب کے لئے ہے جس کی بنا پر وہ ذلت و پستی کو اختیار کر کے جزیہ ادا کرتے ہیں اور ہم نے آسمان کے ہر اَمر کو تنزلاتِ موصلیہ میں کھول کر بیان کیا ہے۔

جب تو اس سے واقفیت حاصل کر لے گا تو اس میں بعض امور کو جان لے گا۔

پانچویں آسمان میں آپ کی خصوصیت

پانچویں آسمان میں ماموربہ وحی سے وہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختصاص ہے کیونکہ حُبّبَ اِلیہِ النِسّاءِ کا جملہ سوائے آپ کے کسی نبی پر ہرگز وارد نہیں ہوا یعنی آپ کی طرف عورتوں کی محبت دی گئی۔ اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ کی طرح آپ کو کثیر عورتیں عطا کی گئی تھیں لیکن ہمارا کلام حُبّبَ اِلیہِ کے ہونے سے ہے اور یہ اس لئے ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی تھے اور حضرت آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے جیسا کہ ہم نے اس وجہ پر مقرر کیا جس کی ہم نے شرح کی ہے کہ آپ اپنے رب کی طرف منقطع تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کی بنا پر آپ اس کے ساتھ دنیا کی طرف نہ دیکھتے تھے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کے ساتھ رعایت ادب کے ساتھ مشغول رہتے تھے اور دوسری چیز کی طرف فارغ نہ ہوتے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی طرف عورتوں کی محبت راغب کر دی۔ اور یہ ان خواتین یعنی آپ کی ازواجِ مطہرات پر اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی۔ پس حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس محبت کی طرف راغب کیا۔

اللہ تعالیٰ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے

مُسلم نے صحت کے ساتھ اس حدیث کی تخریج الواب الایمان میں کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ

ہیں اچھے جوتے اور اچھے کپڑے کو پسند کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔

ان اللہ جمیل یحب الجمال الحدیث

اللہ خوبصورت ہے۔ خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔

اِس آسمان سے خوشبو کو پسند فرماتا ہے اور نکاح آپؐ کی سنّت سے ہے قطع کرنے سے نہیں اور نکاح کو اُس سرِ الٰہی کے لئے عبادت مقرر کیا گیا جو آپؐ میں ودیعت کیا گیا تھا اور یہ نہیں مگر عورتوں میں اور یہ ظہر راعیان اُن تین احکام کے لئے ہے جن کا ذکر دو مقدموں سے نتیجہ میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور رابطہ وُہ ہے جسے نتیجہ کی عِلّت مقرر کیا گیا۔ تو یہ فضل اور اُس امر کی شکل ہے جو حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے مخصوص ہے۔

مہر میں قرآن سِکھانا

اِس میں نکاح ہبہ کو زیادہ کیا گیا ہے جیسا کہ آپؐ کی اُمّت میں مقرر ہے جس میں کسی کے پاس معاوضوں سے کوئی چیز نہ ہونے کی صورت میں نکاح کرنے کے لئے بطورِ خاص قرآن سے جو اُسے یاد ہو مہر میں ادا کرے نہ کہ وہ جسے وہ عورت جانتی ہے اور یہ بات اگرچہ قدرتِ ہبہ کا مقابلہ نہیں کرتی۔ تاہم اِس میں اُمّت کے لئے گنجائش ہے اور وُسعت میں اُس امر کو پورا نہیں کیا گیا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر آسمان میں وحی فرمایا۔

حضوؐر کے خصوصی اعزازات

چھٹے آسمان میں امرِ وحی سے قرآن کا اعجاز ہے اور وہ جوامع الکلم سے

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس آسمان سے نازل ہوا اور آپؐ سے پہلے یہ کسی نبیؑ کو عطا نہیں ہوا۔ اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے چھ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبیؑ کو نہیں عطا کی گئیں اور یہ سب آسمانوں میں وحی کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا — حم السجدہ آیت ۱۲۔

اور ہر آسمان میں اُس کا امر وحی کیا گیا۔

چنانچہ ہر آسمان میں وہ اَمر مقرر کیا گیا جو زمین کی اس مخلوق میں اصلاح کے لئے نافذ ہے۔ اسی بنا پر آپؐ اکیلے تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے اور آپؐ کی رسالت عام ہے، اور یہ وُہ اَمر ہے جس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چوتھے آسمان میں وحی فرمائی اور آپؐ کو رُعب کے ساتھ نصرت دی گئی اور یہ وُہ ہے جو وہاں سے تیسرے آسمان میں وحی کیا گیا۔

اور ان میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا آپؐ کے لئے غنیمتوں کو حلال کرنا اور زمین کو آپؐ کے لئے مسجد اور پاک قرار دینا وہاں سے دُوسرے آسمان سے ہے۔

آپؐ کو جوامع الکلم کا عطا ہونا چھٹے آسمان کی وحی کے اَمر سے ہے اور اس آسمان کے اَمر سے وُہ ہے جس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کو مخصوص فرمایا اور وہ آپؐ کو زمین کے خزانوں کی چابیوں کا عطا ہونا ہے۔

وہاں سے ساتویں آسمان میں وحی کا اَمر رہا ہے اور یہ آسمانِ دُنیا ہے جو ہم سے ملا ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے عزت کمال کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور اس کے ساتھ شریعتوں کو مکمل فرمایا۔ اور آپؐ کو

خاتم النبیین قرار دیا اور یہ امر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں۔ اسی لئے اور اسم کی اشکال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام سرداریوں کے لئے جامع سرداری کے ساتھ اور عام شرفِ محیط کے ساتھ منفرد ہوئے۔

زمان اور میزان

ہمیں اس کی خبر دی گئی جو آپؐ کو اپنی ولادتِ مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بعض وحی کا حصول ہوا جس کے ساتھ ہر آسمان میں اس امر کے ساتھ ہے اور آپؐ نے زمان کہا اور دہر نہیں فرمایا اور نہ آپؐ کے علاوہ کسی نے میزان کے وجود کی خبر دی ہے کیونکہ زمان ذکر کے ساتھ ان حروف سے نہیں نکلا جو میزان میں ہیں۔

میزان کی یا۔ مقرر کی جس سے زا بدلی ہوئی ہے اور زا تخفیف کی اور زمان میں شمار کیا اور شعار مقرر کیا کہ اس زا میں ایک حرف مدغم ہے۔

چنانچہ میزان میں عدلِ روحانی کے لئے زمان موجودِ اول ہے اور اسم باطن میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ہے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا! میں نبی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ پھر اس دورۂ زمان کے ختم ہونے کے بعد لوٹ آیا اور یہ اٹھتر سال کا دورہ ہے۔

زمانے کا دوسرا دورہ میزان

پھر اسم ظاہر کے ساتھ زمان سے دوسرے دورے کی ابتدا ہوئی تو اس

میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اطہر ظاہر ہوا اور آپؐ کی شریعت کنایہ کے ساتھ نہیں بلکہ تعین و تصریح کے ساتھ ظاہر ہوئی اور آخرت کے حکم کے ساتھ متصل ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

الانبیاء آیت ۴۷

اور قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو قائم کریں گے۔"

اور ہمارے لئے فرمایا!

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ "الرحمٰن آیت ۹

اور ہر چیز انصاف سے تولو اور وزن میں کمی نہ کرو۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا!

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ

الرحمٰن آیت ۶

اور اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کی۔

ہر آسمان میں اُس کے اَمر کی میزان کے ساتھ وحی فرمائی اور اِس کے ساتھ زمین میں قوتوں کا اندازہ فرمایا اور دُنیا کی ہر چیز میں میزان کو نصب کیا۔ چنانچہ میزان معنوی اور میزان حسّی کبھی غلطی نہیں کرتا۔

پس میزان کلام میں اور جمیع صنائع محسوسہ میں داخل ہے اور ایسے ہی مُعانی میں داخل ہے کیونکہ وہ اَجسام و اَجرام کے وجُود کی اصل ہے۔ اور جن مُعانی کو حُکمِ میزان کے وقت محمُول کیا جاتا ہے۔ میزان کا وجُود زمان کے اُوپر اُس وزنِ الٰہی سے ہے جو اسمِ حکیم کو طلب کرتا ہے اور اُس سے حُکمِ عدل

ظاہر ہوتا ہے نہیں کوئی معبود مگر وہ۔

تمام برجوں کو ظاہر کرنے والا میزان ہے

میزان سے برجِ عقرب ظاہر ہوا ہے اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں امرِ الٰہی سے وحی کیا گیا ہے اور برجِ میزان سے ہی قوس، جدی، دلو، حوت، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد اور سنبلہ برج ظاہر ہوتے اور دوروں کی تکرار کے لئے میزان کی طرف دورۂ زمانیہ کی انتہا ہوئی۔

بارہ برجوں کے نام فرشتوں کے نام پر ہیں

پس حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ظہور مبارک ہوا۔ اور اجزائے زمان کے ہر جزء میں آپؐ کا حکم تھا اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے ظہور کے ساتھ اس میں جمع ہوتے اور برجوں کے یہ اسماء فرشتوں کے نام ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمایا اور وہ بارہ فرشتے ہیں اور ان کے لئے فلکِ محیط میں مراتب مقرر کئے اور ہر فرشتے کے ہاتھ میں ایک امر مقرر کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس سے جو چاہے اُس حکمت کو وہ فرشتے زمین کی طرف اپنے علاوہ فرشتوں کے ذریعہ سے ظاہر کرتے ہیں

صاحبِ خُلقِ عظیم

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روحانیت زمانہ اخلاق سے اُس حیثیت سے ہر اُس حرکت سے اکتساب کرتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امورِ الٰہیہ سے ان حرکات میں ودیعت فرمایا ہے۔ چنانچہ وجودِ ترکیبی سے پہلے

اِن صفات سے اکتساب ہمیشہ رہا یہاں تک کہ آپؐ کا جسمِ اطہر اُن اخلاقِ محمودہ کے ساتھ ظاہر ہُوا جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کی جبلّت کو بنایا تھا تو اس میں فرمایا!

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

القلم آیت ۴

اور بے شک آپؐ تو خُلقِ عظیم والے ہیں۔

اقسامِ اخلاق

جو صاحبِ خُلق ہے صاحبِ تخلّق نہیں اس لئے کہ اخلاق مختلف ہوتے ہیں اُس محل کے اختلاف کے ساتھ جس کے ساتھ اُن کا مقابل ہے، صاحبِ خُلق اُس علم کی طرف احتیاج رکھتا ہے جس پر وہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اُس محلِّ خلق سے تصرف کرے جو اللہ تعالیٰ کے امر سے اُس کی شان کے لائق ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف قربت حاصل ہو جائے، اِس لئے شریعتیں نازل ہُوئیں تاکہ لوگوں کے لئے اُن احکامِ اخلاق کے محلات کو ظاہر کریں جس پر انسان کی جبلّت رکھی گئی، تو اِس کی مثل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس کے خُلق میں وجودِ تافیف اور سختی کے لئے فرمایا!

اسریٰ آیت ۲۲

یعنی والدین کو اُف نہ کہو۔

اِس خُلق کو اُس محل سے الگ کر دیا جس میں اِس خُلق کا حکم ظاہر ہوتا ہے پھر اُس محل کو ظاہر کیا جس میں یہ خُلق ظاہر ہوتا ہے۔

تو فرمایا!

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

الانبیاء آیت ۶۷

تف ہے تم پر اور تمہارے اُن معبودوں پر جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا! فَلَا تَخَافُوْهُمْ۔ یعنی اُن سے خوفزدہ نہ ہو۔ تو اس محل سے اُسے ظاہر کیا جس میں خوف کے خلق کو ظاہر کرنا لائق نہیں۔ پھر اُن کے لئے فرمایا! خافونی یعنی مجھ سے خوفزدہ رہو تو اُن کے لئے اس صفت کے حکم کو ظاہر کیا جس کا حق پہنچتا تھا۔

ایسے ہی حسد، حرص، اور وہ تمام اخلاق جن کی رُوحانیت کا حکم اس نشاۃِ طبیعہ میں ظاہر ہے اس میں ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے لئے اُنہیں ظاہر فرما دیا ہے جہاں اُنہیں ظاہر فرما دیا ہے جہاں اُنہیں ظاہر کرنا ہے اور جہاں ظاہر کرنے سے روکا گیا ہے کیونکہ اس نشاۃ سے اُن کا ازالہ محال ہے مگر اُن کے زائل ہونے سے کیونکہ وہ ذاتی ہیں اور کوئی چیز اپنی ذات سے الگ نہیں ہوتی۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے حسد دو چیزوں میں ہے اور فرمایا! اللہ تبارک و تعالیٰ تیری حرص کو زیادہ کرے اور تجاوز نہ کر۔

جمادات ارواح ہیں

اور ہم نے اُن اخلاق کی رُوحانیتِ ظاہری کے حکم میں کہا جس میں اس بات سے اہلِ کشف اور محققین سے عُلماءِ راسخین سے احتراز کیا جا سکے کیونکہ جمادات و نباتات کا نام ہمارے نزدیک ارواح ہے جو اہلِ کشف کے علاوہ عادتاً اِدراک سے پوشیدہ ہیں۔ حیوانات کو محسوس کرنے کی مثل اُن کا احساس

نہیں کیا جاسکتا۔

اہلِ کشف کے نزدیک تمام حیوان ناطق بلکہ زندہ ناطق ہیں۔ بغیر اس کے کہ مزاجِ خاص کا نام انسان ہے نہ کہ دُوسری صُورت کا، اور مخلوق کے درمیان مزاج میں تفاضل واقع ہے کیونکہ ہر ممتزج میں مزاجِ خاص کا ہونا لازمی ہے جو سوائے اُس کے دُوسرے میں نہیں ہوگا جس کے ساتھ دُوسرے کی تمیز کی جاسکے۔ جیسا کہ اُس کا اپنے غیر کے ساتھ کسی امر میں مجتمع ہونا جس کے ساتھ اشتراق واقع ہو سکے تو وہ عین نہیں ہوگا اور تمیز عین ہے جس کے ساتھ اشتراک اور عدمِ تمیز واقع ہوتی ہے۔ پس اِسے جان لیں اور تحقیق کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ بنی اسرائیل آیت ۴۴

کوئی شَے ایسی نہیں جو اُس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔

حدیث میں آیا ہے کہ۔

ان المؤذن یشھد لہ مدی صوتہ من رطب و یابس " الحدیث "

جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے ہر خشک وتر چیز اُس کی گواہی دے گی۔

پتھروں کی آواز

شریعتیں اور نبوتیں اس قبیل کے امُور سے بھری پڑی ہیں اور ہم نے ایمان اور کشف کی خبروں کے ساتھ زیادہ کیا ہے اور ہم نے پتھروں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سُنا ہے اور وہ ہم سے اُس

خطاب کے ساتھ مخاطب ہوتے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلال کے ساتھ عارفوں کا خطاب ہے اور اس کا اِدراک ہر انسان نہیں کر سکتا۔

حیوانوں کا اِدراک

پس اللہ تبارک و تعالیٰ کی مخلوق سے ہر جنس اُمتوں سے ایک اُمت ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کی فطرت اور مخصوص عبادت پر پیدا فرمایا ہے جس کے ساتھ اُن کے نفوس میں اُن کی طرف وحی کی جاتی ہے اور اُن کا رسول اُن کی ذوات سے ہوتا ہے۔ یعنی اُنہیں میں سے ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں اُس خاص اِلہام کے ساتھ اعلام ہوتا ہے جس پر اُن کی جبلت ہوتی ہے جیسا کہ ایسی اشیا کا بعض حیوانات کو علم ہوتا ہے جس کے ادراک سے ریاضی دان اور علما قاصر ہیں۔

حیوانات کا یہ علم حشرات الارض اور کھانے کی چیزوں پر علی الاطلاق اُن کے نفع کے لئے اور نقصان دِہ چیزوں سے اجتناب کے لئے ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اُن کی فطرت میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی جمادات و نباتات کا مسمّیٰ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہماری بصارتوں اور سماعتوں کو اُن کی گفتگو سننے سے رد کا ہوا ہے اور قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک انسان سے اُس کی ران کلام نہیں کرے گی اور اُسے نہیں بتائے گی کہ اُس کے اہلِ خانہ نے کیا کام ہے۔

علومِ مصطفےٰ ﷺ

حکما میں سے جہلاء نے بابِ علم سے اختلاج کو مقرر کیا ہے جب کہ اُن کا ایمان اِس کے ساتھ درست ہو۔ اِس علم سے اُن کی مُراد زجر و انتباہ ہے۔

اگرچہ نفس الامر میں علمِ زجر درست ہے اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسرار سے ہے لیکن اس کلام میں شارع علیہ السلام کا یہ مقصود نہیں. کیونکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کشف تمام و کمال تھا تو آپ اسے دیکھتے تھے، جسے دوسرے نہیں دیکھ سکتے تھے اور آپ نے اس امر کی خبر دی جس پر اہل اللہ نے عمل کیا تو اسے درست پایا. حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

لولا تمریدٍ فی حدیثکم تمریج فی قلوبکم لرأیتم ما اریٰ والسمعتم ما اسمع

الحدیث

اگر تمہاری گفتگو میں سرعت اور تیزی نہ ہوتی اور تمہارے دلوں میں لرزش نہ ہوتی تو تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں اور وہ سنتے جو میں سنتا ہوں۔

پس آپ جمیع امور میں مخصوص مرتبہ کمال پر تھے اور ان میں سے آپ کا عبودیت میں کمال تھا. آپ صرف عبد تھے. آپ نے کسی پر اپنی ذات کے ساتھ ربانیت قائم نہیں فرمائی اور اسی امر نے آپ کے لئے سرداری واجب کی اور یہی امر آپ کے شرفِ دوام پر دلیل ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں.

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یذکر اللہ علیٰ کل احیانہ

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہر وقت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہا کرتے تھے.

اور ہمارے لئے اس سے وافر میراث ہے اور یہ امر انسان کے باطن اور اس کے قول سے مخصوص ہے جب کہ کبھی باوجود اس مقام کے ساتھ تحقق ہونے کے انسان کے افعال کے ساتھ اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے تو یہ

امراس پر ملتبس ہوتا ہے جسے احوال کے ساتھ اس کی معرفت حاصل نہیں۔

ہم نے اس باب میں اپنی ضرورت کے مطابق امور کو بیان کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اَلحَمدُ لِلّٰہِ بارھویں باب کا ترجمہ تمام ہوا۔

الفتوحات المكية

التي فتح الله بها على الشيخ الإمام العامل الراسخ الكامل
خاتم الأولياء الوارثين برزخ البرازخ محيي الحق
والدين أبي عبد الله محمد بن علي المعروف بابن عربي
الحاتمي الطائي قدس الله روحه ونوّر ضريحه آمين

علی برادران نزد جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد

چشتی کتب خانہ فیصل آباد

عزيز حكيم لا يتوصل أحد الى معرفة كنه الالوهة أبدا ولا ينبغى لها أن تدرك عزت وتعالت علوا كبيرا فالعالم كله من أوله الى آخره مقيد بعضه ببعضه عابد بعضه بعضا معرفتهم منهم اليهم وحقائقهم منبعثة عنهم بالسر الالهى الذى لا يدركونه وعائدة اليهم فسبحان من لا يجارى فى سلطانه ولا يدانى فى احسانه لا اله الا هو العزيز الحكيم فبعد فهم جوامع الكلم الذى هو العلم الاحاطى والنور الالهى الذى اختص به سر الوجود وعمد القبة وساق العرش وسبب ثبوت كل ثابت محمد صلى الله عليه وسلم فاعلموا وفقكم الله أن جوامع الكلم من عالم الحروف ثلاثة ذات غنية قائمة بنفسها وذات فقيرة الى هذه الغنية غير قائمة بنفسها ولكن يرجع منها الى الذات الغنية وصف تتصف به بطلبها بذاته فانه ليس من ذاتها الا بمصاحبة هذه الذات لها فافتقر صح أيضا من وجه الفقر للذات الغنية القائمة بنفسها كما صح للاخرى وذات ثالثة رابطة بين ذاتين غنيتين أو ذاتين فقيرتين أو ذات فقيرة وذات غنية وهذه الذات الرابطة فقيرة لوجود هاتين الذاتين ولا بد فقد قام الفقر والحاجة بجميع الذوات من حيث افتقار بعضها الى بعض وان اختلفت الوجوه حتى لا يصح الغنى على الاطلاق الا لله تعالى الغنى الحميد من حيث ذاته فلنسم الغنية ذاتا والذات الفقيرة حدثا والذات الثالثة رابطة فقول الكلم محصور فى ثلاث حقائق ذات وحدث ورابطة وهذه الثلاثة جوامع الكلم فيدخل تحت جنس الذات أنواع كثيرة من الذوات وكذلك تحت جنس كلمة الحدث والرابط ولا نحتاج الى تفصيل هذه الانواع وساقها فى هذا الكتاب وقد اتسع القول فى هذه الانواع فى تفسير القرآن لنا وان شئت أن تقيس على ما ذكرناه فانظر فى كلام النحويين وتقسيمهم الكلم وفى الاسم والفعل والحرف وكذلك المنطقيين فالاسم عندهم هو الذات عندنا والفعل عندهم هو الحدث عندنا والحرف عندهم هو الرابطة عندنا وبعض الاحداث عندهم بل كلها أسماء كالقيام والقعود والضرب وجعلوا الفعل كل كلمة مقيدة بزمان معين ونحن انما قصدنا بالكلمات الجرى على الحقائق بما هى عليه فجعلنا القيام وقام ويقوم وقم حدثا وفصلنا بينهم بالزمان المبهم والمعين وقد تفطن لذلك الزجاجى فقال والحدث الذى هو القيام مثلا هو المصدر يريد هو الذى صدر من المحدث وهو اسم الفعل يريد أن القيام هذه الكلمة اسم لهذه الحركة المخصوصة من هذا المتحرك الذى بها سمى قائما فتلك الهيئة هى التى سميت قياما بالنظر الى حال وجودها وقام بالنظر الى حال انقضائها وعدمها ويقوم وقم بالنظر الى توهم وقوعها ولا توجد أبدا الا فى متحرك فهى غير قائمة بنفسها ثم قال والفعل يريد لفظة قام ويقوم لا نفس الفعل الصادر من المتحرك قائما مثلا مشتق منه الهاء تعود على لفظة اسم الفعل الذى هو القيام مأخوذ يعنى قام ويقوم من القيام لان النكرة عنده قبل المعرفة والمبهم نكرة والمختص معرفة والقيام مجهول الزمان وقام مختص الزمان ولو دخلت عليه أن ويقوم مختص الزمان ولو دخلت عليه لم وهذا مذهب من يقول بالتحليل انه فرع عن التركيب وان المركب وجد مركبا وعلى مذهب من يقول بالتفريق وان التركيب طارئ وهو الذى يعضد فى باب النقل أكثر فان الاظهر ان المعرفة قبل النكرة وان لفظة زيد انما وضعت لشخص معين ثم طرأ التنكير بكونه شورك فى تلك اللفظة فاحتيج الى التعريف بالنعت والبدل وشبه ذلك فالمعرفة أسبق من النكرة عند المحققين وان كان لهؤلاء وجه ولكن هذا أليق وأما نحن ومن يجرى مجرانا ورقى مرقانا الاشمخ ففرضنا أمر آخر ليس هو قول أحدهما مطلقا الا بنسب واضافات ونظر الى وجوه ما يطول ذكرها ولا تمس الحاجة اليها فى هذا الكتاب اذ قد ذكرناها فى غيره من تواليفنا فلنبين أن الحركات على قسمين حركة جسمانية وحركة روحانية والحركة الجسمانية لها أنواع كثيرة سيأتى ذكرها فى داخل الكتاب وكذلك الروحانية ولا نحتاج منها فى هذا الكتاب الا الى حركات الكلام لفظا وخطا فالحركات الرقمية كالاجسام والحركات اللفظية لها كالارواح والمتحركات على قسمين متمكن ومتلون فالمتلون كل متحرك تحرك بجميع الحركات أو ببعضها فالمتحرك بجميعها كالدال من زيد والمتحرك ببعضها كالاسماء التى لا تنصرف فى حال كونها لا تنصرف فانها قد تنصرف فى التنكير والاضافة كالدال من أحمد والمتمكن كل متحرك ثبت على حركة واحدة ولم ينتقل عنها كالاسماء المبنية مثل هؤلاء وحذام وكحروف الاسماء المعربة التى قبل حرف الاعراب منها كالزاى والياء من زيد وشبهه واعلم أن أفلاك الحركات هى أفلاك

الحروف لتى تلك الحركات عليها لفظا وخطا فانظره هناك ولها بسائط وأحوال ومقامات كما كان للحروف نذكرها
فى كتاب المبادى المخصوص بعلم الحروف ان شاء الله وكما ثبت التلوين والتمكين للذات كذلك ثبت للحدث والرابط
ولكن فى الرفع والنصب وحذف الوصف وحذف الرسم ويكون تلوين تركيب الرابط لامرين بالموافقة والاستعارة
والاضطرار فبالموافقة وهو الاتباع هذا ابنم ورأيت ابنما وعجبت من ابنم وبالاستعارة حركة النقل لحركة الدال من قد
أفلح فى قراءة من نقل وبالاضطرار التحريك لالتقاء الساكنين وقد تكون حركة الاتباع الموافق فى التركيب الذاتى
وان كان أصل الحروف كلها التمكين وهو البناء مثل الفطرة فينا وهنا أسرار ان تفطن ولكن الوالدان ينقلان عن
الفطرة المقيدة لا الفطرة المطلقة كذلك الحروف متمكنة فى مقامها لا تختل ثابتة مبنية كلها ساكنة فى حالها فأراد
اللافظ أن يوصل الى السامع ما فى نفسه فافتقر الى التلوين فحرك الفلك الذى عنه توجد الحركات عند أبى طالب
وعند غيره هو المتقدم واللفظ أو الرقم عن ذلك الفلك وهذا موضع طلب لمريدى معاينة الحقائق وأما نحن فلا نقول
بقول أبى طالب ونقتصر ولا بقول الآخر ونقتصر فان كل واحد منهما قال حقا من جهة ما ولم يتمم فأقول ان الحقائق الاول
الالهية تتوجه على الافلاك العلوية بالوجه الذى تتوجه به على محال آثارها عند غير أبى طالب المكى وتقبل كل حقيقة
على مرتبتها ولما كانت تلك الافلاك فى اللطافة أقرب عند غير أبى طالب الى الحقائق كان قبولها أسبق لعدم الشغل
وصفاء المحل من كدورات العلائق فانه نزيه فلهذا جعلها السبب المؤثر ولو عرف هذا القائل ان تلك الحقائق الاول انما
توجهت على ما يناسبها فى اللطافة وهو أنفاس الانسان فتحرك الفلك العلوى الذى يناسبه عالم الانفاس وهذا مذهب
أبى طالب ثم يحرك ذلك الفلك العلوى العضو المطلوب بالغرض المطلوب بتلك المناسبة التى بينهما فان الفلك العلوى
وان لطف فهو فى أول درج الكثافة وآخر درج اللطافة بخلاف عالم أنفاسنا واجتمعت المذاهب فان الخلاف لا يصح
عندنا ولا فى طريقنا لكنه كاشف وا كشف فتفهم ما أشرنا اليه وتحققه فانه سر عجيب من أكبر الاسرار الالهية وقد
أشار اليه أبو طالب فى كتاب القوت له ثم نرجع ونقول فافتقر المتكلم الى التلوين ليبلغ الى مقصده فوجد عالم
الحروف والحركات قابلا لما يريده منها لعلمها أنها لا تزول عن حالها ولا تبطل حقيقتها فيتخيل المتكلم انه قد غير الحرف
وما غيره برهان ذلك أن تفنى نظرك فى دال زيد من حيث هو دال وانظر فيه من حيث تقدمه قام مثلا وتفرغ اليه أو أى
فعل لفظى كان ليحدث به عنه فلا يصح لك الا الرفع فيه خاصة فما زال عن بنائه الذى وجد عليه ومن تخيل أن دال
الفاعل هو دال المفعول أو دال المجرور فقد غلط واعتقد أن الكلمة الاولى هى عين الثانية لا مثلها ومن اعتقد هذا فى
الوجود فقد بعد عن الصواب ومما يأتى من هذا الفصل فى الالفاظ شئ ان قدر وألهمناه فقد نبين لك أن الاصل
الثبوت لكل شئ ألا ترى العبد حقيقته ثبوته وتمكنه انما هو فى العبودة فلن اتصف يوما ما بوصف ربانى فلا تقل هو
معار عنده ولكن انظر الى الحقيقة التى قبلت ذلك الوصف منه تجدها ثابتة فى ذلك الوصف كما ظهر عينها انحات بتلك
الحلية فاياك أن تقول قد خرج هذا عن طوره بوصف ربه فان الله تعالى ما نزع وصفه وأعطاه اياه وانما وقع الشبه فى
اللفظ والمعنى معا عند غير المحقق فيقول هذا هو هذا وقد علمنا أن هذا ليس هذا وهذا ينبغى لهذا ولا ينبغى لهذا ليكن
عند من لا ينبغى له عارية وأمانة وهذا قصور وكلام من عمى عن ادراك الحقائق فان هذا ولا بد ينبغى له هذا فليس الرب
هو العبد وان قيل فى الله سبحانه انه عالم وقيل فى العبد انه عالم وكذلك الحى والمريد والسميع والبصير وسائر الصفات
والادراكات فاياك أن تجعل حياة الحق هى حياة العبد فى الحد فتلزمك المحالات فاذا جعلت حياة الرب على ما تستحقه
الربوبية وحياة العبد على ما يستحقه الكون فقد انبغى للعبد أن يكون حيا ولو لم ينبغ له ذلك لم يصح أن يكون الحق
آمرا ولا قاهرا الا لنفسه ويتنزه تعالى أن يكون مأمورا أو مقهورا فاذا ثبت أن يكون المأمور والمقهور أمرا آخر وعينا
أخرى فلا بد أن يكون حيا عالما مريدا متمكنا مما يراد به هكذا تعطى الحقائق فتم على هذا حرف لا يقبل سوى حركته
كالهاء من هذا وثم حرف يقبل الحركتين والثلاث من جهة صورته الجسمية والروحية كالهاء فى الضمير له ولها وبه كما
تقبل انت بنفسك الخجل وبصورتك حمرته وتقبل بنفسك الوجل وبصورتك صفرته والثوب يقبل الالوان المختلفة وما

بقي الكشف الاعم الحقيقة التي تقبل الاعراض هل هي واحدة أو شأنها شأن الاعراض في العدم والوجود وهذا
مبحث للنظار وأما نحن فلا نحتاج اليه ولا نلتفت فانه بحر عميق يحال المريد على معرفته من باب الكشف عليه فانه
بالنظر الى الكشف يسير وبالنظر الى العقل عسير ثم أرجع وأقول ان الحرف اذا قامت به حقيقة الفاعلية بتفريغ
الفعل على البنية المخصوصة في اللسان تقول قال الله واذا قامت به حقيقة تطلبه يسمى عندها منصوبا بالفعل أو مفعولا
كيف شئت وذلك بأن تطلب منه العون أو تقصده كما طلب مني القيام بما كلفني فمن أجل انه لم يعطني الا بعد سؤالي
فكان سؤالي أو حالي القائم مقام سؤالي بوعده جعله يعطيني قال تعالى وكان حقا علينا نصر المؤمنين فسؤالي اياه من
أمره اياي به واعطاؤه اياي من طلبي منه فتقول دعوت الله فنصبت حرف الهاء وقد كانت مرفوعة فعلمنا بالحركات
أن الحقائق قد اختلفت بهذا أثبت الاصطلاح في لحن بعض الناس وهذا اذا كان المتكلم به غيرنا وأما المتكلم فالحقائق
يعلم أولا ويجريها في أفلاكها على ما تقتضيه بالنظر الى أفلاك مخصوصة وكل متكلم بهذه المثابة وان لم يعلم هذا التفصيل
وهو عالم به من حيث لا يعلم انه عالم به وذلك ان الاشياء المتلفظ بها اما لفظ يدل على معنى وهو مقام الباحث في اللفظ
ومدلوله ليرى ما قصد به المتكلم من المعاني واما معنى يدل عليه بلفظ ما وهو المخبر عما تحقق وأضربنا عن اللحن فان
أفلاكه غير هذه الافلاك واسقاط الحركات من الخط في حق قوم دون قوم ما سببه ومن أين هو هذا كله في كتاب
المبادي اذ كان القصد بهذا الكتاب الايجاز والاختصار جهد الطاقة ولو اطلعتم على الحقائق كما أطلعنا عليها وعلى عالم
الارواح والمعاني لرأيتم كل حقيقة وروح ومعنى على مرتبته فافهم والزم قد ذكرنا من بعض ما تعطيه حقائق الحركات
ما يليق بهذا الكتاب فلنقبض العنان ولنرجع الى معرفة الكلمات التي ذكرناها مثل كلمة الاستواء والاين وفي وكان
والضحك والفرح والتبشبش والتعجب والملل والمعية والعين واليد والقدم والوجه والصورة
والتحول والغضب والحياء والصلاة والفراغ وما ورد في الكتاب العزيز والحديث من هذه الالفاظ التي توهم
التشبيه والتجسيم وغير ذلك مما لا يليق بالله تعالى في النظر الفكري عند العقل خاصة فنقول لما كان القرآن منزلا
على لسان العرب ففيه ما في اللسان العربي ولما كانت الاعراب لا تعقل ما لا يعقل الا حتى ينزل لها في التوصيل بما تعقله
لذلك جاءت هذه الكلمات على هذا الحد كما قال ثم دنا فتدلى فكان قاب قوسين أو أدنى ولما كانت الملوك عند
العرب تجلس عبيدها المقرب المكرم منها بهذا القدر في المساحة فعقلت من هذا الخطاب قرب محمد صلى الله عليه وسلم
من ربه ولا تبالي بما فهمت من ذلك سوى القرب فالبرهان العقلي ينفي الحد والمسافة حتى يأتي الكلام في تنزيه الباري
عما تعطيه هذه الالفاظ من التشبيه في الباب الثالث الذي يلي هذا الباب ولما كانت الالفاظ عند العرب على أربعة
أقسام ألفاظ متباينة وهي الاسماء التي لم تتعد مسماها كالبحر والمفتاح والمقصان وألفاظ متواطئة وهي كل لفظة قد
تواطئ عليها أن تطلق على آحاد نوع ما من الانواع كالرجل والمرأة وألفاظ مشتركة وهي كل لفظ على صيغة واحدة
يطلق على معان مختلفة كالعين والمشتري والانسان وألفاظ مترادفة وهي ألفاظ مختلفة الصيغ تطلق على معنى واحد
كالاسد والهزبر والغضنفر وكالسيف والحسام والصارم وكالخمر والرحيق والصهباء والخندريس هذه هي الامهات مثل
البرودة والحرارة واليبوسة والرطوبة في الطبائع ثم ألفاظ متشابهة ومستعارة ومنقولة وغير ذلك وكلها ترجع الى
هذه الامهات بالاصطلاح فان المتشبه وان قلت فيه انه قبيل خامس من قبائل الالفاظ مثل النور يطلق على المعلوم وعلى
العلم لشبه العلم به من كشف عين البصيرة به المعلوم كالنور مع البصر في كشف المرئي المحسوس فلما كان هذا الشبه
صحيحا سمي العلم نورا او يلحق بالالفاظ المشتركة فاذن لا ينفك لفظ من هذه الامهات وهذا هو حد كل ناظر في هذا
الباب وأما نحن فنقول بهذا معهم وعندنا زوائد من باب الاطلاع على الحقائق من جهة لم يطلعوا عليها علمنا بها ان
الالفاظ كلها متباينة وان اشتركت في النطق ومن جهة أخرى أيضا كلها مشتركة وان تباينت في النطق وقد تقدم الى
شيء من هذا فيما تقدم من هذا الباب في آخر فصل الحروف فاذا تبين هذا فاعلم أيها الولي الحميم ان المحقق الواقف العالم
بما تقتضيه الحضرة الالهية من التقديس والتنزيه ونفي المماثلة والتشبيه لا يعجبه ما نطقت به الآيات والاخبار في حق

الحق

الحق تعالى من أدوات التقييد بالزمان والجهة والمكان كقوله عليه السلام أين الله فاشارت الى السماء وأثبت لها الايمان فسأل صلى الله عليه وسلم بالظرفية عما لا يجوز عليه المكان فى النظر العقلى والرسول أعلم بالله والله أعلم بنفسه وقال فى الظاهر أأمنتم من فى السماء بالفاء وقال وكان الله بكل شئ عليما والرحمن على العرش استوى وهو معكم أينما كنتم ما يكون من نجوى ثلاثة الا هو رابعهم ويفرح بتوبة عبده ويعجب من الشاب ليست له صبوة وما أشبه ذلك من الادوات اللفظية وقد تقرر بالبرهان العقلى خالقه الازمان والامكنة والجهات والالفاظ والحروف والادوات والمتكلم بها والمخاطبين من المحدثات كل ذلك خلق لله تعالى فيعرف المحقق قطعا انها مصروفة الى غير الوجه الذى يعطيك التشبيه والتمثيل وان الحقيقة لا تقبل ذلك أصلا ولكن تتفاضل العلماء السالمة عقائدهم من التجسيم فان المشبهة والمجسمة قد بطل علمهم علماء من حيث علمهم بأمور غير هذا فتفاضل العلماء فى هذا الصرف عن هذا الوجه الذى لا يليق بالحق تعالى فطائفة لم تشبه ولم تجسم وصرفت علم ذلك الذى ورد فى كلام الله ورسله الى الله تعالى ولم تدخل لها قدم فى باب التأويل وقنعت بمجرد الايمان بما يعلمه الله فى هذه الالفاظ والحروف من غير تأويل ولا صرف الى وجه من وجوه التنزيه بل قالت لا أدرى جملة واحدة ولكنى أحيل ابقاءه على وجه التشبيه لقوله تعالى ليس كمثله شئ لا لما يعطيه النظر العقلى وعلى هذا فضلاء المحدثين من أهل الظاهر السالمة عقائدهم من التشبيه والتعطيل وطائفة أخرى من المنزهة عدلت بهذه الكلمات عن الوجه الذى لا يليق بالله تعالى فى النظر العقلى عدلت الى وجه ما من وجوه التنزيه على التعيين مما يجوز فى النظر العقلى أن يتصف به الحق تعالى بل هو متصف به ولا بد وما بقى النظر الا فى ان هذه الكلمة هل المراد بها ذلك الوجه أم لا ولا يقدح ذلك التأويل فى الوهنية ورب عاء دلوابها الى وجهين وثلاثة وأكثر على حسب ما تعطيه الكلمة فى وضع اللسان ولكن من الوجوه المنزهة لا غير فاذا لم يعرفوا من ذلك الخبر أو الآية عند التأويل فى اللسان الا وجها واحدا قصروا الخبر على ذلك الوجه التنزيه وقالوا هذا هو ليس الا فى علمنا وفهمنا واذا وجدوا المصرفين فصاعدا صرفوا الخبر والآية الى تلك المصارف وقالت طائفة من هؤلاء يحتمل أن يريد كذا ويحتمل أن يريد كذا وتعدد وجوه التنزيه ثم تقول والله أعلم أى ذلك أراد وطائفة أخرى تقوى عندها وجه ما من تلك الوجوه التنزيهية بقرينة ما قطعت لتلك القرينة بذلك الوجه على الخبر وقصرته عليه ولم تعرج على باقى الوجوه فى ذلك الخبر وان كانت كلها تقتضى التنزيه وطائفة من المنزهة أيضا وهى العالية وهم من أصحابنا فرغوا قلوبهم من الفكر والنظر وأخلوها اذ كان المتقدمون من الطوائف المتقدمة المتأولة أهل فكر ونظر وبحث فقامت هذه الطائفة المباركة الموفقة والكل موفقون بحمد الله وقالت حصل فى نفوسنا تعظيم الحق جل جلاله بحيث لا نقدر أن نصل الى معرفة ما جاءنا من عنده بدقيق فكر ونظر فاشبهت فى هذا العقد المحدثين السالمة عقائدهم حيث لم ينظروا ولا تأولوا ولا صرفوا بل قالوا ما فهمنا فقال أصحابنا بقولهم ثم انتقلوا عن مرتبة هؤلاء بأن قالوا لنا ان نسلك طريقة أخرى فى فهم هذه الكلمات وذلك بأن نفرغ قلوبنا من النظر الفكرى ونجلس مع الحق تعالى بالذكر على بساط الادب والمراقبة والحضور والتهيؤ لقبول ما يرد علينا منه تعالى حتى يكون الحق تعالى يتولى تعليمنا على الكشف والتحقيق لما سمعته يقول واتقوا الله ويعلمكم الله ويقول ان تتقوا الله يجعل لكم فرقانا وقل رب زدنى علما وعلمناه من لدنا علما فعندما توجهت قلوبهم وهممهم الى الله تعالى ولجأت اليه وألقت عنها ما استمسك به الغير من دعوى البحث والنظر ونتائج العقول كانت عقولهم سليمة وقلوبهم مطهرة فارغة فعندما كان منهم هذا الاستعداد تجلى الحق لهم معلما فاطلعهم تلك المشاهدة على معانى هذه الاخبار والكلمات دفعة واحدة وهذا ضرب من ضروب المكاشفة فانهم اذا عاينوا بعيون القلوب من نزهته العلماء المتقدم ذكرهم بالادراك الفكرى لم يصح لهم عند هذا الكشف والمعاينة أن يجهلوا خبرا من هذه الاخبار التى توهم ولا ان يبقوا ذلك الخبر منسحبا على ما فيه من الاحتمالات النزيهة من غير تعيين بل يعرفون الكلمة والمعنى النزيه الذى سيقت له فيقصروها على ما أريدت له وان جاء فى خبر آخر ذلك اللفظ عينه فله وجه آخر من تلك الوجوه المقدسة معين عند هذا المشاهد هذا حال طائفة منا وطائفة أخرى منا أيضا ليس لهم هذا التجلى

ولكن لهم الالقاء والالهام واللقاء والكتابة وهم معصومون فيما يلقى اليهم بعلامة عندهم لا يعرفها سواهم فيخبرون بما خوطبوا به وبما ألهموا به وما ألقى اليهم أو كتب فقد تقرر عند جميع المحققين الذين سلموا الخبر لقائله ولم ينظروا ولا شبهوا ولا عطلوا والمحققين الذين بحثوا واجتهدوا ونظروا على طبقاتهم أيضا والمحققين الذين كوشفوا وعاينوا والمحققين الذين خوطبوا وألهموا ان الحق تعالى لا تدخل عليه تلك الادوات المقيدة بالتحديد والتشبيه على حد ما نعقله في المحدثات ولكن تدخل عليه بما فيها من معنى التنزيه والتقديس على طبقات العلماء والمحققين في ذلك لما فيه وتقتضيه ذاته من التنزيه واذا تقرر هذا فقد تبين أنها أدوات التوصيل الى افهام المخاطبين وكل عالم على حسب فهمه فيها وقوة نفوذه وبصيرته فمقيدة التكايف هينة الخطب فطر العالم عليها ولو بقيت المشبهة مع ما فطرت عليه ما كفرت ولا جسمت وان كان ما أرادوا التجسيم وانما قصدوا اثبات الوجود لكن لقصور افهامهم ما ثبت لهم الا بهذا التخيل فلهم النجاة واذ وقد ثبت هذا عند المحققين مع تفاضل رتبهم في درج التحقيق فلنقل ان الحقائق أعطت لمن وقف عليها أن لا يتقيد وجود الحق مع وجود العالم بقبلية ولا معية ولا بعدية زمانية فان التقدم الزماني والمكاني في حق الله ترمي به الحقائق في وجه القائل به على التحديد الا لهم الا ان قال به من باب التوصيل كما قاله الرسول صلى الله عليه وسلم ونطق به الكتاب اذ ليس كل أحد يقوى على كشف هذه الحقائق فلم يبق لنا أن نقول الا ان الحق تعالى موجود بذاته لذاته مطلق الوجود غير مقيد بغيره ولا معلول عن شئ ولا علة لشئ بل هو خالق المعلولات والعلل والملك القدوس الذي لم يزل وان العالم موجود بالله تعالى لا بنفسه ولا لنفسه مقيد الوجود بوجود الحق في ذاته فلا يصح وجود العالم البتة الا بوجود الحق واذا انتفى الزمان عن وجود الحق وعن وجود مبدأ العالم فقد وجد العالم في غير زمان فلا نقول من جهة ما هو الامر عليه ان الله موجود قبل العالم اذ قد ثبت ان القبل من صيغ الزمان ولا زمان ولا ان العالم موجود بعد وجود الحق اذ لا بعدية ولا مع وجود الحق فان الحق هو الذي أوجده وهو فاعله ومخترعه ولم يكن شيأ ولكن كما قلنا الحق موجود بذاته والعالم موجود به فان سأل سائل ذو وهم متى كان وجود العالم من وجود الحق قلنا متى سؤال زماني والزمان من عالم النسب وهو مخلوق لله تعالى لان عالم النسب له خلق التقدير لا خلق الايجاد فهذا سؤال باطل فانظر كيف تسأل فاياك ان تحجبك أدوات التوصيل عن تحقيق هذه المعاني في نفسك وتحصيلها فلم يبق الا وجود صرف خالص لا عن عدم وهو وجود الحق تعالى ووجود عن عدم عين الموجود نفسه وهو وجود العالم ولا بينية بين الوجودين ولا امتداد الا التوهم المقدر الذي يحيله العلم ولا يبقى منه شيأ ولكن وجود مطلق ومقيد وجود فاعل ووجود منفعل هكذا أعطت الحقائق والسلام ﴿مسئلة﴾ سألني وارد الوقت عن اطلاق الاختراع على الحق تعالى فقلت له علم الحق بنفسه عين علمه بالعالم اذ لم يزل العالم مشهودا له تعالى وان اتصف بالعدم ولم يكن العالم مشهودا لنفسه اذ لم يكن موجودا وهذا بحر هلك فيه الناظرون الذين عدموا الكشف وبنسبة لم تزل موجودة فعلمه لم يزل موجودا وعلمه بنفسه علمه بالعالم فعلمه بالعالم لم يزل موجودا فعلم العالم في حال عدمه وأوجده على صورته في علمه وسيأتي بيان هذا في آخر الكتاب وهو سر القدر الذي خفي عن أكثر المحققين وعلى هذا لا يصح في العالم الاختراع ولكن يطلق عليه الاختراع بوجه ما الا من جهة ما تعطيه حقيقة الاختراع فان ذلك يؤدي الى نقص في الجناب الالهي فالاختراع لا يصح الا في حق العبد وذلك ان المخترع على الحقيقة لا يكون مخترعا الا حتى يخترع مثال ما يريد ابرازه في الوجود في نفسه أولا ثم بعد ذلك تبرزه القوة العملية الى الوجود الحسي على شكل ما يعلم له مثل ومتى لم يخترع الشئ في نفسه أولا والا فليس بمخترع حقيقة فانك اذا قدرت أن شخصا علمك ترتيب شكل ما ظهر في الوجود له مثل فعلمته ثم أبرزته أنت للوجود كما علمته فلست أنت في نفس الامر وعند نفسك بمخترع له وانما المخترع له من اخترع مثاله في نفسه ثم علمكه وان نسب الناس الاختراع لك فيه من حيث انهم لم يشاهدوا ذلك الشئ من غيرك فارجع أنت الى ما تعرفه من نفسك ولا تلتفت الى من لا يعلم ذلك منك فان الحق سبحانه مادبر العالم تدبير من يحصل ما ليس عنده ولا فكر فيه ولا يجوز عليه ذلك ولا اخترع في نفسه شيأ لم يكن عليه ولا قال في نفسه هل نعمله كذا أو كذا هذا كله ما لا يجوز عليه فان المخترع للشئ يأخذ أجزاء موجودة متفرقة

فى الوجودات فيؤلفها فى ذهنه وهمه تأليفا لم يسبق اليه فى علمه وان سبق ولا يبالى فانه فى ذلك بمنزلة الاول الذى لم يسبقه أحد اليه كما نفعله الشعراء والكتاب الفصحاء فى اختراع المعانى المبتكرة فثم اختراع قد سبق اليه فيتخيل السامع انه سرقه ولا ينبغى للمخترع أن ينظر الى أحد الا الى ما حدث عنده خاصة ان أراد أن يلتذ ويتمتع بلذة الاختراع ومهما نظر المخترع لامر ما الى من سبقه فيه بعد ما اخترعه بما هلك وتفطرت كبده وأكثر العلماء بالاختراع البلغاء والمهندسون ومن أصحاب الصنائع النجارون والبناؤون فهؤلاء أكثر الناس اختراعا وأذكاهم فطرة وأشدهم تصرفا لعقولهم فقد صحت حقيقة الاختراع ان استخرج بالفكر ما لم يكن يعلم قبل ذلك ولا علمه غيره بالقوة أو بالقوة والفعل ان كان من العلوم التى غايتها العمل والبارى سبحانه لم يزل عالما بالعالم أزلا ولم يكن على حالة لم يكن فيها بالعالم غير عالم فما اخترع فى نفسه شيأ لم يكن يعلمه فاذ وقد ثبت عند العلماء بالله قدم علمه وقد ثبت كونه مخترعا لنا بالفعل لانه اخترع مثالنا فى نفسه الذى هو صورة علمه بنا اذ كان وجودنا على حد ما كان فى علمه ولو لم يكن كذلك لخرجنا الى الوجود على حد ما لم يعلمه وما لا يعلمه لا يريده وما لا يريده ولا يعلمه لا يوجده فنكون اذن موجودين بأنفسنا أو بالاتفاق واذا كان هذا فلا يصح وجودنا عن عدم وقد دل البرهان على وجودنا عن عدم وعلى انه علمنا وأراد وجودنا وأوجدنا على الصورة الثابتة فى علمه بنا ونحن معدومون فى أعياننا فلا اختراع فى المثال فلم يبق الا الاختراع فى الفعل وهو صحيح لعدم المثال الموجود فى العين فتحقق ما ذكرناه وقل بعد ذلك ما شئت فان شئت وصفته بالاختراع وعدم المثال وان شئت نفيت هذا عنه نفيته ولكن بعد وقوفك على ما أعلمتك به

﴿الفصل الثالث فى العلم والعالم والمعلوم من الباب الثانى﴾

العلم والمعلوم والعالم ❊ ثلاثة حكمهم واحد

وان تشا أحكامهم مثلهم ❊ ثلاثة أثبتها الشاهد

وصاحب الغيب يرى واحدا ليس عليه فى العلى زائد

اعلم أيدك الله ان العلم تحصيل القلب أمرا ما على حد ما هو عليه ذلك فى نفسه معدوما كان ذلك الامر أو موجودا فالعلم هو الصفة التى توجب التحصيل من القلب والعالم هو القلب والمعلوم هو ذلك الامر المحصل وتصور حقيقة العلم عسير جدا ولكن أمهد لتحصيل العلم ما يتبين به ان شاء الله تعالى فاعلم ان القلب مرآة مصقولة كلها وجه لا تصدأ أبدا فان أطلق يوما عليها انها صدئت كما قال عليه السلام ان القلوب لتصدأ كما يصدأ الحديد الحديث وفيه ان جلاءها ذكر الله وتلاوة القرآن ولكن من كونه الذكر الحكيم فليس المراد بهذا الصدأ انه طخاء طلع على وجه القلب ولكنه لما تعلق واشتغل بعلم الاسباب عن العلم بالله كان تعلقه بغير الله صدأ على وجه القلب لانه المانع من تجلى الحق الى هذا القلب لان الحضرة الالهية متجلية على الدوام لا يتصور فى حقها حجاب عنا فلما لم يقبلها هذا القلب من جهة الخطاب الشرعى المحمود لانه قبل غيرها عبر عن قبول ذلك الغير بالصدأ والكن والقفل والعمى والران وغير ذلك والا فالحق يعطيك ان العلم عنده ولكن بغير الله فى علمه وهو بالله فى نفس الامر عند العلماء بالله ومما يؤيد ما قلناه قول الله تعالى وقالوا قلوبنا فى أكنة مما تدعونا اليه فكانت فى أكنة مما يدعوها الرسول اليه خاصة لا أنها فى كن ولكن تعلقت بغير ما دعيت اليه فعميت عن ادراك ما دعيت اليه فلا تبصر شيأ والقلوب أبدا لم تزل مفطورة على الجلاء مصقولة صافية فكل قلب تجلت فيه الحضرة الالهية من حيث هى ياقوت أحمر الذى هو التجلى الذاتى فذلك قلب المشاهد المكمل العالم الذى لا أحد فوقه فى تجل من التجليات ودونه تجلى الصفات ودونهما تجلى الافعال ولكن من كونها من الحضرة الالهية ومن لم تتجل له من كونها من الحضرة الالهية فذلك هو القلب الغافل عن الله تعالى المطرود من قرب الله تعالى فانظر وفقك الله فى القلب على حد ما ذكرناه وانظر هل نجعله العلم فلا يصح وان قلت الصقالة الذاتية له فلا سبيل ولكن هى سبب كما ان ظهور المعلوم للقلب سبب وان قلت السبب الذى يحصل المعلوم فى القلب فلا سبيل وان قلت المثال المنطبع فى النفس من المعلوم وهو تصور المعلوم فلا سبيل فان قيل لك فما هو العلم فقل درك المدرك

على ماهو عليه فى نفسه اذا كان دركه غير ممتنع واما مايمتنع دركه فالعلم به هو لادركه كما قال الصديق العجز عن درك الادراك ادراك فجعل العلم بالله هو لادركه فاعلم ذلك ولكن لادركه من جهة كسب العقل كما يعلمه غيره ولكن دركه من جوده وكرمه ووهبه كما يعرفه العارفون أهل الشهود لامن قوة العقل من حيث نظره ﴿تتميم﴾ ولما ثبت ان العلم بأمر ما لايكون الابمعرفة قد تقدمت قبل هذه المعرفة بأمر آخر يكون بين المعروفين مناسبة لابد من ذلك وقد ثبت انه لامناسبة بين الله تعالى و بين خلقه من جهة المناسبة التى بين الاشياء وهى مناسبة الجنس أو النوع أو الشخص وليس لنا علم متقدم بشئ فندرك به ذات الحق لما بينهما من المناسبة مثال ذلك علمنا بطبيعة الافلاك التى هى طبيعة خامسة لم نعلمها أصلا لولا ماسبق علمنا بالامهات الاربع فلما رأينا الافلاك خارجة عن هذه الطبائع بحكم ليس هو فى هذه الامهات علمنا ان ثم طبيعة خامسة من جهة الحركة العلوية التى فى الاثير والهواء والسفلية التى فى الماء والتراب والمناسبة بين الافلاك والامهات الجوهرية التى هى جنس جامع للكل والنوعية فانها نوع كما أن هذه نوع لجنس واحد وكذلك الشخصية ولولم يكن هذا التناسب لما علمنا من الطبائع علم طبيعة الفلك وليس بين البارى والعالم مناسبة من هذه الوجوه فلا يعلم بعلم سابق بغيره أبدا كما يزعم بعضهم من استدلال الشاهد على الغائب بالعلم والارادة والكلام وغير ذلك ثم يقدسه بعد ما قد حمله على نفسه وقاسه بها ثم انه مما يؤيد ماذهبنا اليه من علمنا بالله تعالى ان العلم يترتب بحسب المعلوم و ينفصل فى ذاته بحسب انفصال المعلوم عن غيره والشئ الذى به ينفصل المعلوم اما أن يكون ذاتا كالعقل من جهة جوهريته وكالنفس واما أن يكون ذاتا من جهة طبعه كالحرارة والاحراق للنار فكما انفصل العقل عن النفس من جهة جوهريته كذلك انفصل النار عن غيره بماذكرناه واما أن ينفصل عنه بذاته لكن بما هو محمول فيه اما بالحال كجلوس الجالس وكتابة الكاتب واما بالهيئة كسواد الاسود و بياض الابيض وهذا حصر مدارك العقل عند العقلاء فلا يوجد معلوم قطعا لاهل العقل من حيث ما هو خارج عما وصفنا الا بان نعلم ما انفصل به عن غيره اما من جهة جوهره أو طبعه أو حاله أو هيئته ولا يدرك العقل شيأ لا توجد فيه هذه الاشياء البتة وهذه الاشياء لا توجد فى الله تعالى فلا يعلمه العقل أصلا من حيث هو ناظر و باحث وكيف يعلمه العقل من حيث نظره و برهانه الذى يستند اليه الحس أو الضرورة أو التجربة والبارى تعالى غير مدرك بهذه الاصول التى يرجع اليها العقل فى برهانه وحينئذ يصح له البرهان الوجودى فكيف يدعى العاقل انه قد علم ربه من جهة الدليل وان البارى معلوم له ولو نظر الى المفعولات الصناعية والطبيعية والتكوينية والانبعاثية والابداعية ورأى جهل كل واحد منها بفاعله لعلم ان الله تعالى لايعلم بالدليل أبدا لكن يعلم انه موجود وان العالم مفتقر اليه افتقارا ذاتيا لامحيص له عنه البتة قال الله تعالى يا أيها الناس أنتم الفقراء الى الله والله هو الغنى الحميد فمن أراد أن يعرف لباب التوحيد فلينظر فى الآيات الواردة فى التوحيد من الكتاب العزيز الذى وحد بها نفسه فلا أحد أعرف من الشئ بنفسه فلتنظر بما وصف نفسه ونسأل الله تعالى أن يفهمك ذلك فتقف على علم الهى لايبلغ اليه عقل بفكره أبد الآباد وسأورد من هذه الآيات فى الباب الذى يلى هذا الباب شيأ يسيرا والله يرزقنا الفهم عنه آمين و يجعلنا من العالمين الذين يعقلون آياته

﴿الباب الثالث فى تنزيه الحق تعالى عما فى طى الكلمات التى أطلقها عليه سبحانه فى كتابه وعلى لسان رسوله صلى الله عليه وسلم من التشبيه والتجسيم تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا﴾

نظم

فى نظر العبد الى ربه * فى قدس الابد وتنزيهه

وعلوه عن أدوات أتت * تلحق بالكيف وتشبيهه

دلالة تحكم قطعا على * منزلة العبد وتنويهه

وصحة العلم واثباته * وطرح بدعى وتمويهه

اعلم أيدك الله أن جميع المعلومات علوها وسفلها حاملها العقل الذى يأخذ عن الله تعالى بغير واسطة فلم تعف عنه

من علم الكون الاعلى والاسفل ومن وهب وجوده تكون معرفة النفس الاشياء ومن تجليه اليها ونوره وفيضه الاقدس فالعقل مستفيد من الحق تعالى مفيد للنفس والنفس مستفيدة من العقل وعنها يكون العمل وهذا سار في جميع ماتعلق به علم العقل بالاشياء التي هي دونه وانما قيدنا بالتي هي دونه من أجل ماذكرناه من الافادة وتحفظ في نظرك من قوله تعالى حتى نعلم وهو العالم فاعرف السبب واعلم ان العالم المهيم لايستفيد من العقل الاول شيأ وليس له على المهيمين سلطان بل هم واياه في مرتبة واحدة كالافراد منا الخارجين عن حكم القطب وان كان القطب واحدا من الافراد لكن خصص العقل بالافادة كما خصص القطب من بين الافراد بالتولية وهو سار في جميع ماتعلق به علم العقل الا علم تجريد التوحيد خاصة فانه يخالف سائر المعلومات من جميع الوجوه اذ لامناسبة بين الله تعالى وبين خلقه البتة وان اطلقت المناسبة يوما ماعليه كما اطلقها الامام أبو حامد الغزالي في كتبه وغيره فبضرب من التكلف ومرمى بعيد عن الحقائق والافاي نسبة بين المحدث والقديم أم كيف يشبه من لايقبل المثل من يقبل المثل هذا محال كما قال أبو العباس بن العريف الصنهاجي في محاسن المجالس التي تعزى اليه ليس بينه وبين العباد نسب الا العناية ولا سبب الا الحكم ولا وقت غير الازل وما بقي فعمى وتلبيس وفي رواية فلم يدل من قوله فعمى فانظر ما أحسن هذا الكلام وما أتم هذه المعرفة بالله وما أقدس هذه المشاهدة نفعه الله بما قال فالعلم بالله عزيز عن ادراك العقل والنفس الا من حيث انه موجود تعالى وتقدس وكل مايتلفظ به في حق المخلوقات أو يتوهم في المركبات وغيرها فالله سبحانه في نظر العقل السليم من حيث فكره وعصمته بخلاف ذلك لايجوز عليه ذلك التوهم ولا يجري عليه ذلك اللفظ لامن الوجه الذي تقبله المخلوقات فان أطلق عليه فعلى وجه التقريب على الافهام لثبوت الوجود عند السامع لا لثبوت الحقيقة التي هو الحق عليها فان الله تعالى يقول ليس كمثله شيء ولكن يجب علينا شرعا من أجل قوله تعالى لنبيه صلى الله عليه وسلم فاعلم انه لا اله الا الله يقول اعلم من اخباري الموافق لنظرك ليصح لك الايمان علما كما صح لك العلم من غير ايمان الذي هو قبل التعريف فامره فمن أجل هذا الامر على نظر بعض الناس ورأيه فيه نظرنا من أين نتوصل الى معرفته فنظرنا على حكم الانصاف وما أعطاه العقل الكامل بعد جده واجتهاده الممكن منه فلم نصل الى المعرفة به سبحانه الا بالعجز عن معرفته لانا طلبنا أن نعرفه كما نطلب معرفة الاشياء كلها من جهة الحقيقة التي هي المعلومات عليها فلما عرفنا ان ثم موجودا ليس له مثل ولا يتصور في الذهن ولا يدرك فكيف يضبطه العقل هذا مالا يجوز مع ثبوت العلم بوجوده فنحن نعلم انه موجود واحد في ألوهته وهذا هو العلم الذي طلب منا غير عالمين بحقيقة ذاته التي يعرف سبحانه نفسه عليها وهو العلم بعدم العلم الذي طلب منا لما كان تعالى لايشبه شيأ من المخلوقات في نظر العقل ولا يشبهه شيء منها كان الواجب علينا ولما قيل لنا فاعلموا انه لا اله الا الله ان نعلم ما العلم وقد علمناه فقد علمنا مايجب علينا من علم العلم ولا انتهى الجزء الثامن والحمد لله

(بسم الله الرحمن الرحيم)

فاعلم انه لما كانت أمهات المطالب أربعة وهي هل وما وكيف ولم فهل ولم مطلبان روحانيان بسيطان يصحبهما ماهو فهل ولم هما الاصلان الصحيحان للبسائط لان في ماهو ضربا من التركيب خاصة وليس في هذه المطالب الاربعة مطلب ينبغي أن يسأل به عن الله تعالى من جهة ماهو عليه الحقيقة اذ لايصح أن يعرف من علم التوحيد الا نفي مايوجد فيما سواه سبحانه ولهذا قال ليس كمثله شيء وسبحان ربك رب العزة عما يصفون فالعلم بالسلب هو العلم بالله سبحانه كما لم يجز أن نقول في الارواح كيف وتقدست عن ذلك لان حقائقها تخالف هذه العبارة كذلك ماينطلق على الارواح من الادوات التي بها يسأل عنها لايجوز أن يطلق على الله تعالى ولا ينبغي للمحقق بتوحيد الذي يحترم حضرة مبدعه ومخترعه أن يطلق عليه هذه الالفاظ فاذن لايعلم بهذه المطالب أبدا ﴿وصل﴾ ثم انا نظرنا أيضا في جميع ماسوى الحق تعالى فوجدناه على قسمين قسم يدرك بذاته وهو المحسوس الكثيف وقسم يدرك بفعله وهو المعقول واللطيف فارتفع المعقول عن المحسوس بهذه المنزلة وهي التنزه ان يدرك بذاته وانما يدرك بفعله ولما كانت هذه أوصاف المخلوقين

تقدس الحق تعالى عن أن يدرك بذاته كالمحسوس أو بفعله كاللطيف أو المعقول لانه سبحانه ليس بينه و بين خلقه
مناسبة أصلا لان ذاته غير مدركة لنا فتشبه المحسوس ولا فعلها كفعل اللطيف فيشبه اللطيف لان فعل الحق تعالى ابداع
الشئ لا من شئ واللطيف الروحانى فعل الشئ من الاشياء فاى مناسبة بينهما فاذا امتنعت المشابهة فى الفعل فاحرى أن
تمتنع المشابهة فى الذات وان شئت ان تحقق شيأ من هذا الفصل فانظر الى مفعول هذا الفعل على حسب أصناف
المفعولات مثل المفعول الصناعى كالقميص والكرسى فوجدناه لا يعرف صانعه الا أنه يدل بنفسه على وجود
صانعه وعلى علمه بصنعته وكذلك المفعول التكوينى الذى هو الفلك والكواكب لا يعرفون مكونهم ولا المركب لهم
وهو النفس الكلية المحيطة بهم وكذلك المفعول الطبيعى كالمولدين المعادن والنبات والحيوان الذين يفعلون
طبيعة من المفعول التكوينى ليس لهم وقوف على الفاعل لهم الذى هو الفلك والكواكب فانما العلم بالافلاك ماتراه
من جرمها وما يدركه الحس منها وأين جرم الشمس فى نفسها منها فى عين الرائى لها منا وانما العلم بالافلاك من جهة
روحها ومعناها الذى أوجده الله تعالى لها عن النفس الكلية المحيطة التى هى سبب الافلاك ومافيها وكذلك المفعول
الانبعاثى الذى هو النفس الكلية المنبعثة من العقل انبعاث الصورة الدحية من الحقيقة الجبرئيلية فانها لا تعرف
الذى انبعثت عنه أصلا لانها تحت حيطته وهو المحيط بها لانها خاطر من خواطره فكيف تعلم ماهو فوقها وماليس فيها منه
الا مافيها فلا تعلم منه الا ماهى عليه فنفسها علمت لا سببها وكذلك المفعول الابداعى الذى هو الحقيقة المحمدية عندنا
والعقل الاول عند غيرنا وهو القلم الاعلى الذى أبدعه الله تعالى من غير شئ هو أعجز وأمنع عن ادراك فاعله من كل
مفعول تقدم ذكره اذ بين كل مفعول وفاعله مما تقدم ذكره ضرب من ضروب المناسبة والمشاكلة فلا بد أن يعلم منه
قدر ما بينهما من المناسبة اما من جهة الجوهرية أو غير ذلك ولا مناسبة بين المبدع الاول والحق تعالى فهو أعجز عن
معرفته بفاعله من غيره من مفعولى الاسباب اذ وقد عجز المفعول الذى يشبه سببه الفاعل له من وجوه عن ادراكه والعلم
به فافهم هذا وتحققه فانه نافع جدا فى باب التوحيد والعجز عن تعلق العلم المحدث بالله تعالى ﴿وصل﴾ يؤيد ما ذكرناه
ان الانسان انما يدرك المعلومات كلها باحدى القوى الحس القوة الحسية وهى على خمس الشم والطعم واللمس
والسمع والبصر فالبصر يدرك الالوان والملونات والاشخاص على حد معلوم من القرب والبعد فالذى يدرك منه
على ميل غير الذى يدرك منه على ميلين والذى يدرك منه على عشرين باعا غير الذى يدرك منه على ميل والذى يدرك
منه و يده فى يده يقابله غير الذى يدرك منه على عشرين باعا فالذى يدرك منه على ميلين شخص لا يدرى هل هو انسان
أو شجرة وعلى ميل يعرف انه انسان وعلى عشرين باعا انه أبيض أو أسود وعلى المقابلة انه أزرق أو أكحل وهكذا اسائر
الحواس فى مدركاتها من القرب والبعد والبارى سبحانه ليس بمحسوس أى ليس بمدرك بالحس عندنا فى وقت طلب
المعرفة به فلم نعلمه من طريق الحس وأما القوة الخيالية فانها لا تضبط الا ما أعطاها الحس اما على صورة ما أعطاه
واما على صورة ما أعطاه الفكر من حمله بعض المحسوسات على بعض والى هنا انتهت طريقة أهل الفكر فى معرفة الحق
فهو لسانهم ليس لسانا وان كان حقا ولكن ننسبه اليهم فانه نقل عنهم فلم تبرح هذه القوة كيفما كان ادراكها عن
الحس البتة وقد بطل تعلق الحس بالله عندنا فقد بطل تعلق الخيال به وأما القوة المفكرة فلا يفكر الانسان أبدا الا
أشياء موجودة عنده تلقاها من جهة الحواس وأوائل العقل ومن الفكر فيها فى خزانة الخيال يحصل له علم بأمر آخر بينه
و بين هذه الاشياء التى فكر فيها مناسبة ولا مناسبة بين الله و بين خلقه فاذن لا يصح العلم به من جهة الفكر ولهذا منع
العلماء من الفكر فى ذات الله تعالى وأما القوة العقلية فلا يصح أن يدركه العقل فان العقل لا يقبل الا ما علمه بديهة
أو ما أعطاه الفكر وقد بطل ادراك الفكر له فقد بطل ادراك العقل له من طريق الفكر ولكن مما هو عقل انما حده
ان يعقل و يضبط ما حصل عنده فقد يهبه الحق المعرفة به فيعقلها لانه عقل لا من طريق الفكر هذا ما لا نمنعه فان هذه
المعرفة التى يهبها الحق تعالى لمن شاء من عباده لا يستقل العقل بادراكها ولكن يقبلها فلا يقوم عليها دليل ولا برهان
لانها وراء طور مدارك العقل ثم هذه الاوصاف الذاتية لا يمكن العبارة عنها لانها خارجة عن التمثيل والقياس فانه ليس

كمنه

كمثله شئ فكل عقل لم يكشف له من هذه المعرفة شئ يسأل عقلا آخر قد كشف له منها ليس في قوة ذلك العقل المسؤ
العبارة عنها ولا يمكن ولذلك قال الصديق العجز عن درك الادراك ادراك ولهذا الكلام مرتبتان فافهم فمن طلب الله
بعقله من طريق فكره ونظره فهو تائه وانما حسبه التهيؤ لقبول مايهبه الله من ذلك فافهم واما القوة الذاكرة فلا سبيل
ان تدرك العلم بالله فانها انما تذكر ما كان العقل قبل علمه ثم غفل أو نسي وهو لم يعلمه فلا سبيل للقوة الذاكرة الي
وانحصرت مدارك الانسان بما هو انسان وما تعطيه ذاته وله فيه كسب ومابقي الا تهيؤ العقل لقبول مايهبه الحق من معرفته
جل وتعالى فلا يعرف أبدا من جهة الدليل الا معرفة الوجود وانه الواحد المعبود لا غير فان الانسان المدرك لا يتمكن له ان
يدرك شيأ أبدا الا ومثله موجود فيه ولولا ذلك ما أدركه البتة ولا عرفه فاذا لم يعرف شيأ الا وفيه مثل ذلك الشي
المعروف فما عرف الا مايشبهه ويشاكله والباري تعالى لا يشبهه شيأ ولا في شئ مثله فلا يعرف أبدا ومما يؤيد
ماذكرناه ان الاشياء الطبيعية لا تقبل الغذاء الا من مشاكلها فأما مالايشاكلها فلا تقبل الغذاء منه قطعا مثال ذلك ان
المولدة من المعادن والنبات والحيوان مركبة من الطبائع الاربع والمولدة لا تقبل الغذاء الا منها وذلك لان فيها نصيب
منها ولو رام أحد من الخلق على أن يجعل غذاء جسمه المركب من هذه الطبائع من شئ كائن عن غير هذه الطبائع
أوما تركب عنها لم يستطع فكما لا يمكن لشئ من الاجسام الطبيعية ان تقبل غذاء الا من شئ هو من الطبائع التي هي منه
كذلك لا يمكن لاحد أن يعلم شيأ ليس فيه مثله البتة ألا ترى النفس لا تقبل من العقل الا ماتشاركه فيه وتشاكله وما
تشاركه فيه لا تعلمه منه أبدا وليس من الله في أحد شئ ولا يجوز ذلك عليه بوجه من الوجوه فلا يعرفه أحد من نفسه
وفكره قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله احتجب عن العقول كما احتجب عن الابصار وان الملأ الاعلى
يطلبونه كما تطلبونه أنتم فاخبر عليه السلام بأن العقل لم يدركه بفكره ولا يعين بصيرته كما لم يدركه البصر وهذا هو الذي
أشرنا اليه فيما تقدم من بابنا فنقف على ماألهم وأن علمنا مالم نكن نعلم وكان فضل الله عظيما هكذا فليكن التنزيه ونفي
المماثلة والتشبيه وماضل من ضل من المشبهة الا بالتأويل وحمل ماوردت به الآيات والاخبار على مايسبق منها الى الافهام
من غير نظر فيما يجب لله تعالى من التنزيه فقادهم ذلك الى الجهل المحض والكفر الصراح ولو طلبوا السلامة وتركوا
الاخبار والآيات على ماجاءت من غير عدول منهم فيها الى شئ البتة ويكلون علم ذلك الى الله تعالى ولرسوله ويقولون
لا ندري وكان يكفيهم قول الله تعالى ليس كمثله شئ فمتى جاءهم حديث فيه تشبيه فقد أشبه الله شيأ وهو قد نفى الشبه عن
نفسه سبحانه فمابقي الا ان ذلك الخبر له وجه من وجوه التنزيه يعرفه الله تعالى ويجيء به لفهم العربي الذي نزل القرآن
بلسانه وما نجد لفظة في خبر ولا آية جملة واحدة تكون نصا في التشبيه أبدا وانما نجدها عند العرب تحتمل وجوها منها
مايؤدي الى التشبيه ومنها مايؤدي الى التنزيه فحمل المتأول ذلك اللفظ على الوجه الذي يؤدي الى التشبيه جور منه على
ذلك اللفظ اذ لم يوف حقه بما يعطيه وضعه في اللسان وتعد على الله تعالى حيث حمل عليه سبحانه مالا يليق بالله تعالى
ونحن نورد ان شاء الله تعالى بعض أحاديث وردت في التشبيه وانها ليست بنص فيه فلله الحجة البالغة فلو شاء لهداكم
أجمعين فمن ذلك قلب المؤمن بين أصبعين من أصابع الله نظر العقل بما يقتضيه الوضع من الحقيقة والمجاز الجارحة
تستحيل على الله تعالى الاصبع لفظ مشترك يطلق على الجارحة ويطلق على النعمة قال الراعي

ضعيف العصا بادي العروق ترى له • عليها اذا ما أمحل الناس أصبعا

يقول ترى له عليها أثرا حسنا من النعمة بحسن النظر عليها تقول العرب ما أحسن أصبع فلان على ماله أى أثره فيه تريد به
نموماله لحسن تصرفه فيه أسرع التقليب ماقلبته الاصابع لصغر حجمها وكمال القدرة فيها فحركتها أسرع من حركة اليد
وغيره ولما كان تقليب الله قلوب العباد أسرع شئ أفصح صلى الله عليه وسلم للعرب في دعائه بما تعقل ولان التقليب
لا يكون الا باليد عندنا فلذلك جعل التقليب بالاصابع لان الاصابع من اليد في اليد والسرعة في الاصابع أمكن
فكان عليه السلام يقول في دعائه يامقلب القلوب ثبت قلبي على دينك وتقليب الله تعالى القلوب هو مايخلق فيها من
الهم بالحسن والهم بالسوء فلما كان الانسان يحس بترادف الخواطر المتعارضة عليه في قلبه الذي هو عبارة عن تقليب

الحق القلب وهذا الابة سر الانسان بدفع علمه عن نفسه لذلك كان عليه السلام يقول يامقلب القلوب ثبت قلبي على دينك وفي هذا الحديث ان احدى أزواجه قالت له أوتخاف يارسول الله فقال صلى الله عليه وسلم قلب المؤمن بين أصبعين من أصابع الله يشير صلى الله عليه وسلم الى سرعة التقليب من الايمان الى الكفر وما تحتهما قال تعالى فألهمها فجورها وتقواها وهذا الالهام هو التقليب والاصابع للسرعة والاثنينية لها خاطر الحسن وخاطر القبيح فاذا فهم من الأصابع ماذكرته وفهمت منه الجارحة وفهمت منه النعمة والاثر الحسن فبأي وجه تلحقه بالجارحة وهذه الوجوه المنزهة تطلبه فامانكت ونكل علم ذلك الى الله تعالى والى من عرفه الحق ذلك من رسول مرسل أو ولي ملهم بشرط نفي الجارحة ولابد واما ان أدركته فضول وغلب علينا الاان نرد بذلك على بدعي مجسم مشبه فليس بفضول بل يجب على العالم عند ذلك تبيين ما في ذلك اللفظ من وجوه التنزيه حتى تدحض به حجة المجسم المخذول تاب الله علينا وعليه ورزقه الاسلام فان تكلمنا على تلك الكلمة التي توهم التشبيه ولابد فالعدول بشرحها الى الوجه الذي يليق بالله سبحانه أولى هذا حظ العقل في الوضع (نفث روح في روع) الاصبعان سر الكمال الذاتي الذي اذا انكشف الى الابصار يوم القيامة يأخذ الانسان أباه اذا كان كافرا ويرمي به في النار ولا يجد لذلك ألما ولا عليه شفقة بسر هذين الاصبعين المتحد معناهما المثنى لفظهما خلقت الجنة والنار وظهر اسم المنور والمظلم والمنعم والمنتقم فلا تتخيلهما اثنين من عشرة ولابد من الاشارة الى هذا السر في هذا الباب في كلتا يديه يمين وهذه معرفة الكشف فان لاهل الجنة نعيمين نعيما بالجنة ونعيما بعذاب أهل النار في النار وكذلك أهل النار لهم عذابان وكلا الفريقين يرون الله رؤية الاسماء كما كانوا في الدنيا سواء وفي القبضتين اللتين جاءتا عن الرسول صلى الله عليه وسلم في حق الحق سر ما أشرنا اليه ومعناه والله يقول الحق وهو يهدي السبيل القبضة واليمين قال تعالى والارض جميعا قبضته والسموات مطويات بيمينه نظر العقل بما يقتضيه الوضع انه منع أولا سبحانه أن يقدر قدره لما يسبق الى العقول الضعيفة من التشبيه والتجسيم عند ورود الآيات والاخبار التي تعطي من وجه ما من وجوهها ذلك ثم قال بعد هذا التنزيه الذي لا يعقله الا العالمون والارض جميعا قبضته عرفنا من وضع اللسان العربي أن يقال فلان في قبضتي يريد انه تحت حكمي وان كان ليس في يدي منه شيء البتة ولكن أمري فيه ماض وحكمي عليه قاض مثل حكمي على ما ملكته يدي حسا وقبضت عليه وكذلك أقول مالي في قبضتي أي في ملكي واني متمكن في التصرف فيه أي لا يمنع نفسه مني فاذا صرفته ففي وقت تصرفي فيه كان أمكن لي أن أقول هو في قبضتي لتصرفي فيه وان كان عبيدي هم المتصرفون فيه عن اذني فاما استحالت الجارحة على الله تعالى عدل العقل الى روح القبضة ومعناها وفائدتها وهو ملك ما قبضت عليه في الحال وان لم يكن لها أعني للقابض فيما قبض عليه شيء ولكن هو في ملك القبضة قطعا فهكذا العالم في قبضة الحق تعالى والارض في الدار الآخرة تعيين بعض الاملاك كما تقول خادمي في قبضتي وان كان خادمي من جملة من في قبضتي فانما ذكرته اختصاصا لوقوع نازلة ما واليمين عندنا محل التصريف المطلق الاقوى فان اليسار لا يقوى قوة اليمين فكنى باليمين عن التمكن من الطي فهي اشارة الى تمكن القدرة من الفعل فوصل الى أفهام العرب بألفاظ تعرفها وتسرع بالتلقي لها قال الشاعر

اذا ما راية رفعت لمجد • تلقاها عرابة باليمين +

وليس للمجد راية محسوسة فلا تتلقاها جارحة يمين فكأنه يقول لو ظهر للمجد راية محسوسة لما كان محلها أو حاملها الا يمين عرابة الاوسي أي صفة المجد به قائمة وفيه كاملة فلم تزل العرب تطلق ألفاظ الجوارح على ما لا يقبل الجارحة لاشتراك بينهما من طريق المعنى (نفث روح في روع) اذا تجلى الحق لسر عبد ملكه جميع الاسرار وألحقه بالاحرار وكان له التصرف الذاتي من جهة اليمين فان شرف الشمال بغيره وشرف اليمين بذاته ثم أنزل شرف اليمين الخطاب وشرف الشمال بالتجلي شرف الانسان بمعرفته بحقيقته واطلاعه عليها وهو اليسار وكلتا يديه من حيث هو شمال كما ان كلتا يدي الحق يمين ارجع الى معنى الاتحاد كلتا يدي العبد يمين ارجع الى التوحيد احدى يديه يمين والاخرى شمال

فتارة

فتارة تكون فی الجمع وجمع الجمع وتارة تكون فی الفرق وفی فرق الفرق علی حکم التجلی والوارد

یوما یمان اذا لاقیت ذا یمن ● وان لقیت معدیا فعدنانی

ومن ذلك التعجب والضحك والفرح والغضب التعجب انما یقع من موجود لا یعلم ذلك المتعجب منه ثم یعلمه فیتعجب منه و یلحق به الضحك وهذا محال علی الله تعالی فانه ماخرج شیء عن علمه فتی وقع فی الوجود شیء یمکن التعجب منه عندنا حل ذلك التعجب والضحك علی من لا یجوز علیه التعجب ولا الضحك لان الامر الواقع متعجب منه عندنا كالشاب ليست له صبوة فهذا أمر يتعجب منه فحل عند الله تعالی محل ما يتعجب منه عندنا وقد يخرج الضحك والفرح الی القبول والرضی فان من فعلت له فعلا أظهر لك من أجله الضحك والفرح فقد قبل ذلك الفعل ورضی به فضحكه وفرحه تعالی قبوله ورضاه عنا كان غضبه تعالی منزه عن غليان دم القلب طلبا للانتصار لانه سبحانه يتقدس عن الجسمية والعرض فذلك قد يرجع الی أن يفعل فعل من غضب ممن يجوز عليه الغضب وهو انتقامه سبحانه من الجبارين والمخالفين لامره والمتعدين حدوده قال تعالی وغضب عليه أی جازاه بجزاء المغضوب عليه فالمجازی يكون غاضبا فظهور الفعل أطلق الاسم (التبشش) من باب الفرح ورد فی الخبر ان الله يتبشش للرجل يوطئ المساجد للصلاة والذكر الحديث لما حجب العالم بالاكوان واشتغلوا بغير الله عن الله فصاروا بهذا الفعل فی حال غيبة عن الله فلما وردوا عليه سبحانه بنوع من أنواع الحضور اسدل اليهم سبحانه فی قلوبهم من لذة نعيم محاضرته ومناجاته ومشاهدته ما تحبب بها الی قلوبهم فان النبی عليه السلام يقول حبوا الله لما يغذوكم به من نعمه فكنی بالتبشش عن هذا الفعل منه لانه اظهار سرور بقدومكم عليه فانه من يسر بقدومك عليه فعلامة سروره اظهار البر بجانبك والتحبب وارسال ما عنده من نعم عليك فلما ظهرت هذه الاشياء من الله الی العبيد النازلين به سماه تبششا (النسيان) قال الله تعالی فنسيهم البارى تعالی لا يجوز عليه النسيان ولكنه تعالی لما عذبهم عذاب الأبد ولم تنلهم رحمته تعالی صاروا كانهم منسيون عنده وهو كانه ناس لهم أی هذا فعل الناسی ومن لا يتذكر ما هم فيه من أليم العذاب وذلك لانهم فی حياتهم الدنيا نسوا الله فجازاهم بفعلهم ففعلهم أعاده عليهم للمناسبة وقد يكون نسيهم أخرهم نسوا الله أی أخروا أمر الله فلم يعملوا به أخرهم الله فی النار حين أخرج منها من أدخله فيها من غيرهم ويقرب من هذا الباب اتصاف الحق بالمكر والاستهزاء والسخرية قال تعالی سخر الله منهم وقال ومكر الله وقال الله يستهزئ بهم (النفس) قال صلی الله عليه وسلم لا تسبوا الريح فانها من نفس الرحمن وقوله عليه السلام انی لاجد نفس الرحمن يأتينی من قبل اليمن وهذا كله من التنفيس كانه يقول لا تسبوا الريح فانها مما ينفس بها الرحمن عن عباده وقال عليه السلام نصرت بالصبا وكذلك يقول انی لاجد نفس أی تنفيس الرحمن عنی للكرب الذی كان فيه من تكذيب قومه اياه وردهم أمر الله من قبل اليمن فكان الانصار نفس الله بهم عن نبيه صلی الله عليه وسلم ما كان أكربه من المكذبين فان الله تعالی منزه عن النفس الذی هو الهواء الخارج من المتنفس تعالی الله عما ينسب اليه الظالمون من ذلك علوا كبيرا (الصورة) تطلق علی الامر وعلی المعلوم عند الناس وعلی غير ذلك ورد فی الحديث اضافة الصورة الی الله فی الصحيح وغيره مثل حديث عكرمة قال عليه السلام رأيت ربی فی صورة شاب الحديث هذا حال من النبی صلی الله عليه وسلم وهو فی كلام العرب معلوم متعارف وكذلك قوله عليه السلام ان الله خلق آدم علی صورته اعلم أن المثلية الواردة فی القرآن لغوية لا عقلية لان المثلية العقلية تستحيل علی الله تعالی زيد الاسد شدة زيد زهير شعرا اذا وصفت موجودا بصفة أو صفتين ثم وصفت غيره بتلك الصفة وان كان بينهما تباين من جهة حقائق أخر ولكنهما مشتركان فی روح تلك الصفة ومعناها فكل واحد منهما علی صورة الآخر فی تلك الصفة خاصة فافهم وتنبه وانظر كونك دليلا عليه سبحانه وهل وصفته بصفة كمال الا منك فتفطن فاذا دخلت من باب التعرية عن المناظرة سلبت النقائص التی تجوز عليك عنه وان كانت لم تعم قط به ولكن المجسم والمشبه لما أضافها اليه سلبت أنت تلك الاضافة ولو لم يتوهم هذا المافعلت شيأ من هذا السلب فاعلم وان كان للصورة هنا مداخل كثيرة أضربنا عن ذكرها رغبة فيما قصدناه فی هذا الكتاب من حذف التطويل رائية يقول

الحق وهو يهدى السبيل (الذراع) ورد فى الخبر عن النبى صلى الله عليه وسلم ان ضرس الكافر فى النار مثل أحد وكثافة جلده أربعون ذراعا بذراع الجبار هذه اضافة تشريف مقدار جعله الله تعالى اضافة اليه كما تقول هذا الشئ كذا وكذا ذراعا بذراع الملك تريد الذراع الاكبر الذى جعله الملك وان كان مثلا ذراع الملك الذى هو الجارحة مثل أذرع الناس والذراع الذى جعله مقدارا يزيد على ذراع الجارحة بنصفه أوثلثه فليس هو اذن ذراعه على حقيقته وانما هو مقدار نصبه ثم أضيف الى جاعله فاعلم والجبار فى اللسان الملك العظيم وهكذا (القدم) يضع الجبار فيها قدمه القدم الجارحة ويقال لفلان فى هذا الامر قدم أى ثبوت والقدم جماعة من الخلق فتكون القدم اضافة وقد يكون الجبار ملكا وتكون هذه القدم لهذا الملك اذ الجارحة تستحيل على الله تعالى وجل (والاستواء) أيضا ينطلق على الاستقرار والقصود والاستيلاء والاستقرار من صفات الاجسام فلا يجوز على الله تعالى الا اذا كان على وجه الثبوت والقصد هو الارادة وهى من صفات الكمال قال ثم استوى الى السماء أى قصد واستوى على العرش أى استولى

قد استوى بشر على العراق * من غير سيف ودم مهراق

والاخبار والآيات كثيرة منها صحيح وسقيم وما منها خبر الا وله وجه من وجوه التنزيه وان أردت أن يقرب ذلك عليك فاعمد الى اللفظة التى توهم التشبيه وخذ فائدتها وروحها أو ما يكون عنها فاجعله فى حق الحق تفز بدرجة التنزيه حين حاز غيرك درك التشبيه فهكذا فافعل وطهر ثوبك ويكفى هذا القدر من هذه الاخبار فقد طال الباب نفث الروح الاقدس فى الروع الانفس بما تقدم من الالفاظ لما تعجب المتعجب ممن خرج على صورته وخالفه فى سريرته ففرح بوجوده وضحك من شهوده وغضب لتوليه وتبشبش لتدليه ونسى ظاهره وتنفس فأطلق مواخره وثبت على ملكه وتحكم بالتقدير على ملكه فكان ما أراد والى الله المعاد فهذه أرواح مجرده تنتظرها أشباح مسنده فاذا بلغ الميقات وانقضت الاوقات ومارت السماء وكورت الشمس وبدلت الارض وانكدرت النجوم وانتقلت الامور وظهرت الآخره وحشر الانسان وغيره فى الحافره حينئذ تحمد الاشباح وتتنسم الارواح ويتجلى الفتاح ويتقد المصباح وتنشعشع الراح ويظهر الود الصراح ويزول الالحاح ويرفرف الجناح ويكون الابتنا بالضراح من أول الليل الى الاصباح فما أسناها من منزله وما أشهاها الى النفوس من حالة مكمله متعنا الله بها

﴿ الباب الرابع فى سبب بدء العالم ومراتب الاسماء الحسنى من العالم كله ﴾

فى سبب البدء وأحكامه * وغاية الصنع واحكامه
والفرق ما بين رعاة العلى * فى نشئه وبين حكامه
دلائل دلت على صانع * قد قهر الكل باحكامه

قد وقف الصفى الولى أبقاه الله على سبب بدء العالم فى كتابنا المسمى بعنقاء مغرب فى معرفة ختم الاولياء وشمس المغرب وفى كتابنا المسمى بانشاء الدوائر الذى ألفنا بعضه بمنزله الكريم فى وقت زيارتنا اياه سنة ثمان وتسعين وخمسمائة ونحن نريد الحج فقيد له منه خديمه عبد الجبار أعلى الله قدره القدر الذى كنت سطرته منه ورحلت به معى الى مكة زادها الله تشريفا فى السنة المذكورة لانعمه بها فشغلنا هذا الكتاب عنه وعن غيره بسبب الامر الالهى الذى ورد علينا فى تقييده مع رغبة بعض الاخوان والفقراء فى ذلك حرصا منهم على مزيد العلم ورغبة فى أن تعود عليهم بركات هذا البيت المبارك الشريف محل البركات والهدى والآيات البينات وان نعرف أيضا فى هذا الموضوع الصفى الكريم أبا محمد عبد العزيز رضى الله عنه ما تعطيه مكة من البركات وانها خير وسيلة عبادية واشرف منزلة جمادية ترابية عسى تنهض به همة الشوق اليه وتنزل به رغبة المزيد عليه فقد قيل لمن أوتى جوامع الكلم وكان من ربه فى مشاهدة العين أدنى من قاب قوسين ومع هذا التقريب الاكمل والحظ الاوفر الاجزل أنزل عليه وقل رب زدنى علما ومن شرط العالم المشاهد صاحب المقامات الغيبية والمشاهد ان يعلم ان للامكنة فى القلوب اللطيفة تأثيرا ولو وجد القلب فى أى موضع كان الوجود الاعم

فوجوده

فوجوده بمكة أسنى وأتم فكما تتفاضل المنازل الروحانية كذلك تتفاضل المنازل الجسمانية والافهل الدر مثل الحجر الا
عند صاحب الحال وأما المكمل صاحب المقام فانه يميز بينهما كما ميز بينهما الحق هل ساوى الحق بين دار بناؤها لبن
التراب والتبن ودار بناؤها لبن العسجد واللجين فالحكيم الواصل من أعطى كل ذى حق حقه فذلك واحد عصره
وصاحب وقته وكثير بين مدينة يكون أكثر عمارتها الشهوات وبين مدينة يكون أكثر عمارتها الآيات البينات
أليس قد جمع مع صفى أبقاه الله ان وجود قلو بنا فى بعض المواطن أكثر من بعض وقد كان رضى الله عنه يترك الخلوة
فى بيوت المنارة المحروسة الكائنة بشرقى تونس بساحل البحر وينزل الى الرابطة التى فى وسط المقابر بقرب المنارة من
جهة بابها وهى تعزى الى الخضر فسألته عن ذلك فقال ان قلبى أجده هنالك أكثر منه فى المنارة وقد وجدت فيها أنا أيضا
ما قاله الشيخ وقد علم ولى أبقاه الله ان ذلك من أجل من يعمر ذلك الموضع اما فى الحال من الملائكة المكرمين أو من
الجن الصادقين واما من همة من كان يعمره وفقد كبيت أبى يزيد الذى يسمى بيت الابرار وكزاوية الجنيد بالشونيزية
وكمغارة ابن أدهم بالتعن وما كان من أماكن الصالحين الذين فنوا عن هذه الدار وبقيت آثارهم فى أماكنهم تنفعل
لها القلوب اللطيفة ولهذا يرجع تفاضل المساجد فى وجود القلب لا فى تضعف الاجر فقد تجد قلبك فى مسجد أكثر مما
تجده فى غيره من المساجد وذلك ليس للتراب ولكن لمجالسة الاتراب أو هممهم ومن لا يجد الفرق فى وجود قلبه بين
السوق والمساجد فهو صاحب حال لا صاحب مقام ولا أشك كشفا وعلما أنه وان عمرت الملائكة جميع الارض مع
تفاضلهم فى المعارف والرتب فان أعلاهم رتبة وأعظمهم علما ومعرفة عمرة المسجد الحرام وعلى قدر جلسائك يكون
وجودك فانه لهمم الجلساء فى قلب الجليس لهم تأثير وهممهم على قدر مراتبهم وان كان من جهة الهمم فقد طاف بهذا
البيت مائة ألف نبى وأربعة وعشرون ألف نبى سوى الاولياء وما من نبى ولا ولى الا وله همة متعلقة بهذا البيت وهذا البلد
الحرام لانه البيت الذى اصطفاه الله على سائر البيوت وله سر الاولية فى المعابد كما قال تعالى ان أول بيت وضع للناس للذى
بكة مباركا وهدى للعالمين فيه آيات بينات مقام ابراهيم ومن دخله كان آمنا من كل مخوف الى غير ذلك من الآيات فلو
رحل الصفى أبقاه الله الى هذا البلد الحرام الشريف لوجد من المعارف والزيادات ما لم يكن رآه قبل ذلك ولا خطر له بالبال
وقد علم رضى الله عنه ان النفس تحشر على صورة علمها والجسم على صورة عمله وصورة العلم والعمل بمكة أتم مما فى
سواها ولو دخلها صاحب قلب ساعة واحدة لكان له ذلك فكيف ان جاور بها وأقام وأتى فيها بجميع الفرائض
والقواعد فلا شك ان مشهده بها يكون أتم وأجلى ومورده أصفى وأعذب وأحلى واذو صفيى أبقاه الله قد أخبرنى أنه
يحس بالزيادة والنقص على حسب الاماكن والامزجة ويعلم ان ذلك راجع أيضا الى حقيقة الساكن به أو همته كما
ذكرنا ولا شك عندنا ان معرفة هذا الفن أعنى معرفة الاماكن والاحساس بالزيادة والنقص من تمام تمكن معرفة
العارف وعلو مقامه واشرافه على الاشياء وقوة ميزه فانه يكتب لولى فيها أثرا حسنا ويهبه فيها خيرا طيبا انه الملى بذلك
والقادر عليه اعلم وفقنا الله واياك وجميع المسلمين ان أكثر العلماء بالله من أهل الكشف والحقائق ليس عندهم علم
بسبب بدء العالم الا تعلق العلم القديم بايجاده فكون ما علم انه سيكونه وهنا ينتهى أكثر الناس وأما نحن ومن أطلعه
الله على ما أطلعنا عليه فقد وقفنا على أمور أخر غير هذا وذلك انك اذا نظرت العالم مفصلا بحقائقه ونسبه وجدته محصور
الحقائق والنسب معلوم المنازل والرتب متناهى الاجناس بين متماثل ومختلف فاذا وقفت على هذا الامر علمت ان لهذا
سرا لطيفا وأمرا عجيبا لا تدرك حقيقته بدقيق فكر ولا نظر بل بعلم موهوب من علوم الكشف ونتائج المجاهدات
المصاحبة للهمم فان مجاهدة بغير همة غير منتجة شيأ ولا مؤثرة فى العلم لكن تؤثر فى الحال من رقة وصفاء يجده صاحب
المجاهدة فاعلم علمك الله سرائر الحكم ووهبك من جوامع الكلم ان الاسماء الحسنى التى تبلغ فوق أسماء الاحصاء
عددا وتنزل دون أسماء الاحصاء سعادة هى المؤثرة فى هذا العالم وهى المفاتح الاول التى لا يعلمها الا هو وان لكل حقيقة
اسما ما يخصها من الاسماء وأعنى بالحقيقة حقيقة تجمع جنسا من الحقائق رب تلك الحقيقة ذلك الاسم وتلك الحقيقة
عابدته وتحت تكليفه ليس غير ذلك وان جمع لك شئ ما أشياء كثيرة فليس الامر على ما توهمته فانك ان نظرت الى

ذلك الشئ وجدت له من الوجوه ما يقابل به تلك الاسماء التي تدل عليها وهي الحقائق التي ذكرناها مثال ذلك ما ثبت لك في العلم الذي في صدر العقول وتحت حكمها في حق موجود ما فرد لا ينقسم مثل الجوهر الفرد الجزء الذي لا ينقسم فان فيه حقائق متعددة تطلب أسماء الهية على عددها فحقيقة ايجاده يطلب الاسم القادر ووجه احكامه يطلب الاسم العالم ووجه اختصاصه يطلب الاسم المريد ووجه ظهوره يطلب الاسم البصير والرائي الى غير ذلك فهذا وان كان فردا فله هذه الوجوه وغيرها مما لم نذكرها ولكل وجه وجوه متعددة تطلب من الاسماء بحسبها وتلك الوجوه هي الحقائق عندنا التواني والوقوف عليها عسير وتحصيلها من طريق الكشف أعسر واعلم ان الاسماء قد نتركها على كثرتها اذا لحظنا وجوه الطالبين لها من العالم واذا لم نلحظ ذلك فانرجع ونلحظ أمّهات المطالب التي لا غنى لنا عنها فنعرف ان الاسماء التي الامّهات موقوفة عليها هي أيضا أمّهات الاسماء فيسهل النظر ويكمل الغرض ويتيسر التعدي من هذه الامّهات الى البنات كما يتيسر ردّ البنات الى الامهات فاذا نظرت الاشياء كلها المعلومة في العالم العلوي والسفلي تجد الاسماء السبعة المعبر عنها بالصفات عند أصحاب علم الكلام تتضمنها وقد ذكرنا هذا في كتابنا الذي سميناه انشاء الدوائر وليس غرضنا في هذا الكتاب في هذه الامهات السبعة المعبر عنها بالصفات ولكن قصدنا الامهات التي لا بد لايجاد العالم منها كما انا لا نحتاج في دلائل العقول من معرفة الحق سبحانه الا كونه موجودا عالما مريدا قادرا حيا لا غير وما زاد على هذا فانما يقتضيه التكليف فمجيء الرسول عليه السلام جعلنا نعرفه متكلما والتكليف جعلنا نعرفه سميعا بصيرا الى غير ذلك من الاسماء فالذي نحتاج اليه من معرفة الاسماء لوجود العالم وهي أرباب الاسماء وما عداها فسدنة لها كما ان بعض هذه الارباب سدنة لبعضها فامهات الاسماء الحيّ العالم المريد القادر القائل الجواد المقسط وهذه الاسماء بنات الاسمين المدبر والمفصل فالحيّ يثبت فهمك بعد وجودك وقبله والعالم يثبت احكامك في وجودك وقبل وجودك يثبت تقديرك والمريد يثبت اختصاصك والقادر يثبت عدمك والقائل يثبت قدمك والجواد يثبت ايجادك والمقسط يثبت مرتبتك والمرتبة آخر منازل الوجود فهذه حقائق لا بد من وجودها فلا بد من أسمائها التي هي أربابها فالحيّ رب الارباب والمربوبين وهو الامام ويليه في الرتبة العالم ويلي العالم المريد ويلي المريد القائل ويلي القائل القادر ويلي القادر الجواد وآخرهم المقسط فانه رب المراتب وهي آخر منازل الوجود وما بقي من الاسماء فتحت طاعة هؤلاء الاسماء الائمة الارباب وكان سبب توجه هؤلاء الاسماء الى الاسم الله في ايجاد العالم بقية الاسماء مع حقائقها أيضا على ان أئمة الاسماء من غير نظر الى العالم انما هي أربعة لا غير اسمه الحيّ والمتكلم والسميع والبصير فانه اذا سمع كلامه ورأى ذاته فقد كمل وجوده في ذاته من غير نظر الى العالم ونحن لا نريد من الاسماء الا ما يقوم بها وجود العالم فكثرت علينا الاسماء فعدلنا الى أربابها فدخلنا عليهم في حضراتهم فما وجدنا غير هؤلاء الذين ذكرناهم وأبرزناهم على حسب ما شاهدناهم فكان سبب توجه أرباب الاسماء الى الاسم الله في ايجاد أعياننا بقية الاسماء فاول من قام لطلب هذا العالم الاسم المدبر والمفصل عن سؤال الاسم الملك فعندما توجه على الشئ الذي عنه وجد المثال في نفس العالم من غير عدم متقدم ولكن تقدم مرتبة لا تقدم وجود كتقدم طلوع الشمس على أول النهار وان كان أول النهار مقارنا لطلوع الشمس ولكن قد تبين ان العلة في وجود أول النهار طلوع الشمس وقد قارنه في الوجود فهكذا هو هذا الامر فلما دبر العالم وفصله هذان الاسمان من غير جهل متقدم به أو عدم علم وانتشأت صورة المثال في نفس العالم تعلق اسمه العالم اذ ذاك بذلك المثال كما تعلق بالصورة التي أخذ منها وان كانت غير مرئية لانها غير موجودة كما سنذكره في باب مم وجد العالم فاول أسماء العالم هذان الاسمان والاسم المدبر هو الذي حقق وقت الايجاد المقدر فتعلق به المريد على حد ما أبرزه المدبر ودبره وما علما شيأ من نشء هذا المثال الا بمشاركة بقية الاسماء لكن من وراء حجاب هذين الاسمين ولهذا صحت لهما الامامة والآخرون لا يشعرون بذلك حتى بدت صورة المثال فرأوا ما فيه من الحقائق المناسبة لهم تجذبهم للتعشق بها فصار كل اسم يتعشق بحقيقته التي في المثال ولكن لا يقدر على التأثير فيها اذ لا تعطي الحضرة التي تجلى فيها هذا المثال فادّاهم ذلك التعشق والحب الى الطلب والسعي والرغبة في ايجاد صورة عين ذلك المثال ليظهر سلطانهم ويصح على الحقيقة وجودهم

فلا

فلاشئ أعظم همامن عزيزلا يجد عزيزا يقهره حتى يذل تحت قهره فيصح سلطان عزه أوعى لا يجد من يفتقر الى غناه
وهكذا جميع هذه الاسماء فلجأت الى أربابها الأئمة السبعة التى ذكرناها ترغب اليها فى ايجاد عين هذا المثال الدى
شاهدوه فى ذات العالم به وهو المعبر عنه بالعالم وربما يقول القائل يا أيها المحقق وكيف ترى الاسماء هذا المثال ولا يراه الا
الاسم البصير خاصة لا غيره وكل اسم على حقيقة ليس الاسم الآخر عليها فلنا له لتعلم وفقك الله ان كل اسم الهى يتضمن
جميع الاسماء كلها وان كل اسم ينعت بجميع الاسماء فى أفقه فكل اسم فهو حى قادر سميع بصير متكلم فى أفقه وفى علمه
والا فكيف يصح أن يكون ربا لعابده وهيهات هيهات غيران ثم لطيفة لا يشعر بها وذلك انك تعلم قطعا فى حبوب البر
وأمثاله ان كل برة فيها من الحقائق مافى أختها كما تعلم أيضا ان هذه الحبة ليست عين هذه الحبة الاخرى وان كانتا تحويان
على حقائق متماثلة فانهما مثلان فابحث عن هذه الحقيقة التى تجعلك تفرق بين هاتين الحبتين وتقول ان هذه ليست
عين هذه وهذا سار فى جميع المتماثلات من حيث ماتماثلوا به كذلك الاسماء كل اسم جامع لما جمعت الاسماء من الحقائق
ثم تعلم على القطع ان هذا الاسم ليس هو هذا الآخر بتلك اللطيفة التى بها فرقت بين حبوب البر وكل متماثل فابحث عن
هذا المعنى حتى تعرفه بالذكر لا بالفكر غير انى أريد ان أوقفك على حقيقة ماذكرها أحد من المتقدمين وربما أطلع
عليها فر بما خصصت بها ولا أدرى هل تعطى لغيرى بعدى أم لا من الحضرة التى أعطيتها فان استقرأها وفهمها من
كتابى فانا المعلم له وأما المتقدمون فلم يجدوها وذلك ان كل اسم كما قررنا بجميع حقائق الاسماء ويحتوى عليها مع وجود
اللطيفة التى وقع لك التمييز بها بين المثلين وذلك ان الاسم المنعم والاسم المعذب اللذين هما الظاهر والباطن كل اسم من
هذين الاسمين يتضمن ما تحويه سدنته من أولهم الى آخرهم غير ان أرباب الاسماء ومن سواهم من الاسماء على ثلاث
مراتب منها ما يلحق بدرجات أرباب الاسماء ومنها ما ينفرد بدرجة فنها ما ينفرد بدرجة المنعم وبدرجة المعذب وهذه
أسماء العالم محصورة والله المستعان فلما لجأت الاسماء كلها الى هؤلاء الأئمة ولجأت الأئمة الى الاسم الله لجأ الاسم الله الى
الذات من حيث غناها عن الاسماء سائلا فى اسعاف ماسألته الاسماء فيه فانعم المحسان الجواد بذلك وقال قل للأئمة
يتعلقون بابراز العالم على حسب ما تعطيه حقائقهم فخرج اليهم الاسم الله وأخبرهم الخبر فانقلبوا مسرعين فرحين
مبتهجين ولم يزالوا كذلك فنظروا الى الحضرة التى أذكرها فى الباب السادس من هذا الكتاب فاوجدوا العالم كما
سنذكره فيما يأتى من الابواب بعد هذا ان شاء الله والله يقول الحق وهو يهدى السبيل

﴿الباب الخامس فى معرفة أسرار بسم الله الرحمن الرحيم والفاتحة من وجه ما لا من جميع الوجوه﴾

بسملة الاسماء ذو منظرين * مابين ابقاء وأفناء عين
الايمن قالت لمن حين ما * خافت على النمل من الحطمتين
فقال من أضحكه قولها * هل أثر يطلب من بعد عين
يانفس يانفس استقيمى فقد * عاينت من غلتنا القبضتين
وهكذا فى الحمد فاستثنها * ان شئت ان تنعم بالجنتين
احداهما من عسجد مشرق * جلتها وأختها من لجين
ياأم قرآن العلى هل ترى * من جهة الفرقان للفرقتين
أنت لنا السبع المثانى التى * خص بها سيدنا دون مين
فانت مفتاح الهدى للنهى * وخص من عاداك بالفرقتين

لما أردنا ان نفتتح معرفة الوجود وابتداء العالم الذى هو عندنا المصحف الكبير الذى تلاه الحق علينا تلاوة حال كما ان
القرآن تلاوة قول عندنا فالعالم حروف مخطوطة مرقومة فى رق الوجود المنشور ولا تزال الكتابة فيه دائمة أبدا لا تنتهى
ولما افتتح الله تعالى كتابه العزيز بفاتحة الكتاب وهذا كتاب أعنى العالم الذى نتكلم عليه أردنا ان نفتتح بالكلام
على أسرار الفاتحة وبسم الله فاتحة الفاتحة وهى آية أولى منها أوملازمة لها كالعلاوة على الخلاف المعلوم بين العلماء

فلابد من الكلام على البسملة وربما يقع الكلام على بعض آية من سورة البقرة آيتين أو ثلاث خاصة تبركا بكلام الحق سبحانه ثم نسوق الابواب ان شاء الله تعالى فأقول انه لما قدمنا ان الاسماء الالهية سبب وجود العالم وانها المسلطة عليه والمؤثرة لذلك كان بسم الله الرحمن الرحيم عندنا خبرا ابتداء مضمر وهو ابتداء العالم وظهوره كانه يقول ظهور العالم بسم الله الرحمن الرحيم أى باسم الله الرحمن الرحيم ظهر العالم واختص الثلاثة الاسماء لان الحقائق تعطى ذلك فالله هو الاسم الجامع للاسماء كلها والرحمن صفة عامة فهو رحمن الدنيا والآخرة بها رحم كل شئ من العالم فى الدنيا ولما كانت الرحمة فى الآخرة لا تختص الا بقبضة السعادة فانها تنفرد عن أختها وكانت فى الدنيا ممتزجة يولد كافرا ويموت مؤمنا أى ينشأ كافرا فى عالم الشهادة وبالعكس وتارة وتارة وبعض العالم تميز باحدى القبضتين باخبار صادق فجاء الاسم الرحيم مختصا بالدار الآخرة لكل من آمن وتم العالم بهذه الثلاثة الاسماء جملة فى الاسم الله وتفصيلا فى الاسمين الرحمن الرحيم فتحقق ما ذكرناه فانى أريد أن أدخل الى ما فى طى البسملة والفاتحة من بعض الاسرار كما شرطناه فلنبين ونقول بسم بالباء ظهر الوجود وبالنقطة تميز العابد من المعبود قيل للشبلى رضى الله عنه أنت الشبلى فقال أنا النقطة التى تحت الباء وهو قولنا النقطة للتمييز وهو وجود العبد بما تقتضيه حقيقة العبودية وكان الشيخ أبو مدين رحمه الله يقول ما رأيت شيأ الا رأيت الباء عليه مكتوبة فالباء المصاحبة للموجودات من حضرة الحق فى مقام الجمع والوجود أى بى قام كل شئ وظهر وهى من عالم الشهادة هذه الباء بدل من همزة الوصل التى كانت فى الاسم قبل دخول الباء واحتيج اليها اذ لا ينطق بساكن فجلبت الهمزة المعبر عنها بالقدرة محركة عبارة عن الوجود ليتوصل بها الى النطق الذى هو الايجاد من ابداع وخلق بالساكن الذى هو العدم وهو أوان وجود المحدث بعد ان لم يكن وهو السين فدخل فى الملك بالميم ألست بربكم قالوا بلى فصارت الباء بدلا من همزة الوصل أعنى القدرة الازلية وصارت حركة الباء لحركة الهمزة الذى هو الايجاد ووقع الفرق بين الباء والالف الواصلة فان الالف تعطى الذات والباء تعطى الصفة ولذلك كانت لعين الايجاد أحق من الالف بالنقطة التى تحتها وهى الموجودات فصار فى الباء الانواع الثلاثة شكل الباء والنقطة والحركة العوالم الثلاثة فكما فى العالم الوسط توهم ما كذلك فى نقطة الباء فالباء ملكوتية والنقطة جبروتية والحركة شهادية ملكية والالف المحذوفة التى هى بدل منها هى حقيقة القائم بالكل تعالى واحتجب رحمة منه بالنقطة التى تحت الباء وعلى هذا الحد تأخذ كل مسئلة فى هذا الباب مستوفاة بطريق الايجاز فبسم والم واحد ثم وجدنا الالف من بسم قد ظهرت فى اقرأ باسم ربك وباسم الله مجراها بين الباء والسين ولم تظهر بين السين والميم فلو لم تظهر فى باسم السفينة ما جرت السفينة ولو لم تظهر فى اقرأ باسم ربك ما علم المثل حقيقته ولا رأى صورته فتيقظ من سنة الغفلة وانتبه فلما كثر استعمالها فى أوائل السور حذفت لوجود المثل مقامه فى الخطاب وهو الباء فصار المثل مرآة للسين فصار السين مثالا وعلى هذا الترتيب نظام التركيب وانما لم تظهر بين السين والميم وهو محل التغيير وصفات الافعال ان لو ظهرت لزال السين والميم اذ ليسوا بصفة لازمة للقديم مثل الباء فكان خفاؤه عنهم رحمة بهم اذ كان سبب بقاء وجودهم وما كان لبشر أن يكلمه الله الا وحيا أو من وراء حجاب أو يرسل رسولا وهو الرسول فهذه الباء والسين والميم العالم كله ثم عمل الباء فى الميم الخفض من طريق الشبه بالحدوث اذ الميم مقام الملك وهو العبودية وخفضتها الباء عرفتها بنفسها وأوقفتها على حقيقتها فهما وجدت الباء وجدت الميم فى مقام الاسلام فان زالت الباء يوما ما لسبب طارئ وهو ترقى الميم الى مقام الايمان فتح فى عالم الجبروت بسبح وأشباهه فأمر بتنزيه المحل لتجلى المثل فقيل له سبح اسم ربك الاعلى الذى هو مغذيك بالمواد الالهية فهو ربك بفتح الميم وجاءت الالف ظاهرة وزالت الباء لان الامر توجه عليها بالتسبيح ولا طاقة لها على ذلك والباء محدثة مثلها والمحدث من باب الحقائق لا فعل له ولا بد لها من امتثال الامر فلا بد من ظهور الالف الذى هو الفاعل القديم فلما ظهر فعلت القدرة فى الميم التسبيح فسبح كما أمر وقيل له الاعلى لانه مع الباء فى الاسفل وفى هذا المقام فى الوسط ولا يسبح المسبح مثله ولا من هو دونه فلا بد أن يكون المسبح أعلى ولو كنا فى تفسير سورة سبح اسم ربك الأعلى لاظهرنا أسرارها فلا يزال فى هذا المقام حتى يتنزه فى نفسه فان من ينزهه منزه فانه منزه عن تنزيهه فلا بد من هذا التنزيه أن يعود

على

على المنزه ويكون هو الاعلى فان الحق من باب الحقيقة لا يصح عليه الاعلى فانه من أسماء الاضافة وضرب من وجوه المناسبة فليس بأعلى ولا أسفل ولا أوسط تنزه عن ذلك وتعالى علوا كبيرا بل نسبة الاعلى والاوسط والاسفل اليه نسبة واحدة فاذا تنزه خرج عن حد الامر وخرق حجاب السمع وحصل المقام الاعلى فارتفع الميم بمشاهدة القديم فحصل له الثناء التام بتبارك اسم ربك ذو الجلال والاكرام فكما ان الاسم عين المسمى كذلك العبد عين المولى من تواضع لله رفعه الله وفي الصحيح من الاخبار ان الحق يد العبد ورجله ولسانه وسمعه وبصره لو لم يقبل الخفض من الباء في باسم ما حصل له الرفع في النهاية في تبارك اسم ثم اعلم ان كل حرف من بسم مثلث على طبقات العوالم فاسم الباء باء وألف وهمزة واسم السين سين وياء ونون واسم الميم ميم وياء وميم والياء مثل الباء وهي حقيقة العبد في باب النداء فما أشرف هذا الموجود كيف انحصر في عابد ومعبود فهذا اشرف مطلق لا يقابله ضد لان ما سوى وجود الحق تعالى ووجود العبد عدم محض لا عين له ثم انه سكن السين من بسم تحت ذل الافتقار والفاقة كسكوننا تحت طاعة الرسول لما قال من يطع الرسول فقد أطاع الله فسكنت السين من بسم لتتلقى من الباء الحق اليقين فلو تحركت قبل أن تسكن لاستبدت بنفسها وخيف عليها من الدعوى وهي سين مقدسة فسكنت فلما تلقت من الباء الحقيقة المطلوبة أعطيت الحركة فلم تتحرك في بعض المواطن الا بعد ذهاب الباء اذ كان كلام التلميذ بحضور الشيخ في أمر ما سوء أدب الا أن يأمره فامتثال الامر هو الادب فقال عند مفارقة الباء يخاطب أهل الدعوى تنبيها بما حصل له في المقام الاعلى سأصرف عن آياتي الذين يتكبرون ثم تحرك لمن أطاعه بالرحمة واللين فقال سلام عليكم طبتم فادخلوها خالدين يريد حضرة الباء فان الجنة حضرة الرسول عليه السلام وكثيب الرؤية حضرة الحق فاصدق وسلم تكشف وتلحق فهذه الحضرة هي التي تنقله الى الالف المرادة فكما انه ينقلك الرسول الى الله كذلك تنقلك حضرته التي هي الجنة الى الكثيب الذي هو حضرة الحق ثم اعلم ان التنوين في بسم لتحقيق العبودة واشارات التبعيض فلما ظهر منه التنوين اصطفاه الحق المبين باضافة التشريف والتمكين فقال بسم الله فحذف التنوين العبدي لاضافته الى المنزل الالهي ولما كان تنوين تخلق لهذا صح له هذا التحقق والا فالسكون أولى به فاعلم انتهى الجزء التاسع

﴿ بسم الله الرحمن الرحيم ﴾

﴿وصل﴾ قوله الله من بسم الله ينبغي لك أيها المسترشد أن تعرف أولا ما تحصل في هذه الكلمة الكريمة من الحروف وحينئذ يقع الكلام عليها ان شاء الله وحروفها ا ل ل ا ه و فأول ما أقول كلاما مجملا مرموزا ثم نأخذ في تبيينه ليسهل قبوله على عالم التركيب وذلك ان العبد تعلق بالالف تعلق من اضطر والتجا فاظهرته اللام الاولى ظهورا ورثه الفوز من العدم والنجاة فلما صح ظهوره وانتشر في الوجود نوره وصح تعلقه بالمسمى وبطل تخلقه بالاسماء أفنته اللام الثانية بشهود الالف التي بعدها فناء لم تبق منه باقية وذلك عسى ينكشف له المسمى ثم جاءت الواو بعد الهاء لتمكن المراد وبقيت الهاء لوجوده آخرا عند محو العباد من أجل العناد فذلك أوان الاجل المسمى وهذا هو المقام الذي تضمحل فيه أحوال السائرين وتنعدم فيه مقامات السالكين حتى يفنى من لم يكن ويبقى من لم يزل لا غير يثبت لظهوره ولا ظلام يبقى لنوره فان لم تكن تره اعرف حقيقة ان لم تكن تكن أنت اذ كانت التاء من الحروف الزوائد في الافعال المضارعة للذوات وهي العبودية يقول بعض السادة وقد سمع عاطسا يقول الحمد لله فقال له ذلك السيد أتمها كما قال الله رب العالمين فقال العاطس ياسيدنا ومن العالم حتى يذكر مع الله فقال له الآن قلها يا أخي فان المحدث اذا قرن بالقديم لم يبق له أثر وهذا هو مقام الوصلة وحال وله أهل الفناء عن أنفسهم وأما الوفي عن فنائه لما قال الحمد لله لان في قوله الحمد أثبت العبد الذي هو المعبر عنه بالرداء عند بعضهم وبالثوب عند آخرين ولو قال رب العالمين لكان أرفع من المقام الذي كان فيه فذلك مقام الوارثين ولا مقام أعلى منه لانه شهود لا يتحرك معه لسان ولا يضطرب معه جنان أهل هذا المقام في أحوالهم فاغرة أفواههم استولت عليهم أنوار الذات وبدت عليهم رسوم الصفات هم عرائس الله المخبأون عنده المحجوبون

يديه الذى لا يعرفه. سواه كالا يعرفون سواه نوجههم تاج ... وكبل ... وأمدهم على ... القرب فى ... الانس ومناجاة الديمومية بلسان القيومية ... على صلاتهم دائمون وشهادتهم قائمون فلم تزل القوة الالهية ... بالمشاهدة فيبرزون بالصفات فى موضع ... ولا وله الا من حيث الاقتداء ولاد ... أو ... لا ... ون عن سواء السبيل فهم بالحق وان خاطبوا الخلق وعاشروهم و ... معهم وان رأوهم ... لا يرون منهم الا كونهم من جملة أفعال الله فهم يشاهدون الصنعة والصانع مقاما عمريا كما يقعد أحدكم مع نجار يصنع تابوتا فيشاهد الصنعة والصانع ولا تحجبه الصنعة عن الصانع الا ان شغل قلبه حسن الصنعة فان الدنيا كما قال عليه السلام حلوة خضرة وهى من خضراء الدمن جارية حسناء فى منبت سوء من أحسن اليها أو أحبها أساءت اليه وحرمت عليه أخراه ولقد أحسن القائل

اذا امتحن الدنيا لبيب تكشفت * له عن عدو فى ثياب صديق

فهذه الطائفة الامناء الصديقون اذا أيدهم الله بالقوة الالهية وأمدهم فهم معه بهذه النسبة على وجه المثال وهذا أعلى مقام يرقى فيه وأشرف غاية ينتهى اليها هذه الغاية القصوى اذ لا غاية الا من حيث التوحيد لا من حيث الموارد والواردات وهو المستوى اذ لا استواء الا الرفيق الاعلى فهنيئا لهذه العصابة بما نالوه من حقائق المشاهدة وهنيئا لنا على التصديق والتسليم لهم بالموافقة والمساعدة من بنا جواد اللسان فى حلبة الكلام فلنرجع الى ما كنا بسبيله والسلام فأقول همزة هذا الاسم المحذوفة بالاضافة تحقيق اتصال الوحدانية وتحقيق انفصال الغيرة فالالف واللام الملصقة كما تقدم لتحقيق المتصل ومحق المنفصل والالف الموجودة فى اللام الثانية لمحو آثار الغير المتحصل والواو التى بعد الهاء ليس لها فى الخط أثر ومعناها فى الوجود بهاء الهوية قد انتشر أبدا ها فى عالم الملك بذاتها فقال هو الله الذى لا اله الا هو فبدأ بالهوية وختم وسلكها الامر فى الوجود والعدم وجعلها دالة على الحدوث والقدم وهو آخر ذكر الذاكرين وأعلاه فرجع العجز على الصدر فلاحت ليلة القدر ووقف بوجودها أهل العناية والتأييد على حقائق التوحيد فالوجود فى نقطة دائرة هذا الاسم ساكن وقد اشتمل عليه بحقيقته اشتمال الاماكن على المتمكن الساكن ولله المثل الاعلى

والله قد ضرب الاقل لنوره * مثلا من المشكاة والنبراس

فقال تعالى والله بكل شئ محيط أحاط بكل شئ علما وصير الكل اسما ومسمى وأرسله مكشوفا ومعمى (حل المقفل وتفصيل المجمل) يقول العبد الله فيثبت أولا وآخرا وينفى باللامين باطنا وظاهرا لزمت اللام الثانية الهاء بوساطة الالف العلمية ما يكون من نجوى ثلاثة الا هو رابعهم الثلاثة اللام ولا خمسة الا هو سادسهم فالالف سادس فى حق الهاء رابع فى حق اللام ألم تر الى ربك كيف مد الظل العرش ظل الله العرش اللام الثانية وما حواه اللام الاولى بطريق الملك واللامان هما الظاهر والباطن من باب الاسماء ظهرتا بين ألف الاول وألف الآخر وهو مقام الاتصال لان النهاية تنعطف على البداية وتتصل بها اتصال اتحاد ثم خرجت الهاء بواوها الباطنة مخرج الانفصال والجزء المتصل بين اللام والهاء هو السر الذى به تقع المشاهدة بين العبد والسيد وذلك مركز الالف العلمية وهو مقام الاضمحلال ثم جعل تعالى فى الخط المتصل جزأ بين اللامين للاتصال بين اللام الاولى التى هى عالم الملك وبين اللام الثانية التى هى عالم الملكوت وهو مركز العالم الاوسط عالم الجبروت مقام النفس ولا بد من خطوط فارغة بين كل حرفين فتلك مقامات فناء رسوم السالكين من حضرة الى حضرة ﴿تتميم﴾ الالف الاولى التى هى ألف الهمزة منقطعة واللام الثانية ألفها متصل بها قطعت الالف فى أوائل الخطوط لقوله عليه السلام كان الله ولا شئ معه فلهذا قطعت وتنزه من الحروف من أشبهها فى عدم الاتصال بما بعدها والحروف التى أشبهتها على عدد الحقائق العامة العالية التى هى الامهات وكذلك اذا كانت آخر الحروف تقطع الاتصال من البعدية الرقية فكان انقطاع الالف تنبيها لما ذكرناه وكذلك اخوته فالالف للحق وأشباه الالف للخلق وذلك د ذ ر ز و فى جميع الحقائق جسم متغذ حساس ناطق وما عداه ممن له لغة وانحصرت حقائق العالم الكلية فلما أراد وجود اللام الثانية وهى أول موجود فى المعنى وان تأخرت فى الخط فان معرفة الجسم تتقدم على معرفة

الروح

ارنح شاهدا وكذلك الخط شاهدا وهي ء. ملكوت أوجدها بقدرته وهي الهمزة التي في الاسم اذا ابتدأت به معرى من الاصدة وهي لا تفارق الالف فلما وجدت هذه الالف اللام الثانية جعلها رئيسة فطلبت مرؤسا تكون عليه بالتبع فاوجد لها عالم الشهادة الذي هو اللام الاولى فلما نظرت اليه أشرق وأنار وأشرقت الارض بنور ربها ووضع الكتاب وهو الجزء الذي بين اللامين أمر سبحانه اللام الثانية أن تمد الاولى بما أمدها به تعالى من جودذاته وأن تكون دليلها اليه فطلبت منه معنى تصرفه في جميع أمورها يكون لها كالوزير فتلقي اليه ماتريده فيلقيه على عالم اللام الاولى فاوجد لها الجزء المتصل باللامين المعبر عنه بالكتاب الاوسط وهو العالم الجبروتي وليست له ذات قائمة مثل اللامين فانه بمنزلة عالم الخيال عندنا فالقت اللام الثانية الى ذلك الجزء وارتقم فيه ما أريد منها ووجهت به الى اللام الاولى فامتثلت الطاعة حتى قالت بلى فلما رأت اللام الاولى الامر قد أتاها من قبل اللام الثانية بوساطة الجزء الذي هو الشرع صارت مشاهدة لما يرد عليها من ذلك الجزء راغبة له في أن يوصلها الى صاحب الامر لتشاهده فلما صرفت الهمة الى ذلك الجزء واشتغلت بمشاهدته احتجبت عن الالف التي تقدمتها ارجعوا وراءكم فالتمسوا نورا ولو لم تصرف الهمة الى ذلك الجزء لتلقت الامر من الالف الاولى بلا واسطة ولكن لا يمكن لسر عظيم فانها ألف الذات والثانية ألف العلم (اشارة) ألا ترى ان اللام الثانية لما كانت مرادة مجتباة منزهة عن الوسائط كيف اتصلت بالف الوحدانية اتصالا شافيا حتى صار وجودها نطقا يدل على الالف دلالة صحيحة وان كانت الذات خفيت فان لفظك باللام يحقق الاتصال ويدلك عليها من عرف نفسه عرف ربه من عرف اللام الثانية عرف الالف فجعل نفسك دليلا عليك ثم جعل كونك دليلا عليك دليلا عليه في حق من بعد وقدم معرفة العبد بنفسه على معرفته بربه ثم بعد ذلك يغنيه عن معرفته بنفسه لما كان المراد منه أن يعرف ربه ألا ترى تعانق اللام الالف وكيف يوجد اللام في النطق قبل الالف وفي هذا تنبيه لمن أدرك فهذه اللام الملكوتية تتلقى من ألف الوحدانية بغير واسطة فتورده على الجزء الجبروتي ليؤديه الى لام الشهادة والملك هكذا الامر ما دام التركيب والحجاب فلما حصلت الاولية والآخرية والظاهرية والباطنية أراد تعالى كما قدم الالف منزهة عن الاتصال من كل الوجوه بالحروف أراد أن يجعل الانتهاء نظير الابتداء فلا يصح بقاء العبد أولا وآخرا فاوجد الهاء مفردة بواوهويتها فان توهم متوهم ان الهاء ملصقة الى اللام فليست كذلك وانما هي بعد الالف التي بعد اللام والالف لا يتصل بها في البعدية شيء من الحروف فالهاء بعد اللام مقطوعة عن كل شيء فذلك الاتصال باللام في الخط ليس باتصال فالهاء واحدة والالف واحدة فاضرب الواحد في مثله يكن واحدا فصح انفصال الخلق عن الحق فبقي الحق واذا صح تخلق اللام الملكية لما توردها عليها اللام الملكوت فلا تزال تضمحل عن صفاتها وتفنى عن رسومها الى أن تحصل في مقام الفناء عن نفسها فاذا فنيت عن ذاتها فني الجزء افنائها واتحدت اللامان لفظا ينطق بها اللسان مشددة للادغام الذي حدث فصارت موجودة بين ألفين اشتملا عليها وأحاطا بها فاعطتنا الحكمة الموهوبة لما سمعنا اللفظ الناطق بلا بين ألفين علمنا علم الضرورة ان المحدث فني بظهور القديم فبقي ألفان أولى وأخرى وزال الظاهر والباطن بزوال اللامين بكلمة النفي فضربنا الالف في الالف ضرب الواحد في الواحد فخرجت لك الهاء فلما ظهرت زال حكم الاول والآخر الذي جعلته الواسطة كما زال حكم الظاهر والباطن فقيل عند ذلك كان الله ولا شيء معه ثم أصل هذا الضمير الذي هو الهاء الرفع ولا بد فان انفتح أو انخفض فذلك صفة تعود على من فتحه أو خفضه فهي عائدة على العامل الذي قبل في اللفظ (تكملة) ثم أوجد سبحانه الحركات والحروف والمخارج تنبيها منه سبحانه وتعالى ان الذوات تتميز بالصفات والمقامات فجعل الحركات نظير الصفات وجعل الحروف نظير الموصوف وجعل المخارج نظير المقامات والمعارج فاعطى لهذا الاسم من الحروف على عموم وجوهه من وصل وقطع ء ا ل ه و همزة وألفا ولاما وهاء وواوا فالهمزة أولا والهاء آخرا ومخرجهما واحد مما يلي القلب ثم جعل بين الهمزة والهاء حرف اللام ومخرجه اللسان ترجمان القلب فوقعت النسبة بين اللامين والهمزة والهاء كما وقعت النسبة بين القلب الذي هو محل الكلام وبين اللسان المترجم عنه قال الاخطل

ان الكلام لفي الفؤاد وانما ● جعل اللسان على الفؤاد دليلا ●

فاما كانت اللام من اللسان جعلها تنظر اليه لا الى نفسها فافناها عنها وهي الحنك الاسفل فلما نظرت اليه ... ذاتها
علت وارتفعت الى الحنك الاعلى واشتد اللسان بها في الحنك اشتداد التمكن علوها وارتفاعها بمشاهدته وخرجت
الواو من الشفتين في الوجود الظاهر مخبرة دالة عليه وذلك مقام باطن النبوة وهي الشعرة التي فينا من الرسول صلى الله
عليه وسلم وفي ذلك يكون الورث فخرج من هذا الوصل ان الهمزة والالف والهاء من عالم الملكوت واللام من عالم
الجبروت والواو من عالم الملك ﴿وصل﴾ قوله الرحمن من البسملة الكلام على هذا الاسم في هذا الباب من وجهين
من وجه الذات ومن وجه الصفة فمن أعرب به بدلا جعله ذاتا ومن أعرب به نعتا جعله صفة والصفات ست ومن شرط هذه
الصفات الحياة فظهرت السبعة وجميع هذه الصفات للذات وهي الالف الموجودة بين الميم والنون من الرحمن ويتركب
الكلام على هذا الاسم من الخبر الثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الله خلق آدم على صورته من حيث اعادة الضمير
على الله ويؤيد هذا النظر الرواية الاخرى وهي قوله عليه السلام على صورة الرحمن وهذه الرواية وان لم تصح من طريق
أهل النقل فهي صحيحة من طريق الكشف فاقول ان الالف واللام والراء للعلم والارادة والقدرة والحاء والميم والنون
مدلول الكلام والسمع والبصر وصفة الشرط التي هي الحياة مستصحبة لجميع هذه الصفات ثم الالف التي بين الميم والنون
مدلول الموصوف وانما حذفت خطا لدلالة الصفات عليها دلالة ضرورية من حيث قيام الصفة بالموصوف فتجلت للعالم
الصفات ولذلك لم يعرفوا من الاله غيرها ولا يعرفونها ثم الذي يدل على وجود الالف ولا بد ما ذكرناه وزيادة وهي اشباع
فتحة الميم وذلك اشارة الهية الى بسط الرحمة على العالم فلا يكون أبدا ما قبل الالف الا مفتوحا فتدل الفتحة على الالف في
مثل هذا الموطن وهو محل وجود الروح الذي له مقام البسط لمحل التجلي ولهذا ذكر أهل عالم التركيب في وضع الخطوط
في حروف العلة الياء المكسور ما قبلها اذ قد توجد الياء الصحيحة ولا كسر قبلها وكذلك الواو المضموم ما قبلها ولما
ذكروا الالف لم يقولوا المفتوح ما قبلها اذ لا توجد الا والفتح في الحرف الذي قبلها بخلاف الواو والياء فالاعتدال للالف
لازم أبدا فالجاهل اذا لم يعلم في الوجود منزها عن جميع النقائص الا الله تعالى نفى الروح القدسي الاعلى فقل ما في
الوجود الا الله فلما سئل في التفصيل لم يوجد لديه تحصيل وانما خصصوا الواو بالمضموم ما قبلها والياء بالمكسور ما قبلها
لما ذكرناه فصحت المفارقة بين الالف وبين الواو والياء فالالف للذات والواو العلية للصفات والياء العلية للافعال
الالف للروح والعقل صفته وهو الفتحة والواو النفس والقبض صفتها وهو الضمة والياء الجسم ووجود الفعل صفته
وهو الخفض فان انفتح ما قبل الواو والياء فذلك راجع الى حال المخاطب ولما كانتا غيرا ولا بد اختلفت عليهما الصفات
ولما كانت الالف لا تقبل الحركات اتحدت بدلولها فلم يختلف عليها شيء البتة وسميت حروف العلة لما نذكره فالف
الذات علة لوجود الصفة وواو الصفة علة لوجود الفعل وياء الفعل علة لوجود ما يصدر عنه في عالم الشهادة من حركة
وسكون فلهذا سميت عللا ثم أوجد النون من هذا الاسم نصف دائرة في الشكل والنصف الآخر محصور معقول في
النقطة التي تدل على النون الغيبية الذي هو نصف الدائرة وحسب الناس النقطة انها دليل على النون المحسوسة ثم
أوجد مقدم الحاء مما يلي الالف المحذوفة في الرقم اشارة الى مشاهدتها ولذلك سكنت ولو كان مقدمها الى الراء لتحركت
فالالف الاولى للعلم واللام للارادة والراء للقدرة وهي صفة الايجاد فوجدنا الالف لها الحركة من كونها همزة والراء لها
الحركة واللام ساكنة فاتحدت الارادة بالقدرة كما اتحد العلم والارادة بالقدرة اذا وصلت الرحمن بالله فادغمت لام
الارادة في راء القدرة بعد ما قلبت راء وشددت لتحقيق الايجاد الذي هو الحاء ووجود الكلمة ساكنة وانما سكنت لانها
لا تنقسم والحركة منقسمة فلما كانت الحاء ساكنة سكونا حسيا ورأيناها مجاورة الراء راء القدرة عرفنا انها الكلمة
وتمنيها ﴿تنبيه﴾ أشار من أعرب به بدلا من قوله الله الى مقام الجمع واتحاد الصفات وهو مقام من روى خلق آدم على
صورته وذلك وجود العبد في مقام الحق حد الخلافة والخلافة تستدعى الملك بالضرورة والملك ينقسم قسمين قسم
راجع لذاته وقسم راجع لغيره والواحد من الاقسام يصلح في هذا المقام على حد ما رتبناه فان البدل في الموضع يحل محل

المدل

البدل منه مثل قولنا جاءنى أخوك زيد فزيد بدل من أخيك بدل الشئ من الشئ وهما العين واحدة فان زيدا هو أخوك وأخاك هو زيد بلا شك وهذا مقام من اعتقد خلافه فما وقف على حقيقة ولا وحد قط موجده وأما من أعرب نعتا فانه أشار الى مقام التفرقة فى الصفة وهو مقام من روى خلق آدم على صورة الرحمن وهذا مقام الوراثة ولا تقع الا بين غير بن مقام الحجاب بغيب الواحد وظهور الثانى وهو المعبر عنه بالمثل وفيما قررنا دليل على ما أضمرنا فافهم ثم أظهر من النون الشطر الاسفل وهو الشطر الظاهر لنا من الفلك الدائر من نصف الدائرة ومركز العالم فى الوسط من الخط الذى يمتد من طرف الشطر الى الطرف الثانى والشطر الثانى المستور فى النقطة هو الشطر الغائب عنا من تحت نقيض الخط بالاضافة الينا اذ كانت رؤيتنا من حيث الفعل فى جهة فالشطر الموجود فى الخط هو المشرق والشطر المجموع فى النقطة هو المغرب وهو مطالع وجود الاسرار فالمشرق وهو الظاهر المركب ينقسم والمغرب وهو الباطن البسيط لا ينقسم وفيه أقول

عجبا للظاهر ينقسم * ولباطنه لا ينقسم

فالظاهر شمس فى حمل * والباطن فى أسد جلم

حقق وانظر معنى سترت * من تحت كنانتها الظلم

ان كان خفى هو ذاك بدا * عجبا والله هما القسم

فافزع للشمس ودع قمرا * فى الوتر يلوح وينعدم

واخلع نعلى قدمى كونى * علمى شفع بكن الكلم

ولذلك يتعلق العلم بالمعلومات والارادة الواحدة بالمرادات والقدرة الواحدة بالمقدورات فتقع القسمة والتعداد فى المقدورات والمعلومات والمرادات وهو الشطر الموجود فى الرقم ويقع الاتحاد والتنزه عن الاوصاف الباطنية من علم وقدرة وارادة وفى هذه الشارة فافهم ولما كانت الحاء ثمانية وهو وجود كمال الذات ولذلك عبرنا عنه بالكلمة والروح فكذلك النون خامسة فى العشرات اذ يتقدمها الميم الذى هو رابع فالنون جسمانى محل ايجاد موادّ الروح والعقل والنفس ووجود الفعل وهذا كله مستودع فى النون وهى كلية الانسان الظاهرة ولهذا ظهرت ﴿تتمة﴾ وانما فصل بين الميم والنون بالالف لان اذ الميم ملكوتية لما جعلناه للروح والنون ملكية والنقطة جبروتية لوجود سر سلب الدعوى كأنه يقول أى يا روح الذى هو الميم لم نصطفك من حيث أنت لكن عناية سبقت لك فى وجود علمى ولو شئت لاطلعت على نقطة العقل ونون الانسانية دون واسطة وجودك فاعرف نفسك واعلم ان هذا الاختصاص بك منى من حيث أنا لا من حيث أنت فصحت الاصطفائية فلا تجلى لغيره أبدا فالحمد لله على ما أولى فتنبه يا مسكين فى وجود الميم دائرة على صورة الجسم مع التقدم كيف أشار به الى التنزه عن الانقسام وانقسام الدائرة لا يتناهى فانقسام روح الميم بمعلوماته لا يتناهى وهو فى ذاته لا ينقسم ثم انظر الميم اذا انفصل وحده كيف ظهرت منه مادة التعريق لمنازل الى وجود الفعل فى عالم الخطاب والتكليف فصارت المادّة فى حق الغير لا فى حق نفسه اذ الدائرة تدل عليه خاصة فما زاد فلبس فى حقه اذ قد ثبتت ذاته فلم يبق الا أن يكون فى حق غيره فلما نظر العبد الى المادّة مد تعريقا وهذا هو وجود التحقيق ثم اعلم ان الجزء المتصل بين الميم والنون هو مركز ألف الذات وخفيت الالف ليقع الاتصال بين الميم والنون بطريق المادّة وهو الجزء المتصل ولو ظهرت الالف لما صح التعريق للميم لان الالف حالت بينهما وفى هذا تنبيه على قوله رب السموات والارض وما بينهما الرحمن وجود الالف المرادة هنا على من أعرب به مبتدأ ولا يصح من طريق التركيب والصحيح أن يعرب بدلا من الرب فتبقى الالف هنا عبارة عن الروح والحق قائم بالجميع والميم السموات والنون الارض واذا ظهرت الالف بين الميم والنون فان الاتصال بالميم لا بالنون فلا تأخذ النون صفة أبدا من غير واسطة لقطعها ودل اتصالها بالميم على الاخذ بلا واسطة والعدم الذى صح به القطع فيه يفنى النون ويبقى الميم محجوبا عن سر قدمه بالنقطة التى فى وسطه التى هى جوف دائرته بالنظر الى ذاته بعد أن لم تكن فيما ظهر له ﴿سؤال وجوابه﴾ قيل فكيف

عرفت سر قدمه ولم يعرفه هو وهو أحق بمعرفة نفسه منك ان نظرت الى ظاهرك أو هل العالم بسر القدم فيه هو المعنى الموجود فيك المتكلم فيه وهو سر الروح فقد وقف على سر قدمه الجواب عن ذلك ان الذى علم منا سر القدم هو الذى حجب هناك فمن الوجه الذى أثبتناله العلم غير الوجه الذى أثبتناله منه عدم العلم ونقول انما حصل له ذلك علما لاعينا وهذا موجود فليس من شرط من علم شيأ أن يراه والرؤية للمعلوم أتم من العلم به من وجه وأوضح فى المعرفة به فكل عين علم وليس كل علم عينا اذ ليس من شرط من علم ان تمكن رآها واذا رآها قطعنا انه يعلمها ولا أريد الاسم فللعين درجة على العلم معلومة كما قيل

ولكن للعيان لطيف معنى * لذا سأل المعاينة الكليم

بل أقول ان حقيقة سر القدم الذى هو حق اليقين لانه لا يعاين فلم يشاهده لرجوعه لذات موجده ولو علم ذات موجده لكان نقصا فى حقه فغاية كماله فى معرفة نفسه بوجودها بعد أن لم تكن عيناه هذا فصل عجيب ان تدبرته وقفت على عجائب فافهم ﴿تكملة﴾ اتصلت اللام بالراء اتصال اتحاد نطقا من حيث كونهما صفتين باطنتين فسهل عليهما الاتحاد ووجدت الحاء التى هى الكلمة المعبر عنها بالمقدور للراء منفصلة عن الراء التى هى القدرة ليتميز المقدور من القدرة ولئلا تتوهم الحاء المقدورة انها صفة ذات القدرة فوقع الفرق بين القديم والمحدث فافهم يرحمك الله ثم اتعلم ان رحمن هو الاسم وهو للذات والالف واللام اللذان للتعريف هما الصفات ولذلك يقال رحمان معزولهما كما يقال ذات ولا تسمى صفة معهما انظر فى اسم مسيلمة الكذاب تسمى برحمان ولم يهتد الى الالف واللام لان الذات محل الدعوى عند كل أحد وبالصفات يفتضح المدعى فرحمان مقام الجمع وهو مقام الجهل أشرف ما يرتقى اليه فى طريق الله الجهل به تعالى ومعرفته الجهل به فانها حقيقة العبودية قال تعالى وأنفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه فجردك ومما يؤيد هذا قوله تعالى وما أوتيتم من العلم الا قليلا وقوله الذين آتيناهم الكتاب يتلونه حق تلاوته فحقيقة الاستخلاف سلب مسيلمة وابليس والدجال وكان من حالهم ما علم فلو استحقوه ذا ما سلبوه البتة ولكن ان نظرت بعين التنفيذ والقبول الكلى لا بعين الامر وجدت المخالف طائعا والمعوج مستقيما والكل داخل فى الرق شاؤا أم أبوا فاما ابليس ومسيلمة فصرحا بالعبودية والدجال أبى فتأمل من أين تكلم كل واحد منهم وما الحقائق التى لاحت لهم حتى أوجبت لهم هذه الاحوال ﴿تتمة﴾ لما نطقنا بقوله بسم الله الرحمن الرحيم لم يظهر للالف واللام وجود فصار الاتصال من الذات للذات والله والرحمن اسمان للذات فرجع على نفسه بنفسه ولهذا قال صلى الله عليه وسلم وأعوذ بك منك لما انتهى الى الذات لم ير غيرا وقد قال أعوذ بك ولابد من مستعاذ منه فكشف له عنه فقال منك ومنك هو والدليل عليه أعوذ ولا يصح أن ينفصل فانه فى الذات ولا يجوز التفصيل فيها فتبين من هذا ان كلمة الله هى العبد فكان لفظة الله للذات دليل كذلك العبد الجامع الكلى فالعبد هو كلمة الجلالة قال بعض المحققين فى حال ما أنا الله وقالها أيضا بعض الصوفية من مقامين مختلفين وشتان بين مقام المعنى ومقام الحرف الذى وجد له فقابل تعالى الحرف بالحرف أعوذ برضاك من سخطك وقابل المعنى بالمعنى وأعوذ بك منك وهذا غاية المعرفة ﴿خاتمة﴾ واعلم تفرق بين الله وبين الرحمن لما تعرض لك فى القرآن قوله تعالى اعبدوا الله ولم يقولوا وما الله ولما قيل لهم اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن ولهذا كان النعت أولى من البدل عند قوم وعند آخرين البدل أولى لقوله تعالى قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن أياما تدعوا فله الاسماء الحسنى جعلها للذات ولم تنكر العرب كلمة الله فانهم القائلون ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى فعلموه ولما كان الرحمن يعطى الاشتقاق من الرحمة وهى صفة موجودة فيهم خافوا أن يكون المعبود الذى يدلهم عليه من جنسهم فأنكروا وقالوا وما الرحمن لما لم يكن من شرط كل كلام أن يفهم معناه ولهذا قال قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن لما كان اللفظان راجعين الى ذات واحدة وذلك حقيقة العبد والبارى منزه عن ادراك التوهم والعلم المحيط به جل عن ذلك ﴿وصل﴾ فى قوله الرحيم من البسملة الرحيم صفة محمد صلى الله عليه وسلم قال تعالى بالمؤمنين رؤف رحيم وبه كمال الوجود وبالرحيم تمت البسملة وبتمامها تم العالم خلقا وابداعا وكان عليه السلام مبتدأ وجود

العالم

العالم عقلا ونفسا متى كنت نبيا قال وآدم بين الماء والطين فبه بدئ الوجود باطنا وبه ختم المقام ظاهرا فى عالم
التخطيط فقال لا رسول بعدى ولا نبى فالرحيم هو محمد صلى الله عليه وسلم وبسم هو أبونا آدم وأعنى فى مقام ابتداء
الامر ونهايته وذلك ان آدم عليه السلام هو حامل الاسماء قال تعالى وعلم آدم الاسماء كلها ومحمد صلى الله عليه وسلم
حامل معانى تلك الاسماء التى حملها آدم عليهما السلام وهى الكلم قال صلى الله عليه وسلم أوتيت جوامع الكلم ومن أثنى
على نفسه أمكن وأتم ممن أثنى عليه كيحيى وعيسى عليهما السلام ومن حصل له الذات فالاسماء تحت حكمه وليس من
حصل الاسماء أن يكون المسمى محصلا عنده وبهذا فضلت الصحابة علينا فانهم حصلوا الذات وحصلنا الاسم ولما راعينا
الاسم مراعاتهم الذات ضوعف لنا الاجر والحسرة الغيبة التى لم تكن لهم فكان تضعيف على تضعيف فنحن الاخوان
وهم الاصحاب وهو صلى الله عليه وسلم الينا بالاشواق وما أفرحه بلقاء واحد منا وكيف لا يفرح وقد ورد عليه من كان
بالاشواق اليه فهل تقاس كرامته به وبره وتحفيه وللعامل منا أجر خمسين ممن يعمل بعمل أصحابه لا من أعيانهم لكن
من أمثالهم فذلك قوله بل منكم لجدوا واجتهدوا حتى يعرفوا أنهم خلفوا بعدهم رجالا لو أدركوه ماسبقوهم اليه ومن هنا
تقع المجازاة والله المستعان ﴿تنبيه﴾ ثم لتعلم ان بسم الله الرحمن الرحيم أربعة ألفاظ لها أربعة معان فتلك ثمانية
وهم حملة العرش المحيط وهم من العرش وهنا هم الحملة من وجه والعرش من وجه فانظر واستخرج من ذاتك لذاتك
﴿تنبيه﴾ ثم وجدنا ميم بسم الذى هو آدم عليه السلام معرقا ووجدنا ميم الرحيم معرقا الذى هو محمد صلى الله عليه وسلم
تسليما فعلمنا ان مادة ميم آدم عليه السلام لوجود عالم التركيب اذ لم يكن مبعوثا وعلمنا ان مادة ميم محمد صلى الله عليه
وسلم لوجود الخطاب عموما كما كان آدم عندنا عموما فلهذا امتدا ﴿انباه﴾ قال سيدنا الذى لا ينطق عن الهوى ان
صلحت أمتى فلها يوم وان فسدت فلها نصف يوم واليوم ربانى فان أيام الرب كل يوم من ألف سنة مما نعد بخلاف أيام الله
وأيام ذى المعارج فان هذه الايام أكبر فلكان من أيام الرب وسيأتى ان شاء الله ذكرها فى داخل الكتاب فى معرفة
الازمان وصلاح الامة بنظرها اليه صلى الله عليه وسلم وفسادها باعراضها عنه فوجدنا بسم الله الرحمن الرحيم يتضمن
ألف معنى كل معنى لا يحصل الا بعد انقضاء حول ولا بد من حصول هذه المعانى التى تضمنها بسم الله الرحمن الرحيم لانه
ماظهر الا ليعطى معناه فلا بد من كمال ألف سنة لهذه الامة وهى فى أول دورة الميزان ومدتها ستة آلاف سنة روحانية
محققة ولهذا ظهر فيها من العلوم الالهية مالم يظهر فى غيرها من الامم فان الدورة التى انقضت كانت ترابية فغاية علمهم
بالطبائع والالهيون فيهم غرباء قليلون جدا يكاد لا يظهر لهم عين ثم ان المتأله منهم ممتزج بالطبيعة ولا يبدو المتأله منا
صرفا خالصا لا سبيل لحكم الطبع عليه (مفتاح) ثم وجدنا فى الله وفى الرحمن ألفين ألف الذات وألف العلم ألف
الذات خفية وألف العلم ظاهرة لتجلى الصفة على العالم ثم أيضا خفيت فى الله ولم تظهر لرفع الالتباس فى الخط بين الله واللاه
ووجدنا فى بسم الذى هو آدم عليه السلام ألفا واحدة خفيت لظهور الباء ووجدنا فى الرحيم الذى هو محمد صلى الله عليه
وسلم ألفا واحدة ظاهرة وهى ألف العلم ونفس سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم الذات خفيت فى آدم عليه السلام الالف لانه
لم يكن مرسلا الى أحد فلم يحتج الى ظهور الصفة وظهرت فى سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم لكونه مرسلا فطلب التأييد
فاعطى الالف فظهر بها ثم وجدنا الباء من بسم قد عملت فى ميم الرحيم فكان عمل آدم فى محمد صلى الله عليهما وسلم
وجود التركيب وفى الله عمل سبب داع وفى الرحمن عمل بسبب مدعو ولما رأينا ان النهاية أشرف من البداية قلنا من
عرف نفسه عرف ربه والاسم سلم الى المسمى ولما علمنا ان روح الرحيم عمل فى روح بسم لكونه نبيا وآدم بين الماء
والطين ولولاهما ما كان سمى آدم علمنا ان بسم هو الرحيم اذ لا يعمل شئ الا من نفسه لا من غيره فانعدمت النهاية
والبداية والشرك والتوحيد وظهر عز الاتحاد وسلطانه فمحمد للجمع وآدم للتفريق (ايضاح) الدليل على ان
الالف فى قوله الرحيم ألف العلم قوله ولا خمسة الا هو سادسهم وفى ألف باسم مايكون من نجوى ثلاثة الا هو رابعهم
فالالف الالف ولا أدنى من ذلك باطن التوحيد ولا أكثر يد ظاهره ثم خفيت الالف فى آدم من باسم لانه أول
موجود ولم يكن له منازع يدعى مقامه فدل بذاته من أول وهلة على وجود موجده لما كان مفتتح وجودنا وذلك لما

نظر فى وجوده نعرض له أمران هل أوجده موجود لا ولله أو هل أوجده هو نفسه ومحال أن يوجده هو نفسه لانه لا يخلو أن يوجد نفسه وهو موجود أو يوجدها وهو معدوم فان كان موجودا فما الذى أوجد وان كان معدوما فكيف يصح منه إيجاد وهو عدم فلم يبق الا أن يوجده غيره وهو الالف ولذلك كانت السين ساكنة وهو العدم والميم متحركة وهو أوان الايجاب فلما دل عليه من أول وهلة خفيت الالف لقوة الدلالة وظهرت فى الرحيم لضعف الدلالة لجحد صلى الله عليه وسلم لوجود المنازع فأيده بالالف فصار الرحيم محمدا والالف منه الحق المؤيد له من اسمه الظاهر قال تعالى فأصبحوا ظاهرين فقال قولوا لا اله الا الله وانى رسوله فمن آمن بلفظه لم يخرج من رق الشرك وهو من أهل الجنة ومن آمن بمعناه انتظم فى سلك التوحيد فصحت له الجنة الثامنة وكان ممن آمن بنفسه فلم يكن فى ميزان غيره اذ قد وقعت السوية واتحدت الاصطفائية جمعا واختلفت رسالة ووجدنا بسم ذا نقطة والرحمن كذلك والرحيم ذا نقطتين والله مصمت فلم توجد فى الله لما كان الذات ووجدت فيما بقى لكونهم محل الصفات فاتحدت فى بسم آدم لكونه فردا غير مرسل واتحدت فى الرحمن لانه آدم وهو المستوى على عرش الكائنات المركبات وبقى الكلام على نقطتى الرحيم مع ظهور الالف فالياء الليالى العشر والنقطتان الشفع والالف الوتر والاسم بكليته والفجر ومعناه الباطن الجبروتى والليل اذا يسرى وهو الغيب الملكوتى وترتيب النقطتين الواحدة مما تلى الميم والثانية مما تلى الالف والميم وجود العالم الذى بعث اليهم والنقطة التى تليه أبو بكر رضى الله عنه والنقطة التى تلى الالف محمد صلى الله عليه وسلم وقد تقبيت الياء عليهما كالغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانه واقف مع صدقه ومحمد عليه السلام واقف مع الحق فى الحال الذى هو عليه فى ذلك الوقت فهو الحكيم كفعله يوم بدر فى الدعاء والالحاح وأبو بكر عن ذلك صاح فان الحكيم يوفى المواطن حقها ولما لم يصح اجتماع صادقين معا فلذلك لم يقم أبو بكر فى حال النبى صلى الله عليه وسلم وثبت مع صدقه به فلو فقد النبى صلى الله عليه وسلم فى ذلك الموطن وحضره أبو بكر لقام فى ذلك المقام الذى أقيم فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه ليس ثم أعلى منه يحجبه عن ذلك فهو صادق ذلك الوقت وحكيمه وما سواه تحت حكمه فلما نظرت نقطة أبى بكر الى الطالبين أسف عليه فاظهر الشدة وغلب الصدق وقال لا تحزن لا ثر ذلك الاسف ان الله معنا كما أخبرتنا وان جعل منازع أن محمدا هو القائل لم نبال لما كان مقامه صلى الله عليه وسلم الجمع والتفرقة معا وعلم من أبى بكر الاسف ونظر الى الالف فتأيد وعلم ان أمره مستمر الى يوم القيامة قال لا تحزن ان الله معنا وهذا أشرف مقام ينتهى اليه تقدم الله عليك ما رأيت شيأ الا رأيت الله قبله شهود بكرى ووراثة محمدية وخاطب الناس بمن عرف نفسه عرف ربه وهو قوله تعالى يخبر عن ربه تعالى كلا ان معى ربى سيهدين والمقالة عندنا انما كانت لابى بكر رضى الله عنه ويؤيدنا قول النبى صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذا خليلا لاتخذت أبا بكر خليلا فالنبى صلى الله عليه وسلم ليس بصاحب وبعضهم أصحاب بعض وهم له أنصار وأعوان فافهم اشارتنا تهتد الى سواء السبيل ﴿لطيفة﴾ النقطتان الرحيمية موضع القدمين وهو أحد خلع النعلين الامر والنهى والالف الليلة المباركة وهى غيب محمد صلى الله عليه وسلم ثم فرق فيه الى الامر والنهى وهو قوله فيها يفرق كل أمر حكيم وهو الكرسى والحاء العرش والميم ما حواه والالف حد المستوى والراء صريف القلم والنون الدواة التى فى اللام فكتب ما كان وما يكون فى قرطاس لوح الرحيم وهو اللوح المحفوظ المعبر عنه بكل شئ فى الكتاب العزيز من باب الاشارة والتنبيه قال تعالى وكتبنا له فى الالواح من كل شئ وهو اللوح المحفوظ موعظة وتفصيلا لكل شئ وهو اللوح المحفوظ الجامع ذلك عبارة عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله أوتيت جوامع الكلم موعظة وتفصيلا وهما نقطتا الامر والنهى لكل شئ غيب محمد الالف المشار اليه بالليلة المباركة فالالف للعلم وهو المستوى واللام للارادة وهو النون أعنى الدواة والراء للقدرة وهو القلم والحاء للعرش والياء للكرسى ورأس الميم للسماء وتعريقه للارض فهذه سبعة أنجم نجم منها يسبح فى فلك الجسم ونجم فى فلك النفس الناطقة ونجم فى فلك سر النفس وهو الصديقية ونجم فى فلك القلب ونجم فى فلك العقل ونجم فى فلك الروح فحل ما قفلنا وفيما قررنا مفتاح لما أضمرنا فاطلب تجد ان شاء الله فبسم الله الرحمن الرحيم وان تعدد فهو واحد اذا حقق من وجه ما ﴿وصل فى أسرار أم

القرآن

القرآن من طريق خاص﴾ وهي فاتحة الكتاب والسبع المثاني والقرآن العظيم والكافية والبسملة آية منها وهي تتضمن الرب والعبد ولنا في تقسيمها قريض منه

للنيرين طلوع بالفؤاد فما • في سورة الحمد يبدو ثالث لهما
فالبدر محو وشمس الذات مشرقة • لولا الشروق لقد ألفيته عدما
هذي النجوم بأفق الشرق طالعة • والبدر للمغرب العقلي قد لزما
فان تبدى فلا نجم ولا قمر • يلوح في الفلك العلوي مرتسما

فهي فاتحة الكتاب لان الكتاب عبارة من باب الاشارة عن المبدع الاول فالكتاب يتضمن الفاتحة وغيرها لانها منه وانما صح لها اسم الفاتحة من حيث انها أول ما افتتح بها كتاب الوجود وهي عبارة عن المثل المنزه في ليس كمثله شئ بان تكون الكاف عين الصفة فلما أوجد المثل الذي هو الفاتحة أوجد بعده الكتاب وجعله مفتاحا له فتأمل وهي أم القرآن لان الام محل الايجاد والموجود فيها هو القرآن والموجد الفاعل في الام فالام هي الجامعة الكلية وهي أم الكتاب الذي عنده في قوله تعالى وعنده أم الكتاب فانظر عيسى ومريم عليهما السلام وفاعل الايجاد يخرج لك عكس ما بدا لحسك فالام عيسى والابن الذي هو الكتاب العندي أو القرآن مريم عليها السلام فافهم وكذلك الروح ازدوج مع النفس بواسطة العقل فصارت النفس محل الايجاد حسا والروح ما أتاها الا من النفس فالنفس الاب فهذه النفس هو الكتاب المرقوم لنفوذ الخط فظهر في الابن ما خط القلم في الام وهو القرآن الخارج على عالم الشهادة والام أيضا عبارة عن وجود المثل محل الاسرار فهو الرق المنشور الذي أودع فيه الكتاب المسطور المودعة فيه تلك الاسرار الالهية فالكتاب هنا أعلى من الفاتحة اذ الفاتحة دليل الكتاب ومدلولها وشرف الدليل بحسب ما يدل عليه أرأيت لو كان مفتاحا لهذا الكتاب المعلوم ان لو فرض له ضد حقر الدليل لحقارة المدلول ولهذا أشار النبي صلى الله عليه وسلم ان لا يسافر بالمصحف الى أرض العدو لدلالة تلك الحروف على كلام الله تعالى اذ قد سماها الحق كلام الله والحروف الذي فيه أمثالها وأمثال الكلمات اذا لم يقصد بها الدلالة على كلام الله يسافر بها الى أرض العدو ويدخل بها مواضع النجاسات وأشباهها والكشف وهي السبع المثاني والقرآن العظيم الصفات ظهرت في الوجود في واحد وواحد لحضرة تفرد وحضرة تجمع فمن البسملة الى الدين افراد وكذلك من اهدنا الى الضالين وقوله اياك نعبد واياك نستعين تشمل قال الله تعالى قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين فنصفها لي ونصفها لعبدي ولعبدي ما سأل فلك السؤال ومنه العطاء كما ان له السؤال بالامر والنهي ولك الامتثال يقول العبد الحمد لله رب العالمين يقول الله حمدني عبدي يقول العبد الرحمن الرحيم يقول الله أثنى علي عبدي يقول العبد ملك يوم الدين يقول الله مجدني عبدي ومرة قال فوض الي عبدي هذا افراد الاهي وفي رواية يقول العبد بسم الله الرحمن الرحيم يقول الله ذكرني عبدي ثم قال يقول العبد اياك نعبد واياك نستعين يقول الله هذه بيني وبين عبدي ولعبدي ما سأل فياهي العطاء واياك في الموضعين ملحق بالافراد الالهي يقول العبد اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين فهؤلاء لعبدي هذا هو الافراد العبدي المألوه ولعبدي ما سأل سال مألوهما الها فلم تبق الا حضرتان فصح المثاني فظهرت في الحق وجودا وفي العبد الكلي ايجادا فوصف نفسه بها ولا موجود سواه في العماء ثم وصف بها عبده حين استخلفه ولذلك خروا له ساجدين لتمكن الصورة ووقع الفرق من موضع القدمين الى يوم القيامة والقرآن العظيم الجمع والوجود وهو افراده عنك وجمعك به وليس سوى قوله اياك نعبد واياك نستعين وحسب والله يقول الحق وهو يهدي السبيل (واقعة) أرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم عثمان رضي الله عنه الي آمرا بالكلام في المنام بعد ما وقعت شفاعتي على جماعتي ونجا الكل من أسر الهلاك وقرب المنبر الاسنى وصعدت عليه عن الاذن العالي المحمدي الاسمى بالاقتصار على لفظة الحمد لله خاصة ونزل التأييد ورسول الله صلى الله عليه وسلم عن يمين المنبر قاعد فقال العبد بعد ما أنشد وحمد وأثنى وبسمل حقيقة الحمد هي العبد المقدس المنزه لله اشارة الى الذات الازلية وهو مقام انفصال

وجود العبد من وجود الاله ثم غيبه عن وجوده بوجوده الازلى وأوصله به فقال لله فاللام الداخلة على قوله الله الخافضة له هى حقيقته المألوف فى باب التواضع والذلة وهى من حروف المعانى لا من حروف الهجاء ثم قدمها سبحانه على اسم نفسه تنبيها منه لها ان نزيها المعرفها بنفسها وتصديقا لتقديم النبى صلى الله عليه وسلم اياها فى قوله من عرف نفسه عرف ربه فقدم معرفة النفس على معرفة الرب ثم عمات فى الاسم الله لتحقيق الاتصال وتمكينها من المقام ولما كانت فى مقام الوصلة ربما توهم ان الحمد غير اللام نخفض العبد اتباعا لحركة اللام فقرئ الحمد لله بخفض الدال فكان لفظة الحمد بدلا من اللام بدل شئ من شئ وهما العين واحدة فالحمد هو وجود اللام واللام هى الحمد فاذا كانا شيأ واحدا كان الحمد فى مقام الوصلة مع الله لانه عين اللام فكان معنى كما كانت اللام لفظا ومعنى ثم حقيقة الخفض فيها اثبات العبودية ثم احيانا يفنيها عن نفسها فناء كليا برفعها الى المقام الاعلى فى الاولية ثم يبقى حقيقتها فى الآخرية فيقول الحمد لله برفع اللام اتباعا لحركة الدال وهذا مما يؤيد ان الحمد اللام وهو المعبر عنه بالرداء والثوب اذ كان هو محل الصفات وافتراق الجمع فغاية معرفة العباد أن تصل اليه ان وصلت والحق وراء ذلك كله أولا ومع ذلك كله فلما رفعها بالفناء عنها ابتداء أراد أن يعرفها مع فنائها انها ما برحت من مقامها فجعلها عاملة وجعل رفعها عارضا فى حق الحق فابقى الهاء مكسورة تدل على وجود اللام فى مقام خفض العبودة ولهذا شددت اللام الوسطى بلفظة لا أى ذات الحق ليست ذات العبد وانما هى حقيقة المثل لتجلى الصورة والهاء تعود على اللام لما هى معمولها فلو كانت الهاء كناية عن ذات الحق لم تعمل فيها اللام بل هو العامل فى كل شئ فاذا كانت اللام هى نفس الحمد والهاء معمول اللام فالهاء هى اللام وقد كانت اللام هى الحمد فالهاء الحمد بلا مزيد وقد قلنا ان اللام المشددة لنفى الجمع لتحقق موضع الفصل فخرج من مضمون هذا الكلام ان الحمد هو قوله لله وأن قوله لله هو قوله الحمد فغاية العبد أن حمد نفسه الذى يرى فى المرآة اذ لا طاقة للمحدث على حمل القديم فاحدث المثل على الصورة وصار الموحد مرآة فلما تجلت صورة المثل فى مرآة الذات قال لها حين أبصرت الذات فعطست فميزت نفسها احمدى من رأيت فحمدت نفسها فقالت الحمد لله فقال لها يرحمك ربك يا آدم لهذا خلقتك فسبقت رحمته غضبه ولهذا قال عقيب قوله الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم فقدم الرحمة ثم قال غير المغضوب عليهم فاخر غضبه فسبقت الرحمة الغضب فى أول افتتاح الوجود فسبقت الرحمة الى آدم قبل العقوبة على أكل الشجرة ثم رحم بعد ذلك فجاءت رحمتان بينهما غضب فتطلب الرحمتان أن تمتزجا لانهما مثلان فانضمت هذه الى هذه فانعدم الغضب بينهما كما قال بعضهم فى يسرين بينهما عسر

اذا ضاق عليك الامر ٭ ففكر فى ألم نشرح
فعسر بين يسرين ٭ اذا ذكرته فافرح

فالرحمة عبارة عن الموجود الاول المعبر عنه بالمطلوب والمغضوب عليهم النفس الامارة والضالون عالم التركيب مادامت هى مغضوبة عليها اذ البارى منزه عن أن ينزه اذ لا غير ولا موجود الا هو ولهذا أشار صلى الله عليه وسلم بقوله المؤمن مرآة أخيه لوجود الصورة على كمالها اذ هى محل المعرفة وهى الموصلة ولو أوجده على غير تلك الصورة لكان جمادا فالحمد لله الذى من على العارفين به الواقفين معه بمواد العناية أزلا وأبدا ﴿تنبيه﴾ اللام تفنى الرسم كما ان الباء تبقيه ولهذا قال أبو العباس بن العريف العلماء لى والعارفون بى فاثبت المقام الاعلى للام فانه قال فى كلامه والعارفون بالهمم ثم قال فى حق اللام والحق وراء ذلك كله ثم زاد تنبيها على ذلك ولم يقنع بهذا وحده فقال والهمم للوصول والهمة للعارفين البائنين وقال فى العلماء اللاميين وانما يتبين الحق عند اضمحلال الرسم وهذا هو مقام اللام فناء الرسم فالحمد لله أعلى من الحمد بالله فان الحمد بالله يبقيك والحمد لله يفنيك فاذا قال العالم الحمد لله أى لا حامد لله الا هو فاحرى أن لا يكون ثم محمود سواه وتقول العامة الحمد لله أى لا محمود الا الله وهى الحامدة فاشتركا فى صورة اللفظ فالعلماء أفنت الحامدين المخلوقين والمحمودين والعامة أفنت المحمودين من الخلق خاصة وأما العارفون فلا يمكن لهم أن يقولوا الحمد لله الا مثل العامة وانما قامهم الحمد بالله لبقاء نفوسهم عندهم فتحقق هذا الفصل فانه من لباب المعرفة ﴿وصل فى قوله

رب العالمين الرحمن الرحيم﴾ أثبت بقوله عندنا وفى قلوبنا رب العالمين حضرة الربوبية وهذا مقام العارف ورسوخ قدم النفس وهو موضع الصفة فان قولنا الله ذاتية المشهد عالية المحتد ثم أتبعه بقوله رب العالمين أى مربيهم ومغذيهم والعالمين عبارة عن كل ما سوى الله والتربية تنقسم قسمين تربية بواسطة و بغير واسطة فاما الكاملة فلا يتصور واسطة فى حقه ألبتة وأما من دونه فلا بد من الواسطة ثم تنقسم التربية قسمين التى بالواسطة خاصة قسم محمود وقسم مذموم ومن القديم تعالى الى النفس والنفس داخلة فى الحد ما ثم الا محدود خاصة وأما المذموم والمحمود فمن النفس الى عالم الحس فكانت النفس محلا قابلا لوجود التغيير والتطهير فنقول ان الله تعالى لما أوجد الكاملة برعنها بالروح الكلى ايجاد ابداع أوجدها فى مقام الجهل ومحل السلب أى أعماه عن رؤية نفسه فبقى لا يعرف من أين صدر ولا كيف صدر وكان الغذاء فيه الذى هو سبب حياته و بقائه وهو لا يعلم فحرك الله همته لطلب ما عنده وهو لا يدرى انه عنده فاخذ فى الرحلة بهمته فاشهده الحق تعالى ذاته فسكن وعرف ان الذى طلب لم يزل موصوفا قال ابراهيم بن مسعود الالبيرى

قد يرحل المرء لمطلوبه • والسبب المطلوب فى الراحل

وعلم ما أودع الله فيه من الاسرار والحكم وتحقق عنده حدوثه وعرف ذاته معرفة احاطية فكانت تلك المعرفة له غذاء معينا يتقوت به وتدوم حياته الى غير نهاية فقال له عند ذلك التجلى الاقدس ما اسمى عندك فقال أنت ربى فلم يعرفه الا فى حضرة الربوبية وتفرد القديم بالالوهية فانه لا يعرفه الا هو فقال له سبحانه أنت مربوبى وأنا ربك أعطيتك أسمائى وصفاتى فمن رآك رآنى ومن أطاعك أطاعنى ومن علمك علمنى ومن جهلك جهلنى فغاية من دونك أن يتوصلوا الى معرفة نفوسهم منك وغاية معرفتهم بك العلم بوجودك لا بكيفيتك كذلك أنت منى لا تتعدى معرفة نفسك ولا ترى غيرك ولا يحصل لك العلم بى الا من حيث الوجود ولو أحطت علما بى لكنت أنت أنا ولكنت محاطا لك وكانت أنيتى أنيتك وليست أنيتك أنيتى فامدك بالاسرار الالهية وأربيك بها فتجدها مجعولة فيك فتعرفها وقد حجبتك عن معرفة كيفية امدادى لك بها اذ لا طاقة لك بحمل مشاهدتها اذ لو عرفتها لاتحدت الانية واتحاد الانية محال فمشاهدتك لذلك محال هل ترجع أنية المركب أنية البسيط لا سبيل الى قلب الحقائق فاعلم ان من دونك فى حكم التبعية لك كما أنت فى حكم التبعية لى فانت نورى وأنت ردائى وأنت غطائى فقال له الروح ربى سمعتك تذكر ان لى ملكا فاين هو فاستخرج له النفس منه وهى المفعول عن الانبعاث فقال هذا بعضى وأنا كله كما أنا منك ولست منى قال صدقت ياروحى قال بك نطقت يا ربى انك ربينى وحجبت عنى سر الامداد والتربية وانفردت أنت به فاجعل امدادى محجوبا عن هذا الملك حتى يجهلنى كما جهلتك فخلق فى النفس صفة القبول والافتقار ووزر العقل الى الروح المقدس ثم أطلع الروح على النفس فقال لها من أنا قالت ربى بك حياتى و بك بقائى فتاه الروح بملكه وقام فيه مقام ربه فيه وتخيل ان ذلك هو نفس الامداد فأراد الحق أن يعرفه ان الامر على خلاف ما تخيل وانه لو أعطاه سر الامداد كما سأل لما انفردت الالوهية عنه بشئ ولاتحدت الانية فلما أراد ذلك خلق الهوى فى مقابلته وخلق الشهوة فى مقابلة العقل ووزرها الهوى وجعل فى النفس صورة القبول لجميع الواردات عموما فصارت النفس بين ربين قويين لهما وزيران عظيمان وما زال هذا يناديها وهذا يناديها والكل من عند الله قال تعالى قل كل من عند الله وكلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك ولهذا كانت النفس محل التغيير والتطهير قال تعالى فالهمها فجورها وتقواها فى أثر قوله ونفس وما سواها فان أجابت منادى الهوى كان التغيير وان أجابت منادى الروح كان التطهير شرعا وتوحيدا فلما رأى الروح ينادى ولا يسمع مجيبا فقال ما منع ملكى من أجابتى قال له الوزير فى مقابلتك ملك مطاع عظيم السلطان يسمى الهوى عطيته معجلة له الدنيا بحذافيرها فبسط لها حضرته ودعاها فاجابته فرجع الروح بالشكوى الى الله تعالى فثبتت عبوديته وذلك كان المراد وتنزلت الارباب والمربوبون كل واحد على حسب مقامه وقدره فعالم الشهادة المنفصل ربهم عالم الخطاب وعالم الشهادة المتصل ربهم عالم الجبروت وعالم الجبروت ربهم عالم الملكوت وعالم الملكوت ربهم الكلمة والكلمة ربها

رب الكل الواحد الصمد وقد أشبعنا القول فى هذا الفصل فى كتابنا المسمى بالتدبيرات الالهية فى اصلاح المملكة الانسانية فاضربنا عن تتميم هذا الفصل هنا مخافة التطويل وكذلك ذكرناه أيضا فى تفسير القرآن فسبحان من تفرد بتربية عباده وحجب من حجب منهم بالوسائط وخرج من هذا الفصل لمن عرف روحه ومعناه ان الرب هو الله سبحانه وان العالمين هو المثل الكلى ولذلك أوجده فى العالمين على ثمانية أحرف عرشا واستوى عليه باللطف والتربية والحنان والرحمة الرحمانية المؤكدة بالرحيمية لتميز الدار الحيوان لقوله تعالى الرحمن الرحيم فعم بالرحمان وخص بالرحيم فالرحمان فى عالمه بالوسائط وغيرها والرحيم فى كمائنه بلا واسطة لوجود الاختصاص وشرف العناية فافهم والاسلم تسلم

﴿وصل فى قوله تعالى ملك يوم الدين﴾ يريد يوم الجزاء وحضرة الملك من مقام التفرقة وهى جمع فانه لا تقع التفرقة الا فى الجمع قال فيها يفرق كل أمر حكيم فهى مقام الجمع وقد ثبات سلطان التفرقة فهى مقام التفرقة فافترق الجمع الى أمر ونهى خطابا وسخط ورضى ارادة وطاعة وعصيان فعل مأمور وعد ووعيد فعل اله والملك فى هذا اليوم من حقت له الشفاعة واختص بها ولم يقل نفسى وقال أمتى والملك فى وجودنا المطلوب القيامة المعجلة التى تظهر فى طريق التصوف هو الروح القدسى ويوم القيامة وقت ايجاده الجزاء أو طولب به ان كانت عقوبة لا بد من ذلك فان كانت الطاعة فجنات من نخيل وأعناب وان كانت المعصية الكفرانية فجهنم من أغلال وعذاب ومن مقام الدعوى فى الموزنين فنفرض الكلام فى هذه الآية على حد الملك وما ينبغى له وهل ترتقى النفس من يوم الدين الى الفناء عنه فاقول ان الملك من صح له الملك بطريق الملك وسجد له الملك وهو الروح فلما نازعه الهوى واستعان بالنفس عليه عزم الروح على قتل الهوى واستعد فلما برز الروح بجنود التوحيد والملأ الاعلى وبرز الهوى كذلك بجنود الامانى والغرور والملأ الاسفل قال الروح للهوى منى اليك فان ظفرت بك فالقوم لى وان ظفرت أنت وهزمتنى فالملك لك ولا يهلك القوم بيننا برز الروح والهوى فقتله الروح بسيف العدم وظفر بالنفس بعد اباية منها وجهد كبير فاسلمت تحت سيفه فسلمت وأسلمت وتطهرت وتقدست وآمنت الحواس لايمانها ودخلوا فى رق الانقياد واذعنوا وسلبت عنهم أردية الدعاوى الفاسدة واتحدت كلمتهم وصار الروح والنفس كالشئ الواحد وصح له اسم الملك حقيقة فقال له ملك يوم الدين فرده الى مقامه ونقله من افتراق الشرع الى جمع التوحيد والملك على الحقيقة هو الحق تعالى المالك للكل ومصرفه وهو الشفيع لنفسه عامة وخاصة خاصة فى الدنيا وعامة فى الآخرة من وجه ما ولذلك قدم على قوله ملك يوم الدين الرحمن الرحيم لتأنس أفئدة المحجوبين عن رؤية رب العالمين ألا تراه يقول يوم الدين شفعت الملائكة والنبيون وشفع المؤمنون وبقى أرحم الراحمين ولم يقل وبقى الجبار ولا القهار ليقع التأنيس قبل ايجاد الفعل فى قلوبهم فمن عرف المعنى فى هذا الوجود صح له الاختصاص فى مقام أرحم ومن جهلها فى هذا الوجود دخل فى العامة فى الحشر الاكبر فتجلى فى مقام الراحمين فعاد الفرق جمعا والفتق رتقا والشفع وترا بشفاعة أرحم الراحمين من جهنم ظاهر السور الى جنة باطنه فاذا وقع الجدار وانهدم السور وامتزجت الانهار والتقت البحران وعدم البرزخ صار العذاب نعيما وجهنم جنة فلا عذاب ولا عقاب الا نعيم وأمان بمشاهدة العيان وترنم أطيار بألحان على المقاصير والافنان والثم الحور والولدان وعدم مالك وبقى رضوان وصارت جهنم تتنعم فى حظائر الجنان واتضح سر ابليس فيهم فاذا هو ومن سجد له سيان فانهما ما تصرفا الا عن قضاء سابق وقدر لاحق لا محيص لهما عنه فلا بد لهما منه وحاج آدم موسى (وصل) فى قوله جل ثناؤه وتقدس اياك نعبد واياك نستعين لما ثبت وجوده بالحمد لله وغذاؤه برب العالمين واصطفاؤه بالرحمن الرحيم وتمجيده بملك يوم الدين أراد تأكيد تكرار الشكر والثناء رغبة فى المزيد فقال اياك نعبد واياك نستعين وهذا مقام الشكر أى لك نقر بالعبودية ونؤوى وحدك لا شريك لك واليك نؤوى فى الاستعانة لا الى غيرك على من أنزلتهم منى منزلتى منك فانا أمدهم بك لا بنفسى فانت المدد لا أنا وأنت لهم بهذه الآية نفى الشريك فالياء من اياك العبد الكلى قد انحصرت ما بين ألفين ألفى توحيد حتى لا يكون لها موضع دعوى برؤية غير فاحاط بها التوحيد والكاف ضمير الحق فالكاف والالفان شئ واحد فهو مدلول الذات ثم كان ... والامد فعل الحق

فلم يبق فى الوجود الا الحضرة الالهية خاصة غيرانه فى قوله اياك نعبد فى حق نفسه للابداع الاول حيث لا يتصور غيره واياك نستعين فى حق غيره للخلق المشتق منه وهو محل سر الخلافة ففى اياك نستعين سجدت الملائكة وأبى من استكبر (وصل) فى قوله تعالى اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين آمين فلما قال له اياك نعبد واياك نستعين قال له وما عبادتى قال ثبوت التوحيد فى الجمع والتفرقة فلما استقر عند النفس ان النجاة فى التوحيد الذى هو الصراط المستقيم وهو شهود الذات بفنائها أو بقائها ان غفلت قالت اهدنا الصراط المستقيم فتعرض لها بقولها المستقيم صراطان معوج وهو صراط الدعوى ومستقيم وهو التوحيد فلم يكن لها تميز بين الصراطين الا بحسب السالكين عليهما فرأت ربها سالكا المستقيم فعرفته به ونظرت نفسها فوجدت بينها وبين ربها الذى هو الروح مقاربة فى اللطافة ونظرت الى المعوج عند عالم التركيب فذلك قولها صراط الذين أنعمت عليهم وهذا عالمها المتصل بها المركب مغضوب عليه والمنفصل عنها ضالون عنها بنظرهم الى المتصل المغضوب عليه فوقفت على رأس الصراطين ورأت غاية المعوج الهلاك وغاية المستقيم النجاة وعلمت ان عالمها يدعوها حيث سلكت فلما أرادت السلوك على المستقيم وان تعتكف فى حضرة ربها وان ذلك لها ومن نفسها بقولها اياك نعبد عجزت وقصر بها فطلبت الاستعانة بقولها واياك نستعين فنبهها ربها على اهدنا فتيقظت فقالت اهدنا فوصفت مارأت بقولها الصراط المستقيم الذى هو معرفة ذاتك قال صاحب المواقف لا تأثير للعلم وقال أنت لما هلكت فيه صراط الذين أنعمت عليهم وقرئ فى الشاذ صراط من أنعم عليه اشارة الى الروح القدسى وتفسير الكل من أنعم الله عليه من رسول ونبى غير المغضوب عليهم ليس كذلك ولا الضالين يقول تعالى فهؤلاء لعبدى ولعبدى ما سأل فأجابها وأقام معوجها وأوضح صراطها ورفع بساطها يقول ربها اثر تمام دعائها آمين فحصلت الاجابة بالأمن تأمين الملائكة وصار تأمين الروح تابعا له اتباع الاجناد بل أطوع لكون الارادة متحدة وصح لها النطق فسماها النفس الناطقة وهى عرش الروح والعقل صورة الاستواء فافهم والافسلم تسلم والله يقول الحق وهو يهدى السبيل ﴿فصول تأنيس وقواعد تأسيس﴾ نظر الجمال بعين الوصال قال تعالى ان الذين كفروا سواء عليهم أأنذرتهم أم لم تنذرهم لا يؤمنون ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى أبصارهم غشاوة ولهم عذاب عظيم ايجاز البيان فيه يا محمد ان الذين كفروا ستروا محبتهم فى عنهم فسواء عليهم أأنذرتهم بوعيدك الذى أرسلتك به أم لم تنذرهم لا يؤمنون بكلامك فانهم لا يعقلون غيرى وأنت تنذرهم بخلقى وهم ما عقلوه ولا شاهدوه وكيف يؤمنون بك وقد ختمت على قلوبهم فلم أجعل فيها متسعا لغيرى وعلى سمعهم فلا يسمعون كلاما فى العالم الا منى وعلى أبصارهم غشاوة من بهائى عند مشاهدتى فلا يبصرون سواى ولهم عذاب عظيم عندى أردهم بعد هذا المشهد السنى الى انذارك وأحجبهم عنى كما فعلت بك بعد قاب قوسين أو أدنى قربا أنزلتك الى من يكذبك ويرد ما جئت به اليه منى فى وجهك وتسمع فى ما يضيق له صدرك فأين ذلك الشرح الذى شاهدته فى اسرائك فهكذا امنائى على خلقى الذين أخفيتهم رضاى عنهم فلا أسخط عليهم أبدا (بسط ما أوجزناه فى هذا الباب) انظر كيف أخفى سبحانه أولياءه فى صفة أعدائه وذلك لما أبدع الامناء من اسمه اللطيف وتجلى لهم فى اسمه الجميل فأحبوه تعالى والغيرة من صفات المحبة فى المحبوب والمحب بوجهين مختلفين فستر واحبته غيرة منهم عليه كالشبلى وأمثاله وسترهم بهذه الغيرة عن أن يعرفوا فقال تعالى ان الذين كفروا أى ستروا ما بدا لهم فى مشاهدتهم من أسرار الوصلة فقال لا بد ان أحجبكم عن ذاتى بصفاتى فتأهبوا لذلك فاستعدوا فأنذرتهم على ألسنة أنبيائى الرسل فى ذلك العالم فما عرفوا الا انهم فى عين الجمع وخاطبهم من عين التفرقة وهم ما عرفوا عالم التفصيل فلم يستعدوا وكان الحب قد استولى على قلوبهم سلطانه غيرة من الحق عليهم فى ذلك الوقت فأخبر نبيه صلى الله عليه وسلم وحيا وقرآنا بالسبب الذى أصمهم عن اجابة ما دعاهم اليه فقال ختم الله على قلوبهم فلم يسعها غيره وعلى سمعهم فلا يسمعون سوى كلامه على ألسنة العالم فيشهدونه فى العالم متكلما بلغاتهم وعلى أبصارهم غشاوة من سناه اذ هو النور وبهائه اذ له الجلال والهيبة يريد بصفة التى تجلى لهم فيها المتقدمة فأبقاهم غرقى فى بحور الذات بمشاهدة الذات فقال لهم لا بد لكم من

عذاب عظيم فافهموا ما العذاب لاتحاد الصفة عندهم فاوجد لهم عالم الكون والفساد وحينئذ علمهم جميع الاسماء وأنزلهم على العرش الرحماني وفيه عذابهم وقد كانوا مخبوئين عنده في خزائن غيوبه فلما أبصرتهم الملائكة خرّت سجودا لهم فعلموهم الاسماء فاما أبو يزيد فلم يستطع الاستواء ولا أطاق العذاب فصعق من حينه فقال تعالى ردوا على حبيبي فانه لاصبر له عني فحجب بالشوق والمخاطبة وبقي الكفار فنزلوا من العرش الى الكرسي فمدت لهم القدمان فنزلوا عليهما في الثلث الباقي من ليلة هذه النشأة الجسمية الى سماء الدنيا النفسي فخاطبوا أهل النقل الذين لايقدرون على العروج هل من داع فيستجاب له هل من تائب فيتاب عليه هل من مستغفر فيغفر له حتى ينصدع الفجر فاذا انصدع ظهر الروح العقلي النوري فرجعوا من حيث جاؤا قال صلى الله عليه وسلم من كان مواصلا فليواصل حتى السحر فذلك أوان بعثر ما في القبور فكل عبد لم يحذر مكر الله فهو مخدوع فافهم

﴿فصل﴾ ومن الناس من يقول آمنا بالله وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين يخادعون الله والذين آمنوا وما يخادعون الا أنفسهم وما يشعرون في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا ولهم عذاب أليم بما كانوا يكذبون أبدع الله المبدعات وتجلى بلسان الاحدية في الربوبية فقال ألست بربكم والمخاطب في غاية الصفاء فقال بلى فكان كمثل الصدى فانهم اجابوه به فان الوجود المحدث خيال منصوب وهذا الاشهاد كان اشهاد رحمة لانه ما قال لهم وحدي ابقاء عليهم لما علم من أنهم يشركون به بما فيهم من الحظ الطبيعي وبما فيهم من قبول الاقتدار الالهي وما يعلمه الا قليل فلما برزت صور العالم من العلم الازلي الى العين الابدي من وراء ستارة الغيرة والعزة بعد ما أسرج السرج وأنار بيت الوجود وبقي هو في ظلمة الغيوب فشوهدت الصور متحركة ناطقة بلغات مختلفات والصور تنبعث من الظلمة فاذا انقضى زمانها عادت الى الظلمة وهكذا حتى السحر فأراد الفطن أن يقف على حقيقة ما شاهده ببصره فان للحس أغاليط فقرب من الستارة فرأى نطقها اغيبا فيها فعلم ان ثم سرا عجيبا فوقف عليه من نفسه فعرفه وعرف الرسول وما جاء به من وظائف التكاليف فاول وظيفة كلمة التوحيد فاقر الكل بها فما جحد أحد الصانع واختلفت عباراتهم عليه فابتلاهم بان خاطبهم بلسان الشرك شهادة الرسول فوقع الانكار باختصاص الجنس فتفرق أهل الانكار على طريقين فمنهم من نظر في الظواهر فلم ير تفضيلا في شيء ظاهر فانكر ومنهم من نظر باطنا عقلا فرأى الاشتراك في المعقولات ونفى الاختصاص فانكر فارسله بالسيف فقذف في قلوبهم الرعب من الموت وداخلهم الشك على قدر نظرهم فمنهم من استمر على نفي كلمة الاشراك قطعا فذلك كافر ومنهم من استمر عليها مشاهدة فذلك عالم بالله ومنهم من استمر على نفيها نظرا فذلك عارف بالله ومنهم من استمر على نفيها اعتقادا تقليد العامة ومنهم من خاف القتل فلفظ ولم يعتقد فنادى عليه لسان الحق فقال ومن الناس من يقول آمنا بالله وباليوم الآخر ظاهرا وما هم بمؤمنين باطنا يخادعون الله بلزوم الدعوى وبجهلهم القائم بهم بان الله لا يعلم واني أردأ عما لهم عليهم وما يشعرون اليوم بذلك في قلوبهم مرض شك مما جاءهم به رسولي فزادهم الله مرضا شكا وحجابا ولهم عذاب أليم يوم القيامة وهم فيه بما كانوا يكذبون مما حققنا لديهم ولم تسبق لهم عناية في اللوح القاضي ﴿وصل﴾ واذا قيل لهم لاتفسدوا في الارض قالوا انما نحن مصلحون ألا انهم هم المفسدون ولكن لايشعرون لما أكل الوجود ثمانية برز في ميدان التنعم فارس الدعوى فلم يكن في جيش ومن الناس من يقول آمنا من يبرز اليه فلك الكل وصبوا اليه والى دينه باطنا فعوقبوا بطلب الاقرار والاقتلوا فاقروا لفظا فحصل لهم العذاب الاليم دنيا وآخرة فاذا قيل لهم لاتفسدوا في الارض ارض الاشباح قالوا من خيالهم انما نحن مصلحون فقال الله تعالى ألا انهم هم المفسدون عندنا وعندهم اذ لم يتمتعوا بها على ما يريدون ولكن لايشعرون باتحاد الاشياء ولو شعروا ما آمنوا ولا كفروا ﴿وصل﴾ واذا قيل لهم آمنوا كما آمن الناس قالوا أنؤمن كما آمن السفهاء ألا انهم هم السفهاء ولكن لايعلمون وذلك انهم لما انتظموا في سلك الاغيار أتاهم النداء أن يقفوا على منازل الشهداء فسمعوا الخطاب في الابنية آمنوا كما آمن الناس فحجبوا عن أخذ العهد بعهد الحس والداعي الحسي وأصمهم ذلك وأعمى أبصارهم وأغطش ليل جهالتهم فقالوا أنؤمن كما آمن السفهاء لما دل

بهم عن طريق التقديس ووقفوا مع الهوى قال الله لنا ألا انهم هم السفهاء الاحلام لما ملكتهم الاهواء وحجبوا عن الالتذاذ بسماع وقع الرذاذ على الافلاذ بالطور ولكن لا يعلمون ليتميز العالى عن هو دونه والافاية فائدة لقوله لشئ اذا أراده أن يقول له كن فيكون ذلك الشئ الايجاد الاشياء على أحسن قانون فسبحان من انفرد بالايجاد والاختراع والاتقان والابداع ﴿وصل فى دعوى المدعين﴾ واذا لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم انما نحن مستهزؤن الايمان فى هذا المقام على خمسة أقسام ايمان تقليد وايمان علم وايمان عين وايمان حق وايمان حقيقة فالتقليد للعوام والعلم لاصحاب الدليل والعين لاهل المشاهدة والحق للعارفين والحقيقة للواقفين وحقيقة الحقيقة وهو السادس للعلماء المرسلين أصلا وورائه منع كشفها فلا سبيل الى ايضاحها فكانت صفات الدعاوى اذا لقوا هؤلاء الخمسة قالوا آمنا فالقلب للعوام وسر القلب لاصحاب الدليل والروح لاهل المشاهدة وسر الروح للعارفين وسر السر للواقفين والسر الاعظم لاهل الغيرة والحجاب والمنافقون تعروا عن الايمان وانتظموا فى الاسلام وايمانهم ما جاوز خزانة خيالهم فاتخذوا أصناما فى ذواتهم أقاموها مقام آلهتهم فاذا خلوا الى شياطينهم قالوا باستيلاء الغفلة عليهم وخلو المحل عن مراتب الايمان انا معكم انما نحن مستهزؤن فوقع عليهم العذاب من قولهم له الى شياطينهم فى حال الخلوة فلما قامت الاضداد عندهم وعاملوا الحق والباطل عاملوا الحق بستر الباطل وعاملوا الباطل بافشاء الحق فصح لهم النفاق ولو خاطبوا ذاتهم فى ذاتهم ما صح عليهم هذا ولكانوا من أهل الحقائق فأوقع الله الجواب على الاستهزاء فقال الله يستهزئ بهم وهو استهزاؤهم عجبا كيف قالوا انا معكم وهم عدم لو عاينوا ايمان الحقيقة لعاينوا الخالق فى الخليقة ولا خلوا ولا نطقوا ولا صمتوا بل كانوا يقومون مقام من شاهد وهو روح جامع صاحب المادة فلينظر الانسان حقيقة اللقاء فانه مؤذن بافتراق متقدم ثم اجتمعوا بصفة لم يعرفوها بل ظهر لهم منها ظاهر حسن فتأدبوا معها ولم يطيقوا أكثر من ذلك فقالوا آمنا ثم نكسوا على رؤسهم فى الخلوة مع الشيطنة وهى البعد مثل اللقاء فقالوا انا نحن مستهزؤن بالصفة التى لقيناها فتدبر هذه الآية من حقيقة الحقيقة عند طلوع الفجر وزوال الشك بزوال الستارة ورفع الموانع يلح لك السر فى سبحان والنساء والشمس فتجد الذين لقوا كمثل الذين لقوا فصمت وان تكلمت هلكت وهذه حقيقة الحقيقة التى منع كشفها الالمن ثم نهار اتحة ذوقا فلا بأس فانظر وتدبر ترشد ان شاء الله تم الجزء العاشر

(بسم الله الرحمن الرحيم)

(الباب السادس) فى معرفة بدء الخلق الروحانى ومن هو أول موجود فيه وم وجد وفيم وجد وعلى أى مثال وجد ولم وجد وما غايته ومعرفة افلاك العالم الاكبر والاصغر

انظر الى هذا الوجود المحكم • ووجودنا مثل الرداء المعلم
وانظر الى خلفائه فى ملكهم • من مفصح طلق اللسان وأعجم
ما منهمو أحد يحب المسه • الا ويزجيه بحب الدرهم
فيقال هذا عبد معرفة وذا • عبد الجنان وذا عبيد جهنم
الا القليل من القليل فانهم • مكرى به من غير حس توهم
فهمو عبيد الله لا يدرى بهم • أحد سواه لا عبيد المنعم
فأفادهم لما أراد رجوعهم • لقصورهم من كل علم مبهم
علم المقدم فى البسائط وحده • وأساسه ذو عنده لم يتصرم
وحقيقة الظرف الذى سترته عن • امثاله ومثاله لم يكتم •
والعلم بالسبب الذى وجدت له • عين العوالم فى الطراز الاقدم
ونهاية الامر الذى لا غاية • تدرى له فيه العظيم الاعظم

وعلوم افلاك الوجود كبيره • وصغيره الاعلى الذى لم يذمم

هذى علوم من تحقق كشفها • يهدى القلوب الى السبيل الاقوم

فالحمد لله الذى أنا جامع • لعلومها واعلم مالم يعلم +

ايجاز البيان بضرب من الاجمال بدء الخلق الهباء وأول موجود فيه الحقيقة المحمدية الرحمانية ولا أين يحصرها لعدم التحيز وم وجد وجد من الحقيقة المعلومة التي لا تتصف بالوجود ولا بالعدم وفيم وجد فى الهباء وعلى أى مثال وجد الصورة المعلومة فى نفس الحق ولم وجد لاظهار الحقائق الالهية وماغايته التخليص من المزجة فيعرف كل عالم حظه من منشئه من غير امتزاج فغايته اظهار حقائقه ومعرفة افلاك الا كبر من العالم وهو ماعدا الانسان فى اصطلاح الجماعة والعالم الاصغر يعنى الانسان روح العالم وعلته وسببه وافلاكه ومقاماته وحركاته وتفصيل طبقاته فهذا جميع ما تضمنه هذا الباب فكما ان الانسان عالم صغير من طريق الجسم كذلك هو أيضا حقير من طريق الحدوث وصح له التأله لانه خليفة الله فى العالم والعالم مسخر له مألوه كما ان الانسان مألوه لله تعالى واعلم ان أكمل نشأة الانسان انما هى فى الدنيا وأما الآخرة فكل انسان من الفريقين على النصف فى الحال لا فى العلم فان كل فرقة عالمة بنقيض حالها فليس الانسان الا المؤمن والكافر معا سعادة وشقاء نعيم وعذاب منعم ومعذب ولهذا معرفة الدنيا أتم وتجلى الآخرة أعلى فافهم وحل هذا القفل ولنا من ان تفطن وهو لفظه بشيع شنيع ومعناه بديع

روح الوجود الكبير • هذا الوجود الصغير

• لولاه ماقال انى • أنا الكبير القدير

لا يحجبنك حدوثى • ولا الفنا والنشور

• فاننى ان تأملتنى المحيط الكبير

فللقديم بذاتى • وللجديد ظهور

والله فرد قديم • لا يعتريه قصور

والكون خلق جديد • فى قبضتيه أسير

فجاء من هذا أنى • أنا الوجود الحقير

وان كل وجود • على وجودى يدور

فلا كليلى ليل • ولا كنورى نور

فمن يقل فى عبد • أنا العبيد الفقير

أوقال انى وجود • أنا الوجود الخبير

فصحنى ملكا تجدنى • أو سوقة مالجور

فياجهولا بقدرى • أنت العليم البصير

بلغ وجودى عنى • والقول صدق وزور

وقل لقومك انى • أنا الرحيم الغفور

وقل بأن عذابى • هو العذاب المبير

وقل بأنى ضعيف • لا أستطيع أسير

فكيف ينعم شخص • على يدى أو يبور

بسط الباب و بيانه ومن الله التأييد والعون اعلموا ان المعلومات أربعة الحق تعالى وهو الموصوف بالوجود المطلق لانه سبحانه ليس معلولا لشئ ولا علة بل هو موجود بذاته والعلم به عبارة عن العلم بوجوده ووجوده ليس غير ذاته مع انه غير معلوم الذات لكن يعلم ماينسب اليه من الصفات أعنى صفات المعانى وهى صفات الكمال وأما العلم بحقيقة الذات

فممنوع

فممنوع لا تعلم بدليل ولا ببرهان عقلي ولا يأخذها حد فانه سبحانه لا يشبه شيأ ولا يشبهه شيء فكيف يعرف من يشـ
الاشياء من لا يشبهه شيء ولا يشبه شيأ فغاية معرفتك به انما هي انه ليس كمثله شيء ويحذركم الله نفسه وقد ورد المنع من الشر
في التفكر في ذات الله (ومعلوم ثان) وهو الحقيقة الكلية التي هي للحق وللعالم لا تتصف بالوجود ولا بالعدم ولا بالحدو
ولا بالقدم هي في القديم اذا وصف بها قديمة وفي المحدث اذا وصف بها محدثة لا تعلم المعلومات قديمها وحديثها حتى تعلم هـ
الحقيقة ولا توجد هذه الحقيقة حتى توجد الاشياء الموصوفة بها فان وجد شيء عن غير عدم متقدم كوجود الحق وصفا
قيل فيها موجود قديم لاتصاف الحق بها وان وجد شيء عن عدم كوجود ما سوى الله وهو المحدث الموجود بغيره قيل فيـ
محدثة وهي في كل موجود بحقيقتها فانها لا تقبل التجزي فما فيها كل ولا بعض ولا يتوصل الى معرفتها مجردة عن الصور
بدليل ولا ببرهان فمن هذه الحقيقة وجد العالم بوساطة الحق تعالى وليست بموجودة فيكون الحق قد أوجدنا من موجو
قديم فيثبت لنا القدم وكذلك لتعلم أيضا ان هذه الحقيقة لا تتصف بالتقدم على العالم ولا العالم بالتأخر عنها ولكنها أصل
الموجودات عموما وهي أصل الجوهر وفلك الحياة والحق المخلوق به وغير ذلك وهي الفلك المحيط المعقول فان قلت انها
العالم صدقت أو انها ليست العالم صدقت أو انها الحق أو ليست الحق صدقت تقبل هذا كله وتتعدد بتعدد أشخاص العالم
وتتنزه بتنزيه الحق وان أردت مثالها حتى يقرب الى فهمك فانظر في العودية في الخشبة والكرسي والمحبرة والمنبر
والتابوت وكذلك التربيع وأمثاله في الاشكال في كل مربع مثلا من بيت وتابوت وورقة والتربيع والعودية بحقيقتها
في كل شخص من هذه الاشخاص وكذلك الالوان بياض الثوب والجوهر والكاغد والدقيق والدهان من غير ان
تتصف البياضية المعقولة في الثوب بأنها جزء منها فيه بل حقيقتها ظهرت في الثوب ظهورها في الكاغد وكذلك العلم
والقدرة والارادة والسمع والبصر وجميع الاشياء كلها فقد بينت لك هذا المعلوم وقد بسطنا القول فيه كثيرا في كتابنا
الموسوم بانشاء الجداول والدوائر (ومعلوم ثالث) وهو العالم كله الاملاك والافلاك وما تحويه من العوالم والهواء
والارض وما فيهما من العالم وهو الملك الاكبر (ومعلوم رابع) وهو الانسان الخليفة الذي جعله الله في هذا العالم
المقهور تحت تسخيره قال تعالى وسخر لكم ما في السموات وما في الارض جميعا منه فمن علم هذه المعلومات فما بقي له
معلوم أصلا يطلبه فمنها ما لا تعلم الا وجوده وهو الحق تعالى وتعلم أفعاله وصفاته بضرب من الامثلة ومنها ما لا يعلم الا بالمثال
كالعلم بالحقيقة الكلية ومنها ما يعلم بهذين الوجهين وبالماهية والكيفية وهو العالم والانسان ﴿وصل﴾ كان الله ولا
شيء معه ثم أدرج فيه وهو الآن على ما عليه كان لم يرجع اليه من ايجاده العالم صفة لم يكن عليها بل كان موصوفا لنفسه
ومسمى قبل خلقه بالاسماء التي يدعونه بها خلقه فلما أراد وجود العالم وبدأه على حد ما علمه بعلمه بنفسه انفعل عن تلك
الارادة المقدسة بضرب تجل من تجليات التنزيه الى الحقيقة الكلية انفعل عنها حقيقة تسمى الهباء هي بمنزلة طرح البناء
الجص ليفتح فيها ما شاء من الاشكال والصور وهذا هو أول موجود في العالم وقد ذكره علي بن أبي طالب رضي الله عنه
وسهل بن عبد الله رحمه الله وغيرهما من أهل التحقيق أهل الكشف والوجود ثم انه سبحانه تجلى بنوره الى ذلك
الهباء ويسمونه أصحاب الافكار الهيولى الكل والعالم كله فيه بالقوة والصلاحية فقبل منه تعالى كل شيء في ذلك الهباء
على حسب قوته واستعداده كما تقبل زوايا البيت نور السراج وعلى قدر قربه من ذلك النور يشتد ضوءه وقبوله قال
تعالى مثل نوره كمشكاة فيها مصباح فشبه نوره بالمصباح فلم يكن أقرب اليه قبولا في ذلك الهباء الا حقيقة محمد صلى الله
عليه وسلم المسماة بالعقل فكان سيد العالم بأسره وأول ظاهر في الوجود فكان وجوده من ذلك النور الالهي ومن الهباء
ومن الحقيقة الكلية وفي الهباء وجد عينه وعين العالم من تجليه وأقرب الناس اليه علي بن أبي طالب وأسرار الانبياء
أجمعين وأما المثال الذي عليه وجد العالم كله من غير تفصيل فهو العلم القائم بنفس الحق تعالى فانه سبحانه علمنا بعلمه
بنفسه وأوجدنا على حد ما علمنا ونحن على هذا الشكل المعين في علمه ولو لم يكن الامر كذلك لاخذنا هذا الشكل
بالاتفاق لا عن قصد لانه لا يعلمه وما يمكن أن تخرج صورة في الوجود بحكم الاتفاق فلولا ان هذا الشكل المعين معلوم
لله سبحانه ومراد له ما أوجدنا عليه ولم أخذ هذا الشكل من غيره اذ قد ثبت انه كان ولا شيء معه فلم يبق الا أن يكون

ما برز عليه في نفسه من الصور فعلمه به في نفسه علمه بنا أزلا لا عن عدم فعلمه بنا كذلك فنالذي هو عين علمه بنا
قديم بقدم الحق لانه صفته ولا تقوم بنفسه الحوادث جل الله عن ذلك وأما قولنا لم وجد وما غايته فقول الله عز وجل
وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون فصرح بالسبب الذي لاجله أوجدنا وهكذا العالم كله وخصصنا الجن بالذكر
والجن هنا كل مستتر من ملك وغيره وقد قال تعالى في حق السموات والارض ائتيا طوعا أو كرها قالتا أتينا طائعين
وكذلك قال فأبين أن يحملنها وذلك لما كان عرضا ولو كان أمر الأطاعوا وحملوها فانه لا تتصور منهم معصية
جبلوا على ذلك والجن الناري والانس ما جبلا على ذلك وكذلك من الانس أصحاب الافكار من أهل النظر والادلة
المقصورة على الحواس والضرورات والبديهيات يقولون لابد أن يكون المكلف عاقلا بحيث يفهم ما يخاطب به
وصدقوا وكذلك هو الامر عندنا العالم كله عاقل حي ناطق من جهة الكشف بخرق العادة التي الناس عليها أعني حصول
العلم بهذا عندنا غير أنهم قالوا هذا جماد لا يعقل ووقفوا عند ما أعطاهم بصرهم والامر عندنا بخلاف ذلك فاذا جاء عن
نبي أن حجرا كلمه أو كتف شاة أو جذع نخلة أو بهيمة يقولون خلق الله فيه الحياة والعلم في ذلك الوقت والامر عندنا ليس
كذلك بل سر الحياة في جميع العالم وان كل من يسمع المؤذن من رطب ويابس يشهد له ولا يشهد الامن علم هذا عن
كشف عندنا لا عن استنباط من نظر بما يقتضيه ظاهر خبر ولا غير ذلك ومن أراد ان يقف عليه فليسلك طريق الرجال
وليلزم الخلوة والذكر فان الله سيطلعه على هذا كله عينا فيعلم ان الناس في عماية عن ادراك هذه الحقائق فأوجد العالم
سبحانه ليظهر سلطان الاسماء فان قدرة بلا مقدور وجودا بلا اعطاء ورازقا بلا مرزوق ومغيثا بلا مغاث ورحيما
بلا مرحوم حقائق معطلة التأثير وجعل العالم في الدنيا ممتزجا مزج القبضتين في العجنة ثم فصل الاشخاص منها
فدخل من هذه في هذه من كل قبضة في أختها فجهلت الاحوال وفي هذا تفاضلت العلماء في استخراج الخبيث من
الطيب والطيب من الخبيث وغايته التخلص من هذه المزجة وتمييز القبضتين حتى تنفرد هذه بعالمها وهذه بعالمها كما
قال الله تعالى ليميز الله الخبيث من الطيب ويجعل الخبيث بعضه على بعض فيركمه جميعا فيجعله في جهنم فمن بقي فيه شيء
من المزجة حتى مات عليها لم يحشر يوم القيامة من الآمنين ولكنه منهم من يتخلص من المزجة في الحساب ومنهم من
لا يتخلص منها الا في جهنم فاذا تخلص أخرج فهؤلاء هم أهل الشفاعة وأما من تميز هنا في احدى القبضتين انقلب الى
الدار الآخرة بحقيقته من قبره الى نعيم أو الى عذاب وجحيم فانه قد تخلص فهذا غاية العالم وهاتان حقيقتان راجعتان الى
صفة هو الحق عليها في ذاته ومن هنا قلنا يرونه أهل النار معذبا وأهل الجنة منعما وهذا سر شريف ربما نقف عليه في
الدار الآخرة عند المشاهدة ان شاء الله وقد ناله المحققون في هذه الدار وأما قولنا في هذا الباب ومعرفة أفلاك العالم
الاكبر والاصغر الذي هو الانسان فأعني به عوالم كاياته وأجناسه وأمر اؤه الذين لهم التأثير في غيرهم وجعلتهما مقابلة
هذا نسخة من هذا وقد ضربنا لها دوائر على صور الافلاك وترتيبها في كتاب انشاء الدوائر والجداول الذي بدأنا
وضعه بتونس بمحل الامام أبي محمد عبد العزيز ولينا وصفينا رحمه الله فلنلق منه في هذا الباب ما يليق بهذا المختصر
فنقول ان العوالم أربعة العالم الاعلى وهو عالم البقاء ثم عالم الاستحالة وهو عالم الفناء ثم عالم التعمير وهو عالم البقاء والفناء
ثم عالم النسب وهذه العوالم في موطنين في العالم الاكبر وهو ما خرج عن الانسان وفي العالم الاصغر وهو الانسان (فأما
العالم الاعلى) فالحقيقة المحمدية وفلكها الحياة نظيرها من الانسان اللطيفة والروح القدسي ومنهم العرش المحيط
ونظيره من الانسان الجسم ومن ذلك الكرسي ونظيره من الانسان النفس ومن ذلك البيت المعمور ونظيره من
الانسان القلب ومن ذلك الملائكة ونظيرها من الانسان الارواح التي فيه والقوى ومن ذلك زحل وفلكه نظيره
من الانسان القوة العلمية والنفس ومن ذلك المشتري وفلكه نظيرهما القوة الذاكرة ومؤخر الدماغ ومن ذلك
الاحمر وفلكه نظيرهما القوة العاقلة واليافوخ ومن ذلك الشمس وفلكها نظيرهما القوة المفكرة ووسط الدماغ
ثم الزهرة وفلكها نظيرهما القوة الوهمية والروح الحيواني ثم الكاتب وفلكه نظيرهما القوة الخيالية ومقدم الدماغ ثم
القمر وفلكه نظيرهما القوة الحسية والجوارح التي تحس فهذه طبقات العالم الاعلى ونظائره من الانسان (وأما عالم

الاستحالة

الاستحالة) من ذلك كرة الاثير وروحها الحرارة واليبوسة وهى كرة النار ونظيرها الصفراء وروحها القوة الهاضمة ومن ذلك الهواء وروحه الحرارة والرطوبة ونظيره الدم وروحه القوة الجاذبة ومن ذلك الماء وروحه البرودة والرطوبة نظيره البلغم وروحه القوة الدافعة ومن ذلك التراب وروحه البرودة واليبوسة نظيره السوداء وروحها القوة الماسكة وأما الارض فسبع طباق أرض سوداء وأرض غبراء وأرض حمراء وأرض صفراء وأرض بيضاء وأرض زرقاء وأرض خضراء نظير هذه السبعة من الانسان فى جسمه الجلد والشحم واللحم والعروق والعصب والعضلات والعظام (وأما عالم التعمير) فنهم الروحانيون نظيرهم القوى التى فى الانسان ومنهم عالم الحيوان نظيره ما يحس من الانسان ومنهم عالم النبات نظيره ما ينمو من الانسان ومن ذلك عالم الجماد نظيره ما لا يحس من الانسان (وأما عالم النصب) فنهم العرض نظيره الاسود والابيض والالوان والاكوان ثم الكيف نظيره الاحوال مثل الصحيح والسقيم ثم الكم نظيره الساق أطول من الذراع ثم الاين نظيره العنق مكان للرأس والساق مكان للفخذ ثم الزمان نظيره حركت رأسى وقت تحريك يدى ثم الاضافة نظيرها هذا أبى فأنا ابنه ثم الوضع نظيره لغتى ولحنى ثم أن يفعل نظيره أكلت ثم أن ينفعل نظيره شبعت ومنهم اختلاف الصور فى الامهات كالفيل والحمار والاسد والصرصر نظير هذا القوة الانسانية التى تقبل الصور المعنوية من مذموم ومحمود هذا فطن فهو فيل هذا بليد فهو حمار هذا شجاع فهو أسد هذا جبان فهو صرصر والله يقول الحق وهو يهدى السبيل ٠

(الباب السابع) فى معرفة بدء الجسوم الانسانية وهو آخر جنس موجود من العالم الكبير وآخر صنف من المولدات

نشأت حقيقة باطن الانسان ٭ ملكا قويا ظاهر السلطان

ثم استوت فى عرش آدم ذاته ٭ مثل استواء العرش بالرحمان

فبدت حقيقة جسمه فى عينها ٭ وبها انتهى ملك الوجود الثانى

وبدت معارف لفظه فى علمه ٭ عند الكرام وحامل القرآن

فتصاغرت لعلومه أحلامهم ٭ وتكبر الملعون من شيطان

باؤا بقرب الله فى ملكوته ٭ الا الشقى بطن باء بالخسران

اعلم أيدك الله أنه لما مضى من عمر العالم الطبيعى المقيد بالزمان المحصور بانه كان احدى وسبعون ألف سنة من السنين المعروفة فى الدنيا وهذه المدة أحد عشر يوما من أيام غير هذا الاسم ومن أيام ذى المعارج يوم وخمسا يوم وفى هذه الايام يقع التفاضل قال تعالى فى يوم كان مقداره خمسين ألف سنة وقال وان يوما عند ربك كالف سنة مما تعدون فأصغر الايام هى التى نعدها حركة الفلك المحيط الذى يظهر فى يومه الليل والنهار فاقصر يوم عند العرب وهو هذا لا كبر فلك وذلك لحكمه على ما فى جوفه من الافلاك اذ كانت حركته مادونه فى الليل والنهار حركة قسرية له قهر بها سائر الافلاك التى يحيط بها ولكل فلك حركة طبيعية تكون له مع الحركة القسرية فكل فلك دونه ذو حركتين فى وقت واحد حركة طبيعية وحركة قسرية ولكل حركة طبيعية فى كل فلك يوم مخصوص يعد مقداره بالايام الحادثة عن الفلك المحيط المعبر عنها بقوله مما تعدون وكلها تقطع فى الفلك المحيط فكلما قطعته على الكمال كان يومها ويدور الدور فأصغر الايام منها هو ثمانية وعشرون يوما مما تعدون وهو مقدار قطع حركة القمر فى الفلك المحيط ونصب الله هذه الكواكب السبعة فى السموات ليدرك البصر قطع فلكها فى الفلك المحيط لنعلم عدد السنين والحساب قال تعالى وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب وكل شئ فصلناه تفصيلا ذلك تقدير العزيز العليم فلكل كوكب منها يوم مقدر يفضل بعضها على بعض على قدر سرعة حركاتها الطبيعية أو صغر أفلاكها وكبرها فاعلم ان الله تعالى لما خلق القلم واللوح وسماهما العقل والروح وأعطى الروح صفتين صفة علمية وصفة عملية وجعل العقل لها معلما ومفيدا افادة مشاهدة حالية كما تستفيد من صورة السكين القطع من غير نطق يكون منه فى ذلك وخلق تعالى جوهرا دون النفس الذى هو الروح المذكور سماه الهباء وهذه الاسمية له نقلناها من كلام على بن أبى طالب رضى الله عنه وسماه

فذكور فى اللسان العربى قال تعالى فكانت هباء منبثا كذلك لما رآها على بن أبى طالب أعنى هذا الجوهر منبثة فى جميع الصور الطبيعية كلها وأنها لاتخلو صورة منها اذ لا تكون صورة الا فى هذه الجوهرة سماها هباء وهى مع كل صورة بحقيقتها لا تنقسم ولا تتجزى ولا تتصف بالنقص بل هى كالبياض الموجود فى كل أبيض بذاته وحقيقته ولا يقال قد نقص من البياض قدر ما حصل منه فى هذا الابيض فهذا مثل حال هذه الجوهرة وعين الله سبحانه بين هذا الروح الموصوف بالصفتين و بين الهباء أربع مراتب وجعل كل مرتبة منزلا لاربعة أملاك وجعل هؤلاء الاملاك كالولاة على ما أحدثه سبحانه دونهم من العالم من عليين الى أسفل سافلين ووهب كل ملك من هؤلاء الملائكة علم ما يريد امضاءه فى العالم فأول شئ أوجده الله فى الاعيان مما يتعلق به علم هؤلاء الملائكة وتدبيرهم الجسم الكلى وأول شكل فتح فى هذا الجسم الشكل الكرى المستدير اذ كان أفضل الاشكال ثم نزل سبحانه بالايجاد والخلق الى تمام الصنعة وجعل جميع ما خلقه تعالى مملكة لهؤلاء الملائكة وولاهم أمورها فى الدنيا والآخرة وعصمهم عن المخالفة فيما أمرهم به فاخبرنا سبحانه انهم لا يعصون الله ما أمرهم و يفعلون ما يؤمرون ولما انتهى خلق المولدات من الجمادات والنبات والحيوان بانتهاء احدى وسبعين ألف سنة من سنى الدنيا مما نعد ورتب العالم ترتيبا حكميا ولم يجمع سبحانه لشئ مما خلقه من أول موجود الى آخر مولود وهو الحيوان بين يديه تعالى الا للانسان وهى هذه النشأة البدنية الترابية بل خلق كل ما سواها اما عن أمر الهى أو عن يد واحدة قال تعالى انما قولنا لشئ اذا أردناه أن نقول له كن فيكون فهذا عن أمر الهى وورد فى الخبر ان الله عز وجل خلق جنة عدن بيده وكتب التوراة بيده وغرس شجرة طوبى بيده وخلق آدم الذى هو الانسان بيديه فقال تعالى لابليس على جهة التشريف لآدم عليه السلام ما منعك أن تسجد لما خلقت بيدى ولما خلق الله الفلك الادنى الذى هو الاول المذكور آنفا قسمه اثنى عشر قسما سماها قال تعالى والسماء ذات البروج فجعل كل قسم برجا وجعل تلك الاقسام ترجع الى أربعة فى الطبيعة ثم كرر كل واحد من الاربعة فى ثلاثة مواضع منه وجعل هذه الاقسام كالمنازل والمناهل التى ينزل فيها المسافرون و يسير فيها السائرون فى حال سيرهم وسفرهم لينزل فى هذه الاقسام عند سير الكواكب فيها وسباحتهم ما يحدث الله فى جوف هذا الفلك من الكواكب التى تقطع بسيرها فى هذه البروج ليحدث الله عند قطعها وسيرها ما شاء أن يحدث من العالم الطبيعى والعنصرى وجعلها علامات على أثر حركة فلك البروج فاعلم فقسم من هذه الاربعة طبيعته الحرارة واليبوسة والثانى البرودة واليبوسة والثالث الحرارة والرطوبة والرابع البرودة والرطوبة وجعل الخامس والتاسع من هذه الاقسام مثل الاول وجعل السادس والعاشر مثل الثانى وجعل السابع والحادى عشر مثل الثالث وجعل الثامن والثانى عشر مثل الرابع أعنى فى الطبيعة فحصر الاجسام الطبيعية بخلاف والاجسام العنصرية بلا خلاف فى هذه الاربعة التى هى الحرارة والبرودة والرطوبة واليبوسة ومع كونها أربعة أمهات فان الله جعل اثنين منها أصلا فى وجود الاثنين الآخرين فانفعلت اليبوسة عن الحرارة والرطوبة عن البرودة فالرطوبة واليبوسة موجودتان عن سببين هما الحرارة والبرودة ولهذا ذكر الله فى قوله تعالى ولا رطب ولا يابس الا فى كتاب مبين لان المسبب يلزم من كونه مسببا وجود السبب أو منفعلا وجود الفاعل كيف شئت فقل ولا يلزم من وجود السبب وجود المسبب ولما خلق الله هذا الفلك الاول دار دورة غير معلومة الانتهاء الا لله تعالى لانه ليس فوقه شئ محدود من الاجرام يقطع فيه فانه أول الاجرام الشفافة فتتعدد الحركات وتتميز ولا كان قد خلق الله فى جوفه شيأ فتتميز الحركات وتنتهى عند من يكون فى جوفه ولو كان لم تتميز أيضا لانه أطلس لا كوكب فيه متشابه الاجزاء فلا يعرف مقدار الحركة الواحدة منه ولا تتعين فلو كان فيه جزء يخالف سائر أجزائه عدبه حركاته بلا شك ولكن علم الله قدرها وانتهاءها وكرورها فحدث عن تلك الحركة اليوم ولم يكن ثم ليل ولا نهار فى هذا اليوم ثم استقرت حركات هذا الفلك خلق الله ملائكة خمسة وثلاثين ملكا أضافهم الى ما ذكرناه من الاملاك الستة عشر فكان الجميع احدا وخمسين ملكا من جملة هؤلاء الملائكة جبريل وميكائيل واسرافيل وعزرائيل ثم خلق تسعمائة ملك وأربعا وسبعين وأضافهم الى ما ذكرناه من الاملاك وأوحى اليهم وأمرهم بما يجرى على أيديهم فى خلقه فقالوا

وما

وما نتنزل الا بأمر ربك له ما بين أيدينا وما خلفنا وما بين ذلك وما كان ربك نسيا وقال فيهم لا يعصون الله ما أمرهم
فهؤلاء من الملائكة هم الولاة خاصة وخلق الله ملائكة هم عمار السموات والارض لعبادته فما في السماء والارض
موضع الا وفيه ملك ولا يزال الحق يخلق من أنفاس العالم ملائكة ما داموا متنفسين ولما انتهى من حركات هذا الفلك
الاول ومدته أربع وخمسون ألف سنة مما تعدون خلق الله الدار الدنيا وجعل لها أمدا معلوما تنتهى اليه وتنقض
صورتها وتستحيل من كونها دارا لنا وقبولها صورة مخصوصة وهي التي نشاهدها اليوم الى أن تبدل الارض غير الارض
والسموات ولما انقضى من مدة حركة هذا الفلك ثلاث وستون ألف سنة مما تعدون خلق الله الدار الآخرة الجنة
والنار اللتين أعدهما الله لعباده السعداء والأشقياء فكان بين خلق الدنيا وخلق الآخرة تسع آلاف سنة مما تعدون
ولهذا سميت آخرة لتأخر خلقها عن خلق الدنيا وسميت الدنيا الاولى لانها خلقت قبلها قال تعالى وللآخرة خير لك من
الاولى يخاطب نبيه صلى الله عليه وسلم ولم يجعل للآخرة مدة ينتهى اليها بقاؤها فلها البقاء الدائم وجعل سقف الجنة هذا
الفلك وهو العرش عندهم الذى لا تتعين حركته ولا تتميز فحركته دائمة لا تنقضي ومامن خلق ذكرناه خلق الا ونعلق
القصد الثاني منه وجود الانسان الذى هو الخليفة في العالم وانما قلت القصد الثاني اذ كان القصد الاول معرفة الحق
وعبادته التى لها خلق العالم كله فما من شئ الا وهو يسبح بحمده ومعنى القصد الثاني والاول التعلق الارادى
لا حدوث الارادة لان الارادة لله صفة قديمة أزلية اتصفت بها ذاته كسائر صفاته ولما خلق الله هذه الافلاك والسموات
وأوحى في كل سماء أمرها ورتب فيها أنوارها وسرجها وعمرها بملائكته وحركها تعالى فتحركت طائعة لله آتية
اليه طلب الكمال في العبودية التى تليق بها لانه تعالى دعاها ودعا الارض فقال لها وللارض ائتيا طوعا أو كرها الامر
لهما قالتا أتينا طائعين فهما آتيتان أبدا فلا تزالان متحركتين غير أن حركة الارض خفية عندنا وحركتها
حول الوسط لانها أكرة فاما السماء فاتت طائعة عند أمر الله لها بالاتيان وأما الارض فاتت طائعة لما علمت نفسها
مقهورة وانه لابد أن يؤتى بها بقوله أو كرها فكانت المرادة بقوله تعالى أو كرها فاتت طائعة كرها فقضاهن سبع
سموات في يومين وأوحى في كل سماء أمرها وقد كان خلق الارض وقدر فيها أقواتها من أجل المولدات فجعلها
خزانة لاقواتهم وقد ذكرنا ترتيب نشء العالم في كتاب عنقاء مغرب فكان من تقدير أقواتها وجود الماء والهواء والنار
وما في ذلك من البخارات والسحب والبروق والرعود والآثار العلوية وذلك تقدير العزيز العليم وخلق الجان من
النار والطير والدواب البرية والبحرية والحشرات من عفونات الارض ليصفو الهواء لنا من بخارات العفونات التى لو
خالطت الهواء الذى أودع الله حياة هذا الانسان والحيوان وعافيته فيه لكان سقيما رديئا ولولا صفى له الجو سبحانه
لطفا منه بتكوين هذه المعفنات فقلت الاسقام والعلل ولما استوت المملكة وتهيأت وما عرف أحد من هؤلاء المخلوقات
كلها من أي جنس يكون هذا الخليفة الذى مهد الله هذه المملكة لوجوده فلما وصل الوقت المعين في علمه لايجاد هذه
الخليفة بعد أن مضى من عمر الدنيا سبع عشرة ألف سنة ومن عمر الآخرة الذى لا نهاية له في الدوام ثمان آلاف سنة أمر
الله بعض ملائكته أن يأتيه بقبضة من كل أجناس تربة الارض فأتاه بها في خبر طويل معلوم عند الناس فأخذها
سبحانه وخمرها بيديه فهو قوله لما خلقت بيدي وكان الحق قد أودع عند كل ملك من الملائكة الذين ذكرناهم
وديعة لآدم وقال لهم انى خالق بشرا من طين وهذه الودائع التى بأيديكم له فاذا خلقته فليؤد اليه كل واحد منكم
ما عنده مما أمنتكم عليه ثم اذا سويته ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين فلما خمر الحق تعالى بيديه طينة آدم حتى
تغير ريحها وهو المسنون وذلك الجزء الهوائي الذى في النشأة جعل ظهره محلا للاشقياء والسعداء من ذريته فأودع فيه
ما كان في قبضتيه فانه سبحانه أخبرنا أن في قبضة يمينه السعداء وفي قبضة اليد الاخرى الاشقياء وكلتا يدى ربي يمين
مباركة وقال هؤلاء للجنة وبعمل أهل الجنة يعملون وهؤلاء للنار وبعمل أهل النار يعملون وأودع الشكل طينة آدم
وجمع فيه الاضداد بحكم المجاورة وأنشأ على الحركة المستقيمة وذلك في دولة السنبلة وجعله ذا جهات ست الفوق وهو
ما يلي رأسه والتحت يقابله وهو ما يلي رجليه واليمين وهو ما يلي جانبه الاقوى والشمال يقابله وهو ما يلي جانبه

الاضعف والامام هو مايلى الوجه ويقابله الخلف وهو مايلى القفا وصوره وعدله وسوّاه ثم نفخ فيه من روحه المضاف اليه فحدث عن هذا النفخ فيه بسريانه فى أجزائه أركان الاخلاط التى هى الصفراء والسوداء والدم والبلغم فكانت الصفراء عن الركن النارى الذى أنشأه الله منه فى قوله تعالى من صلصال كالفخار وكانت السوداء عن التراب وهو قوله خلقه من تراب وكان الدم من الهواء وهو قوله مسنون وكان البلغم من الماء الذى عجن به التراب فصار طينا ثم أحدث فيه القوة الجاذبة التى بها يجذب الحيوان الاغذية ثم القوة الماسكة وبها يمسك مايتغذى به الحيوان ثم القوة الهاضمة وبها يهضم غذاءه ثم القوة الدافعة وبها يدفع الفضلات عن نفسه من عرق وبخار ورياح وبراز وأمثال ذلك وأما سريان الاغذية وتقسيم الدم فى العروق من الكبد وما يخلصه كل جزء من الحيوان فبالقوة الجاذبة لا الدافعة فحظ القوة الدافعة ماتخرجه كما قلنا من الفضلات لا غير ثم أحدث فيه القوة الغاذية والنامية والحاسية والخيالية والوهمية والحافظة والذاكرة وهذا كله فى الانسان بما هو حيوان لا بما هو انسان فقط غير أن هذه القوى الاربعة قوة الخيال والوهم والحفظ والذكر هى فى الانسان أقوى منها فى الحيوان ثم خص آدم الذى هو الانسان بالقوة المصورة والمفكرة والعاقلة فتميز عن الحيوان وجعل هذه القوى كلها فى هذا الجسم آلات للنفس الناطقة لتصل بذلك الى جميع منافعها المحسوسة والمعنوية ثم أنشأه خلقا آخر وهو الانسانية فجعله دراكا بهذه القوى حيا عالما قادرا مريدا متكلما سميعا بصيرا على حد معلوم معتاد فى الكتابة فتبارك الله أحسن الخالقين ثم انه سبحانه ماسمى نفسه باسم من الاسماء الا وجعل للانسان من التخلق بذلك الاسم حظا منه يظهر به فى العالم على قدر مايليق به ولذلك تأول بعضهم قوله عليه السلام ان الله خلق آدم على صورته على هذا المعنى وأنزله خليفة عنه فى أرضه اذ كانت الارض من عالم التغيير والاستحالات بخلاف العالم الاعلى فيحدث فيهم من الاحكام بحسب مايحدث فى العالم الارضى من التغيير فيظهر لذلك حكم جميع الاسماء الالهية وحيث كان خليفة فى الارض دون السماء والجنة ثم كان من أمره ما كان من علم الاسماء وسجود الملائكة وإباية ابليس قد ذكر ذلك كله فى موضعه ان شاء الله فان هذا الباب مخصوص بابتداء الجسوم الانسانية وهى أربعة أنواع جسم آدم وجسم حوّاء وجسم عيسى وأجسام بنى آدم وكل جسم من هذه الاربعة نشوءه يخالف نشء الآخر فى السبب مع الاجتماع فى الصورة الجسمانية والروحانية وانما سقنا هذا ونبهنا عليه لئلا يتوهم الضعيف العقل ان القدرة الالهية أو ان الحقائق لا تعطى أن تكون هذه النشأة الانسانية الا عن سبب واحد يعطى بذاته هذا النشء فرد الله هذه الشبهة بأن أظهر هذا النشء الانسانى فى آدم بطريق لم يظهر به جسم حوّاء وأظهر جسم حوّاء بطريق لم يظهر به جسم ولد آدم وأظهر جسم أولاد آدم بطريق لم يظهر به جسم عيسى عليه السلام وينطلق على كل واحد من هؤلاء اسم انسان بالحد والحقيقة ذلك ليعلم ان الله بكل شئ عليم وانه على كل شئ قدير ثم ان الله قد جمع هذه الاربعة الانواع من الخلق فى آية من القرآن فى سورة الحجرات فقال يا أيها الناس انا خلقناكم يريد آدم من ذكر يريد حوّاء وأنثى يريد عيسى ومن المجموع من ذكر وأنثى يريد بنى آدم بطريق النكاح والتوالد فهذه الآية من جوامع الكلم وفصل الخطاب الذى أوتى محمد صلى الله عليه وسلم ولما ظهر جسم آدم كما ذكرناه ولم تكن فيه شهوة نكاح وكان قد سبق فى علم الحق ايجاد التوالد والتناسل والنكاح فى هذه الدار انما هو لابقاء النوع فاستخرج من ضلع آدم من القصيرى حوّاء فقصرت بذلك عن درجة الرجل كما قال تعالى وللرجال عليهن درجة فما تلحق بهم أبدا وكانت من الضلع للانحناء الذى فى الضلوع لتحنو بذلك على ولدها وزوجها فحنوّ الرجل على المرأة حنوّه على نفسه لانها جزء منه وحنوّ المرأة على الرجل لكونها خلقت من الضلع والضلع فيه انحناء وانعطاف وعمر الله الموضع من آدم الذى خرجت منه حوّاء بالشهوة اليها اذ لا يبقى فى الوجود خلاء فلما عمره بالهواء حن اليها حنينه الى نفسه لانها جزء منه وحنت اليه لكونه موطنها الذى نشأت فيه فحب حوّاء حب الموطن وحب آدم حب نفسه ولذلك يظهر حب الرجل للمرأة اذ كانت عينه وأعطيت المرأة القوة المعبر عنها بالحياء فى محبة الرجل فقويت على الاخفاء لان الموطن لا يتحد بها اتحاد آدم ثم فصور فى ذلك الضلع جميع ماصوره وخلقه فى جسم آدم فكان نشء جسم آدم فى صورته كنشء الفاخورى فيما

ينشه

بنفسه من الطين والطبخ وكان نشء جسم حواء نشء النجارة فيما ينحته من الصور في الخشب فلما نحتها في الضلع وأقام صورتها وسواها وعدلها نفخ فيها من روحه فقامت حية ناطقة أنثى ليجعلها محلا للزراعة والحرث لوجود الانبات الذي هو التناسل فسكن اليها وسكنت اليه وكانت لباسا له وكان لباسا لها قال تعالى هن لباس لكم وأنتم لباس لهن وسرت الشهوة منه في جميع أجزائه فطلبها فلما تغشاها وألقى الماء في الرحم ودار ذلك النطفة من الماء دم الحيض الذي كتبه الله على النساء تكون في ذلك الجسم جسم ثالث على غير ما تكون منه جسم آدم وجسم حواء فهذا هو الجسم الثالث فتولاه الله بالنشء في الرحم حالا بعد حال بالانتقال من ماء الى نطفة الى علقة الى مضغة الى عظام ثم كسا العظم لحما فلما تم نشأته الحيوانية أنشأه خلقا آخر فنفخ فيه الروح الانساني فتبارك الله أحسن الخالقين ولولا طول الامر لبينا تكوينه في الرحم حالا بعد حال ومن يتولى ذلك من الملائكة الموكلين بانشاء الصور في الأرحام الى حين الخروج ولكن كان الغرض الاعلام بأن الاجسام الانسانية وان كانت واحدة في الحد والحقيقة والصور الحسية والمعنوية فان أسباب تآلفها مختلفة لئلا يتخيل ان ذلك لذات السبب تعالى الله بل ذلك راجع الى فاعل مختار يفعل ما يشاء كيف يشاء من غير تحجير ولا قصور على أمر دون أمر لا اله الا هو العزيز الحكيم ولما قال أهل الطبيعة ان ماء المرأة لا يتكون منه شيء وان الجنين الكائن في الرحم انما هو من ماء الرجل لذلك جعلنا تكوين جسم عيسى تكوينا آخر وان كان تدبيره في الرحم تدبير أجسام البنين فان كان من ماء المرأة اذ تمثل لها الروح بشرا سويا أو كان عن نفخ بغير ماء فعلى كل وجه هو جسم رابع مغاير في النشء غيره من أجسام النوع ولذلك قال تعالى ان مثل عيسى أي صفة نشء عيسى عند الله كمثل آدم خلقه من تراب الضمير يعود على آدم ووقع الشبه في خلقه من غير أب أي صفة نشئه صفة نشء آدم الا أن آدم خلقه من تراب ثم قال له كن ثم ان عيسى على ما قيل لبث في بطن مريم لبث البنين المعتاد لانها أسرع اليه التكوين لما أراد الله أن يجعله آية ويرد به على الطبيعيين حيث حكموا على الطبيعة بما أعطتهم من العادة لا بما تقتضيه مما أودع الله فيها من الاسرار والتكوينات العجيبة ولقد أنصف بعض حذاق هذا الشأن الطبيعة فقال لا نعلم منها الا ما أعطتنا خاصة وفيها ما لا نعلم فهذا قد ذكرنا ابتداء الجسوم الانسانية وانها أربعة أجسام مختلفة النشء كما قررنا وانه آخر المولدات فهو نظير العقل الأول وبه ارتبط لان الوجود دائرة فكان ابتداء الدائرة وجود العقل الاول الذي ورد في الخبر أنه أول ما خلق الله العقل فهو أول الاجناس وانتهى الخلق الى الجنس الانساني فكملت الدائرة واتصل الانسان بالعقل كما يتصل آخر الدائرة بأولها فكانت دائرة وما بين طرفي الدائرة جميع ما خلق الله من أجناس العالم بين العقل الاول الذي هو القلم أيضا وبين الانسان الذي هو الموجود الآخر ولما كانت الخطوط الخارجة من النقطة التي في وسط الدائرة الى المحيط الذي وجد عنها تخرج على السواء لكل جزء من المحيط كذلك نسبة الحق تعالى الى جميع الموجودات نسبة واحدة فلا يقع هناك تغيير البتة كانت الاشياء كلها ناظرة اليه وقابلة منه ما يهبها نظر اجزاء المحيط الى النقطة وأقام سبحانه هذه الصورة الانسانية بالحركة المستقيمة صورة العمد الذي الخيمة فجعله لقبة هذه السموات فهو سبحانه يمسكها أن تزول بسببه فعبرنا عنه بالعمد فاذا فنيت هذه الصورة ولم يبق منها على وجه الارض أحد متنفس وانشقت السماء فهي يومئذ واهية لان العمد زال وهو الانسان ولما انتقلت العمارة الى الدار الآخرة بانتقال الانسان اليها وخربت الدنيا بانتقاله عنها علمنا قطعا ان الانسان هو العين المقصودة لله من العالم وأنه الخليفة حقا وأنه محل ظهور الاسماء الالهية وهو الجامع لحقائق العالم كله من ملك وفلك وروح وجسم وطبيعة وجماد ونبات وحيوان الى ما خص به من علم الاسماء الالهية مع صغر حجمه وجرمه وانما قال الله فيه بأن خلق السموات والارض أكبر من خلق الناس لكون الانسان متولدا عن السماء والارض فهما له كالابوين فرفع الله مقدارهما ولكن أكثر الناس لا يعلمون فلم يرد في الجرمية فان ذلك معلوم حسا بل أن الله تعالى ابتلاه ببلاء ما ابتلى به أحدا من خلقه اما لان يسعده أو يشقيه على حسب ما يوفقه الى استعماله وكان البلاء الذي ابتلاه به ان خلق فيه قوة تسمى الفكر وجعل هذه القوة خادمة لقوة أخرى تسمى العقل وجبر العقل مع سيادته على الفكر أن يأخذ منه ما يعطيه ولم يجعل للفكر مجالا الا في القوة الخيالية وجعل سبحانه القوة الخيالية محلا

جامعة أعطيها القوة الحساسة وجعل له قوة يقال لها المصورة فلا يحصل فى القوة الخيالية الاما أعطاه الحس أو أعطته القوة المصورة ومادة المصورة من المحسوسات فتركب صورا لم يوجد لها عين لكن أجزاؤها كلها موجودة حسا وذلك لان العقل خلق ساذجا ليس عنده من العلوم النظرية شئ وقيل للفكر ميز بين الحق والباطل الذى فى هذه القوة الخيالية فينظر بحسب ما يقع له فقد يحصل فى شبهة وقد يحصل فى دليل عن غير علم منه بذلك ولكن فى زعمه انه عالم بصور الشبه من الادلة وانه قد حصل على علم ولم ينظر الى قصور المواد التى استند اليها فى اقتناء العلوم فيقبلها العقل منه ويحكم بها فيكون جهله أكثر من علمه بما لا يتقارب ثم ان الله كلف هذا العقل معرفته سبحانه ليرجع اليه فيها لا الى غيره ففهم العقل نقيض ما أراد به الحق بقوله تعالى أولم يتفكروا لقوم يتفكرون فاستند الى الفكر وجعله اماما يقتدى به وغفل عن الحق فى مراده بالتفكر انه خاطبه أن يتفكر فيرى أن علمه بالله لا سبيل اليه الا بتعريف الله فيكشف له عن الامر على ما هو عليه فلم يفهم كل عقل هذا الفهم الا عقول خاصة الله من أنبيائه وأوليائه ياليت شعرى هل بأفكارهم قالوا بلى حين أشهدهم على أنفسهم فى قبضة الذرية من ظهر آدم لا والله بل عناية اشهاده اياهم ذلك عند أخذه اياهم عنهم من ظهورهم ولما رجعوا الى الاخذ عن قواهم المفكرة فى معرفة الله لم يجتمعوا قط على حكم واحد فى معرفة الله وذهب كل طائفة الى مذهب وكثرت القالة فى الجناب الالهى الاحمى واجترؤا غاية الجراءة على الله وهذا كله من الابتلاء الذى ذكرناه من خلقه الفكر فى الانسان وأهل الله افتقروا اليه فيما كلفهم من الايمان به فى معرفته وعلموا ان المراد منهم رجوعهم اليه فى ذلك وفى كل حال فمنهم القائل سبحان من لم يجعل سبيلا الى معرفته الا العجز عن معرفته ومنهم من قال العجز عن درك الادراك ادراك وقال صلى الله عليه وسلم لا أحصى ثناء عليك وقال تعالى ولا يحيطون به علما فرجعوا الى الله فى المعرفة به وتركوا الفكر فى مرتبته ووفوه حقه لم ينقلوه الى ما لا ينبغى له التفكر فيه وقد ورد النهى عن التفكر فى ذات الله والله يقول ويحذركم الله نفسه فوهبهم الله من معرفته ما وهبهم وأشهدهم من مخلوقاته ومظاهره ما أشهدهم فعلموا أنه ما يستحيل عقلا من طريق الفكر لا يستحيل نسبة الهية كما سنورد من ذلك طرفا فى باب الارض المخلوقة من بقية طينة آدم وغيرها فالذى ينبغى للعاقل أن يدين الله به فى نفسه ان يعلم أن الله على كل شئ قدير من ممكن ومحال ولا كل محال نافذ الاقتدار واسع العطاء ليس لايجاده تكرار بل امثال تحدث فى جوهر أوجده وشاء بقاءه ولو شاء أفناه مع الانفاس لا اله الا هو العزيز الحكيم

(الباب الثامن) فى معرفة الارض التى خلقت من بقية خميرة طينة آدم عليه السلام وهى أرض الحقيقة وذكر بعض ما فيها من الغرائب والعجائب

يا أخت بل يا عمتى المعقوله ✽ أنت الامينة عندنا المجهوله
نظر البنون اليك أخت أبيهمو ✽ فتنافروا عن همة معلوله
الا القليل من البنين فانهم ✽ عطفوا عليك بأنفس مجبوله
يا عمتى قل كيف أظهر سرة ✽ فيك الاخى محققا تنزيله
حتى بدا من مثل ذلك عالم ✽ قد يرتضى رب الورى توكيله
أنت الامامة والامام أخوك والـ ✽ ـمأموم أمثال له مسئوله

اعلم أن الله تعالى لما خلق آدم عليه السلام الذى هو أول جسم انسانى تكون وجعله أصلا لوجود الاجسام الانسانية وفضلت من خميرة طينته فضلة خلق منها النخلة فهى أخت لآدم عليه السلام وهى لنا عمة وسماها الشرع عمة وشبهها بالمؤمن ولها أسرار عجيبة دون سائر النبات وفضل من الطينة بعد خلق النخلة قدر السمسمة فى الخفاء فمد الله فى تلك الفضلة أرضا واسعة الفضاء اذا جعل العرش وما حواه والكرسى والسموات والارضون وما تحت الثرى والجنات كلها والنار فى هذه الارض كان الجميع فيها كحلقة ملقاة فى فلاة من الارض وفيها من العجائب والغرائب ما لا يقدر قدره ويبهر العقول أمره وفى كل نفس خلق الله فيها عوالم يسبحون الليل والنهار لا يفترون وفى هذه الارض ظهرت عظمة الله وعظمت عند المشاهد

لها

هـ فد رته وكثير من المحالات العقلية التى قام الدليل الصحيح العقلى على احالتها هى موجودة فى هذه الارض وهى مسرح عيون العارفين العلماء بالله وفيها يجولون وخلق الله من جملة عوالمها عالما على صورنا اذا ابصرهم العارف يشاهد نفسه فيها وقد أشار الى مثل ذلك عبدالله بن عباس رضى الله عنه فيما روى عنه فى حديث هذه الكعبة وانها بيت واحد من أربعة عشر بيتا وان فى كل أرض من السبع الارضين خلقا مثلنا حتى ان فيهم ابن عباس مثلى وصدقت هذه الرواية عند أهل الكشف فلنرجع الى ذكر هذه الارض واتساعها وكثرة عالمها المخلوقين فيها ومنها ويقع للعارفين فيها تجليات الهية أخبر بعض العارفين بأمر اعرفه شهودا قال دخلت فيها يوما مجلسا يسمى مجلس الرحمة لم أر مجلسا أعجب منه فبينا أنا فيه اذ ظهر لى تجلى الهى لم يأخذنى عنى بل أبقانى معى وهذا من خاصية هذه الارض فان التجليات الواردة على العارفين فى هذه الدار فى هذه الهيا كل تأخذهم عنهم وتفنيهم عن شهودهم من الانبياء والاولياء وكل من وقع له ذلك وكذلك عالم السموات العلى والكرسى الازهى وعالم العرش المحيط الاعلى اذا وقع لهم تجلى الهى أخذهم عنهم وصعقوا وهذه الارض اذا حصل فيها صاحب الكشف العارف ووقع له تجلى لم يفنه عن شهوده ولا اختطفه عن وجوده وجمع له بين الرؤية والكلام قال واتفق لى فى هذا المجلس أمور وأسرار لا يسعنى ذكرها لغموض معانيها وعدم وصول الادراكات قبل أن يشهد مثل هذه المشاهد لها وفيها من البساتين والجنات والحيوان والمعادن ما لا يعلم قدر ذلك الا الله تعالى وكل ما فيها من هذا كله حى ناطق كحياة كل حى ناطق ما هو مثل ما هى الاشياء فى الدنيا وهى باقية لا تفنى ولا تتبدل ولا يموت عالمها وليست تقبل هذه الارض شيأ من الاجسام الطبيعية الطينية البشرية بسوى عالمها أو عالم الارواح منا بالخاصية واذا دخلها العارفون انما يدخلونها بأرواحهم لا بأجسامهم فيتركون هيا كلهم فى هذه الارض الدنيا ويتجردون وفى تلك الارض صور عجيبة النشء بديعة الخلق قائمين على أفواه السكك المشرفة على هذا العالم الذى نحن فيه من الارض والسماء والجنة والنار فاذا أراد واحد منا الدخول لتلك الارض من العارفين من أى نوع كان من انس أو جن أو ملك أو أهل الجنة بشرط المعرفة وتجرد عن هيكله وجد تلك الصور على أفواه السكك قائمين موكلين بها قد نصبهم الله سبحانه لذلك الشغل فيبادر واحد منهم الى هذا الداخل فيخلع عليه حلة على قدر مقامه ويأخذ بيده ويجول به فى تلك الارض ويتبوأ منها حيث يشاء ويعتبر مصنوعات الله ولا يمر بحجر ولا شجر ولا مدر ولا شئ يريد أن يكلمه الا كلمه كما يكلم الرجل صاحبه ولهم لغات مختلفة وتعطى هذه الارض بالخاصية لكل من دخلها الفهم بجميع ما فيها من الالسنة فاذا قضى منها وطره وأراد الرجوع الى موضعه مشى معه رفيقه الى أن يوصله الى الموضع الذى دخل منه يوادعه ويخلع عنه تلك الحلة التى كساه وينصرف عنه وقد حصل علوما جمة ودلائل وزاد فى علمه بالله ما لم يكن عنده مشاهدة وما رأيت الفهم ينفذ أسرع مما ينفذ اذا حصل فى هذه الارض وقد ظهر عندنا فى هذه الدار وهذه النشأة ما يعضد هذا القول فمن ذلك ما شاهدناه ولا أذكره ومنها ما حدثنى أوحد الدين حامد بن أبى الفخر الكرمانى وفقه الله قال كنت أخدم شيخا وأنا شاب فمرض الشيخ وكان فى محارة وقد أخذه البطن فلما وصلنا تكريت قلت له يا سيدى اتركنى أطلب لك دواء ممسكا من صاحب مارستان سنجار من السبيل فلما رأى احتراقى قال لى رح اليه قال فرحت الى صاحب السبيل وهو فى خيمته جالس ورجاله بين يديه قائمون والشمعة بين يديه وكان لا يعرفنى ولا أعرفه فرآنى واقفا بين الجماعة فقام الى وأخذ بيدى وأكرمنى وسألنى ما حاجتك فذكرت له حال الشيخ فاستحضر الدواء وأعطانى اياه وخرج معى فى خدمتى والخادم بالشمعة بين يديه فخفت أن يراه الشيخ فيحرج فأقسمت عليه أن يرجع فرجع فجئت الشيخ وأعطيته الدواء وذكرت له كرامة الامير صاحب السبيل لى فتبسم الشيخ وقال لى يا ولدى انى أشفقت عليك لما رأيت من احتراقك من أجلى فأذنت لك فلما مشيت خفت أن يخجلك الامير لعدم اقباله عليك فتجردت عن هيكلى هذا ودخلت فى هيكل ذلك الامير وقعدت فى موضعه فلما جئت أكرمتك وفعلت معك ما رأيت ثم عدت الى هيكلى هذا ولا حاجة لى فى هذا الدواء وما استعمله فهذا شخص قد ظهر فى صورة غيره فكيف أهل تلك الارض قال لى بعض العارفين لما دخلت هذه الارض رأيت فيها أرضا كأنها مسك عطر لو شمه أحد

منها في هذه الدنيا فانك لو قرضت ثمرة منها ما شاء الله ان تمتد ودخلت في هذه الارض أرضا من الذهب الاحمر اللين فيها أشجارها كلها ذهب وثمرها ذهب وتأخذ التفاحة أو غيرها من الثمر فيأكلها فيجد من لذة طعمها وحسن رائحتها ونعومتها مالا يصفه واصف تشبه فاكهة الجنة عينها فكيف فاكهة الدنيا والجسم والشكل والصورة ذهب والصورة والشكل كصورة الثمرة وشكلها عندنا وتختلف في الطعم وفي الثمرة من النقش البديع والزينة الحسنة ما لا تتوهمه نفس فاحرى ان تشهده عين ورأيت من كبر ثمرها بحيث لو جعلت الثمرة بين السماء والارض لحجبت أهل الارض عن رؤية السماء ولو جعلت على الارض لفضلت عليها اضعافا واذا قبض عليها الذي يريد أكلها بهذه اليد المعهودة في القدر عمها بقبضته لنعمتها ألطف من الهواء يطبق عليها يده مع هذا العظم وهذا مما تحيله العقول هنا في نظرها ولما شاهده ذو النون المصري نطق بما حكي عنه من ايراد الكبير على الصغير من غير أن يصغر الكبير أو يكبر الصغير أو يوسع الضيق أو يضيق الواسع فالعظم في التفاحة على ما ذكرته باق والقبض عليها باليد الصغيرة والاحاطة بها موجود والكيفية مشهودة مجهولة لا يعرفها الا الله وهذا العلم مما انفرد الحق به واليوم الواحد الزماني عندنا هو عدة سنين عندهم بأزمنة تلك الارض مختلفة قال ودخلت فيها أرضا من فضة بيضاء في الصورة ذات شجر وأنهار وثمر شهي كل ذلك فضة وأجسام أهلها منها كلها فضة وكذلك كل أرض شجرها وثمرها وأنهارها وبحارها وخلقها من جنسها فاذا تنوولت وأكلت وجد فيها من الطعم والروائح والنعمة مثل سائر المأكولات غير أن اللذة لا توصف ولا تحكي ودخلت فيها أرضا من الكافور الابيض وهي في أماكن منها أشد حرارة من النار يخوضها الانسان ولا تحرقه وأماكن منها معتدلة وأماكن باردة وكل أرض من هذه الارضين التي هي أماكن في هذه الارض الكبيرة لو جعلت السماء فيها لكانت كحلقة في فلاة بالنسبة اليها ومر في جميع أراضيها أحسن عندي ولا أوفق لمزاجي من أرض الزعفران وما رأيت عالما من عالم كل أرض أبسط نفوسا منهم ولا أكثر بشاشة بالوارد عليهم يتلقونه بالترحيب والتأهيل ومن عجائب مطعوماتها انه أي شئ أكلت منها اذا قطعت من الثمرة قطعة نبتت في زمان قطعك اياها مكانها ما سد تلك الثلمة أو تقطف بيدك ثمرة من ثمرها فزمان قطفك اياها تتكون مثلها بحيث لا يشعر بها الا الفطن فلا يظهر فيها نقص أصلا واذا نظرت الى نسائها ترى ان النساء الكائنين في الجنة من الحور بالنسبة اليهن كنسائنا من البشر بالنسبة الى الحور في الجنان وأما مجامعتهن فلا يشبه لذتها لذة وأهلها أعشق الخلق فيمن يرد عليهم وليس عندهم تكليف بل هم مجبولون على تعظيم الحق وجلاله تعالى لو راموا خلاف ذلك ما استطاعوا وأما أبنيتهم فمنها ما يحدث عن هممهم ومنها ما يحدث كما تبنى عندنا من اتخاذ الآلات وحسن الصنعة ثم ان بحارها لا يمتزج بعضها ببعض كما قال تعالى مرج البحرين يلتقيان بينهما برزخ لا يبغيان ونعاين منتهى بحر الذهب تصطفق أمواجه ويباشره بالمجاورة بحر الحديد فلا يدخل من واحد في الآخر شئ وماؤهم ألطف من الهواء في الحركة والسيلان وهو من الصفاء بحيث أن لا يخفى عنك من دوابه ولا من الارض التي يجرى البحر عليها شئ فاذا أردت أن تشرب منه وجدت له من اللذة ما لا تجده لمشروب أصلا وخلقها يتنبتون فيها كسائر النباتات من غير تناسل بل يتكونون من أرضها تكون الحشرات عندنا ولا ينعقد من مائهم في نكاحهم ولد وان نكاحهم انما هو لمجرد الشهوة والنعيم وأما مراكبهم فتعظم وتصغر بحسب ما يريده الراكب واذا سافروا من بلد الى بلد فانهم يسافرون برا أو بحرا وسرعة مشيهم في البر والبحر أسرع من ادراك البصر للمبصر وخلقها متفاوتون في الاحوال ففيهم من تغلب عليهم الشهوات وفيهم من يغلب عليهم تعظيم جناب الحق ورأيت فيها ألوانا لا أعرفها في ألوان الدنيا ورأيت فيها معادن تشبه الذهب وما هي بذهب ولا نحاس وأحجارا من اللآلئ ينفذها البصر لصفائها شفافة من اليواقيت الحمر ومن أعجب ما فيها ادراك الالوان في الاجسام السفلية التي هي كالهواء وتتعلق الادراك بألوانها كما يتعلق بالالوان التي في الاجسام الكثيفة وعلى أبواب مدائنها عقود من الاحجار الياقوتية كل حجر منها يزيد على الخمسمائة ذراع وعلو الباب في الهواء عظيم وعليه معلق من الاسلحة والعدد ما لو اجتمع ملك الارض كلها ما وفى بها وعندهم ظلمة ونور من غير شمس تتعاقب وبتعاقبهما يعرفون الزمان وظلمتهم لا تحجب البصر عن مدركه كما لا يحجبه النور ويغزو بعضهم

بعضا

بعضاس ...ر شحناء ولا عداوة ولا فساد بنية واذا سافروا فى البحر وغرقوا الابعد وعلم الماء كالعدو وعليه ... بسوى
فيه ... مى يلحقوا بالساحل وتحصل تلك الارض زلازل لوحلت بنا لانقلبت الارض ... علينا
وهن نقد ... يوما مع جماعة منهم فى حديث وجاءت زلزلة شديدة بحيث انى رأيت الابنية تتحرك كانها ... كاد يسر
البصر ... من رؤيتها السرعة الحركة من وراء وكروراوما عندنا خبر وكأنا على الارض قطعة منها الى أن فرغت الزلزلة
فلما فرغت وسكنت الارض أخذت الجماعة بيدى وعزتنى فى ابنة لى اسمها فاطمة فقلت للجماعة انى تركتها فى عافية
عند والدتها قالوا صدقت ولكن هذه الارض ما تزلزل بنا وعندنا أحد الاماتت ذلك الشخص أومات له أحد وان هذه
الزلزلة لموت ابنتك فانظر فى أمرها فقعدت معهم ماشاء الله وصاحبى ينتظرنى فلما أردت فراقهم مشوا معى الى فم السكة
وأخذوا خلعتهم وجئت الى بيتى فلقيت صاحبى فقال لى ان فاطمة تنازع فدخلت عليها فقضت وكنت بمكة مجاورا
فجهزناها ودفناها بالمعلى فهذا من أعجب ما أخبرت عن تلك الارض ورأيت بها كعبة يطوف بها أهلها غير مكسوة
وتكون أكبر من البيت الذى بمكة ذات أركان أربعة تكلمهم اذا طافوا بها وتحييهم وتفيدهم علوما لم تكن عندهم
ورأيت فى هذه الارض بحرا من تراب يجرى مثل ما يجرى الماء ورأيت حجارة صغارا وكبارا يجرى بعضها الى بعض كما
يجرى الحديد الى المغناطيس فتتألف هذه الحجارة ولا تنفصل بعضها من بعض بطبعها الا ان فصلها فاصل مثل ما يفصل
الحديد عن المغناطيس ليس فى قوته أن يمتنع فاذا ترك وطبعه جرت بعضها الى بعض على مقدار من المساحة مخصوص
فتضم هذه الحجارة بعضها الى بعض فينشأ منها صورة سفينة ورأيت منها مراكب صغيرا وشينين فاذا التأمت السفينة من
تلك الحجارة رموا بها فى بحر التراب وركبوا فيها وسافروا حيث يشتهون من البلاد غير ان قاع السفينة من رمل أو تراب
يلصق بعضه ببعض لصوق الخاصية فما رأيت فيما رأيت أعجب من جريان هذه السفن فى ذلك البحر وصورة الانشاء فى
المراكب سواء غير أن لهم فى جناحى السفينة مما يلى مؤخرها اسطوانتين عظيمتين تعلو المركب أكثر من القامة
وأرض المركب من جهة مؤخره ما بين الاسطوانتين مفتوح متساو مع البحر ولا يدخل فيه من رمل ذلك البحر شئ
أصلا بالخاصية وهذا شكله

وفى هذه الارض مدائن تسمى مدائن النور لا يدخلها من العارفين الا كل مصطفى مختار وهى ثلاث عشرة مدينة وهى
على سطح واحد وبنيانها عجيب وذلك انهم عمدوا الى موضع فى هذه الارض فبنوا فيه مدينة صغيرة لها سوار عظيمة يسير
الراكب فيها اذا أراد أن يدور بها مسيرة ثلاثة أعوام فلما أقاموها جعلوها خزانة لمتاعهم ... وعددهم وأقاموا
على بعد من جوانبها ابراجا تعلو على ... اح المدينة بمقدار ... وامدوا البناء بالحجارة حتى صار للمدينة كالسقف ثابت
وجعلوا ذلك السقف أرضا بنوا عليه مدينة أعظم من التى بنوا أولا وعمروها واتخذوها مسكنا فضاقت عنهم فبنوا عليها
مدينة أخرى أكبر منها ومازال يكثر عددهم وهم يصعدون بالبنيان طبقة فوق طبقة حتى بلغت ثلاث عشرة مدينة ثم انى
غبت عنهم مدة ثم دخلت اليهم مرة أخرى فوجدتهم قد زادوا مدينتين واحدة فوق أخرى ولهم ملوك فيهم لطف وحنان
صحبت منهم جماعة منهم التالى وهو التابع بمنزلة القيل فى حمير ولم أر ملكا أكثر منه ذكرا لله قد شغله ذكر الله عن
تدبير ملكه انتفعت به وكان كثير الجمال ... لى ومنهم ذو العرف وهو ملك عظيم لم أر فى ملوك الارض أكثر من تأنى

اليه رسول من الملك منه وهو كثير الحركة هين لين يصل اليه كل أحد يتلطف فى النزول لكنه اذا غضب [illegible]
أعطاه الله من القوة ماشاء ورأيت لبحرها ملكا منيع الحمى يدعى السابح هو قليل المجالسة مع من يقصده [illegible]
الالتفات الى أحد غير أنه مع مايخطر له لامع مايراد منه ويجاوره سلطان عظيم اسمه السابق اذا دخل عليه [illegible]
من مجلسه وبش فى وجهه وأظهر السرور بقدومه وقام له بجميع مايحتاج اليه من قبل أن يسأله عن شئ فقلت له فى ذلك
فقال لى أكره أن أرى فى وجه السائل ذلة السؤال لمخلوق غيرة أن يذل أحد لغير الله وما كل أحد يقف مع الله على قدم
التوحيد وان أكثر الوجوه مصروفة الى الاسباب الموضوعة مع الحجاب عن الله فهذا يحملنى أن أبادر الى ماترى من
كرامة الوافد قال ودخلت على ملك آخر يدعى القائم بأمر الله لايلتفت الى الوافد عليه لاستيلاء عظمة الحق على قلبه فلا
يشعر بالوافد وما يفد عليه من يقدم من العارفين الالينظروا الى حاله التى هو عليها تراه واقفا قد عقد يديه الى صدره
عقد العبد الذليل الجانى مطرقا الى موضع قدميه لاتتحرك منه شعرة ولا يضطرب منه مفصل كما قيل فى قوم هذه
حالتهم مع سلطانهم

كأنما الطير منهم فوق أرؤسهم ❊ لاخوف ظلم ولكن خوف اجلال

يتعلم العارفون منه حال المراقبة قال ورأيت ملكا يدعى بالرادع مهيب المنظر لطيف المخبر شديد الغيرة دائم الفكرة فيما
كلف النظر فيه اذا رأى أحدا يخرج عن طريق الحق رده الى الحق قال صحبته وانتفعت به وجالست من ملوكهم كثيرا
ورأيت منهم من العجائب ممايرجع الى ماعندهم من تعظيم الله مالو سطرناه لاعيا الكاتب والسامع فاقتصرنا على هذا
القدر من عجائب هذه الارض ومدائنها لاتحصى كثرة ومدائنها أكثر من ضياعها وجميع من يملكها من الملوك ثمانية
عشر سلطانا منهم من ذكرنا ومنهم من سكتنا عنه ولكل سلطان سيرة وأحكام ليست لغيره قال وحضرت يوما فى
ديوانهم لارى ترتيبهم فما رأيت ان الملك منهم هو الذى يقوم برزق رعيته بلغوا ما بلغوا فرأيتهم اذا استوى الطعام
وقف خلق لايحصى عددهم كثرة يسمونهم الجباة وهم رسل أهل كل بيت فيعطيه الامين من المطبخ على قدر عائلته
ويأخذه الجابى وينصرف وأما الذى يقسمه عليهم شخص واحد لاغيره من الايدى على قدر الجباة فيغرف فى الزمن
الواحد لكل شخص طعامه فى وعائه وينصرف ومافضل من ذلك يرفع الى خزانة فاذا فرغ منهم ذلك القاسم دخل
الخزانة وأخذ مافضل وخرج به الى الصعاليك الذين على باب دار الملك فيلقيه اليهم فيأكلوه وهكذا فى كل يوم ولكل
ملك شخص حسن الهيئة هو على الخزانة يدعونه الخازن بيده جميع ما يملكه ذلك الملك ومن شرعهم انه اذا ولاه ليس
له عزله ورأيت فيهم شخصا أعجبتنى حركاته وهو جالس الى جانب الملك وكنت على يمين الملك فسألته ما منزلة هذا عندكم
فتبسم وقال أعجبك قلت له نعم قال هذا المعمار الذى يبنى لنا المساكن والمدن وجميع ماتراه من آثار عمله ورأيت فى سوق
صيارفهم انه لاينتقد لهم سكتهم الا واحد فى المدينة كلها وفيما تحت يد ذلك الملك من المدن قال وهكذا رأيت سيرتهم فى
كل أمر لايقوم به الا واحد لكن له وزعة وأهل هذه الارض أعرف الناس بالله وكل ما أحاله العقل بدليله عندنا وجدناه
فى هذه الارض ممكنا قد وقع وان الله على كل شئ قدير فعلمنا ان العقول قاصرة وان الله قادر على جمع الضدين
ووجود الجسم فى مكانين وقيام العرض بنفسه وانتقاله وقيام المعنى بالمعنى وكل حديث وآية وردت عندنا ممامصرفها
العقل عن ظاهرها وجدناها على ظاهرها فى هذه الارض وكل جسد يتشكل فيه الروحانى من ملك وجن وكل صورة
يرى الانسان فيها نفسه فى النوم فمن أجساد هذه الارض لها من هذه الارض موضع مخصوص ولهم رقائق ممتدة الى
جميع العالم وعلى كل رقيقة أمين فاذا عاين ذلك الامين روحا من الارواح قد استعد لصورة من هذه الصور التى بيده كساه
اياها كصورة دحية لجبريل وسبب ذلك ان [illegible] الارض مده الحق تعالى فى البرزخ وعين منها موضعا لهذه الاجساد التى
تلبسها الروحانيات وتنتقل اليها النفوس عند النوم وبعد الموت فنحن من بعض عالمها ومن هذه الارض طرف يدخل
فى الجنة يسمى السوق ونحن نبين لك مثال صورة امتداد الطرف الذى يلى العالم من هذه الارض وذلك ان الانسان
اذا نظر الى السراج أو الشمس والقمر ثم حال باهداب أجفانه بين الناظر والجسم المستنير يبصر من ذلك الجسم

المستنير

الجسم الى حيث شبه الخطوط من النور تتصل من السراج الى عينيه متعددة فاذا رفع تلك الاهداب من مقابلة الناظر فلا يقدر يرى تلك الخطوط الممتدة تنقبض الى الجسم المستنير فالجسم المستنير مثال للموضع المعين من هذه الارض لتلك الصور والناظر مثال الاعلام وامتداد تلك الخطوط كصور الاجساد التى تنتقل اليها فى النوم وبعد الموت وفى سوق الجنة والتى تلبسها الارواح وقصدك الى رؤية تلك الخطوط بذلك الفعل من ارسال الاهداب الحائلة بين الناظر والجسم النير مثل الاستعداد وانبعاث تلك الخطوط عند هذه الحال انبعاث الصور عند الاستعداد وانقباض الخطوط الى الجسم النير عند رفع الحائل رجوع الصور الى تلك الارض عند زوال الاستعداد وليس بعد هذا البيان بيان وقد بسطنا القول فى عجائب هذه الارض وما يتعلق بها من المعارف فى كتاب كبير لنا فيها خاصة انتهى الجزء الحادى عشر

(بسم الله الرحمن الرحيم)

(الباب التاسع) فى معرفة وجود الارواح المارجية النارية

مرج النار والنبات فقامت * صورة الجن برزخا بين شيئين
بين روح بجسم ذى مكان * فى حضيض وبين روح بلا أين
فالذى قابل التجسم منها * طلب القوت للتغذى بلا مين
والذى قابل الملائك منها * قبل القلب بالتشكل فى العين
ولهذا يطيع وقتا ويعصى * ويجازى مخالفوهم بنارين

قال الله تعالى وخلق الجانّ من مارج من نار وورد فى الحديث الصحيح ان الله خلق الملائكة من نور وخلق الله الجان من نار وخلق الانسان مما قيل لكم فاما قوله عليه السلام فى خلق الانسان مما قيل لكم ولم يقل مثل ما قال فى خلق الملائكة والجانّ طلبا للاختصار فانه أوتى جوامع الكلم وهذا منها فان الملائكة لم يختلف أصل خلقها ولا الجانّ وأمّا الانسان اختلف خلقه على أربعة أنواع من الخلق فخلق آدم لا يشبه خلق حوّاء وخلق حوّاء لا يشبه خلق سائر بنى آدم وخلق عيسى عليه السلام لا يشبه خلق من ذكرنا فقصد رسول الله صلى الله عليه وسلم الاختصار وأحال على ما وصل الينا من تفصيل خلق الانسان فآدم من طين وحوّاء من ضلع وعيسى من نفخ روح وبنو آدم من ماء مهين ولما أنشأ الله الاركان الاربعة وعلا الدخان الى مقعر فلك الكواكب الثابتة وفتق فى ذلك الدخان سبع سموات متميز بعضها عن بعض وأوحى فى كل سماء أمرها بعد ما قدر فى الارض أقواتها وذلك كله فى أربعة أيام ثم قال للسموات وللارض ائتيا طوعا أو كرها أى أجيبا اذا دعيتما لما يراد منكما عما أمنتما عليه أن تبرزاه فقالتا أتينا طائعين فجعل سبحانه بين السماء والارض التحاما معنويا لتوجها لما يريد سبحانه أن يوجده فى هذه الارض من المولدات من معدن ونبات وحيوان وجعل الارض كالاهل وجعل السماء كالبعل والسماء تلقى الى الارض من الامر الذى أوحى الله فيها كما يلقى الرجل الماء بالجماع فى المرأة وتبرز الارض عند الالقاء ما خبأ الحق فيها من التكوينات على طبقاتها فكان من ذلك ان الهواء لما اشتعل وحمى اتقد مثل السراج وهو اشتعال النار ذلك اللهب الذى هو احتراق الهواء وهو المارج وانما سمى مارجا لانه نار مختلط بهواء وهو الهواء المشتعل فان المرج الاختلاط ومنه سمى المرج مرجا لاختلاط النبات فيه فهو من عنصرين هواء ونار أعنى الجان كما كان آدم من عنصرين ماء وتراب عجن به فحدث له اسم الطين كما حدث لامتزاج النار بالهواء اسم المارج ففتح سبحانه فى ذلك المارج صورة الجان فبما فيه من الهواء يتشكل فى أى صورة شاء وبما فيه من النار سخف وعظم لطفه وكان فيه طلب القهر والاستكبار والعزة فان النار أرفع الاركان مكانا وله سلطان على احالة الاشياء التى تقتضيها الطبيعة وهو السبب الموجب لكونه استكبر عن السجود لآدم عند ما أمره الله عز وجل بتأويل أداه أن يقول أنا خير منه يعنى بحكم الاصل الذى فضل الله به بين الاركان الاربعة وما علم ان سلطان الماء الذى خلق منه آدم أقوى منه فانه يذهبه وان التراب أثبت منه للبرد واليبس فلآدم القوة والثبوت لمجاورة الركنين اللذين

وحده الذي منهما وان كان فيه بقية الاركان ولكن ليس لها ذلك السلطان وهو الهواء والنار كما في الجان من بقية الاركان ولذا سمي مارجا ولكن ليس لها في نشأته ذلك السلطان وأعطى آدم التواضع للطينية بالطبع فان تكبر فلامر يعرض له يتنبه عليه فيه من النارية كما يقبل اختلاف الصور في خياله وفي أحواله من الهوائية وأعطى الجان التكبر بالطبع لناريته فان تواضع فلامر يعرض له يقبله بما فيه من الترابية كما يقبل الثبات على الاغواء ان كان شيطانا والثبات على الطاعات ان لم يكن شيطانا وقد أخبر النبي صلى الله عليه وسلم لما تلا سورة الرحمن على أصحابه قال اني تلوتها على الجن فكانوا أحسن استماعا لها منكم فكانوا يقولون ولا بشيء من آلاء ربنا نكذب اذ قلت فبأي آلاء ربكما تكذبان ثابتين عليه ما تزلزلوا عندما كان يقول لهم عليه السلام في تلاوته فبأي آلاء ربكما تكذبان وذلك بما فيه من الترابية وبما فيه من المائية ذهبت بحمية النارية فمنهم الطائع والعاصي مثلنا ولهم التشكل في الصور كالملائكة وأخذ الله بابصارنا عنهم فلا نراهم الا اذا شاء الله أن يكشف لبعض عباده فيراهم ولما كانوا من عالم السخافة واللطف قبلوا التشكيل فيما يريدونه من الصور الحسية فالصورة الاصلية التي ينسب اليها الروحاني انما هي أول صورة قبل عندما أوجده الله ثم تختلف عليه الصور بحسب ما يريد أن يدخل فيها ولو كشف الله عن أبصارنا حتى نرى ما تصوره القوة المصورة التي ركبها الله بالتصوير في خيال المتخيل مثال رأيت مع الاناة الانسان في صور مختلفة لا يشبه بعضها بعضا ولما نفخ الروح في اللهب وهو كثير الاضطراب لسخافته وزاده النفخ اضطرابا وغلب الهواء عليه وعدم قراره على حالة واحدة ظهر عالم الجان على تلك الصورة وكما وقع التناسل في البشر بالقاء الماء في الرحم فكانت الذرية والتوالد في هذا الصنف البشري الآدمي كذلك وقع التناسل في الجان بالقاء الهواء في رحم الانثى منهم فكانت الذرية والتوالد في صنف الجان وكان وجودهم بالقوس وهو ناري هكذا ذكر الوارد حفظه الله فكان بين خلق الجان وخلق آدم ستون ألف سنة وكان ينبغي على ما يزعم بعض الناس أن ينقطع التوالد من الجان بعد انقضاء أربعة آلاف سنة وينقضي التوالد من البشر بعد انقضاء سبعة آلاف سنة ولم يقع الامر على ذلك بل الامر راجع الى ما يريده الله فالتوالد في الجن الى اليوم باق وكذلك فينا فتحقق بهذا كم لآدم من السنين وكم بقي الى انقضاء الدنيا وفناء البشر عن ظهرها وانقلابهم الى الدار الآخرة وليس هذا بمذهب الراسخين في العلم وانما قال به شرذمة لا يعتد بقولهم فالملائكة أرواح منفوخة في أنوار والجان أرواح منفوخة في رياح والاناسي أرواح منفوخة في أشباح ويقال انه لم ينفصل عن الموجود الاول من الجان أنثى كما فصلت حواء من آدم قال بعضهم ان الله خلق للموجود الاول من الجان فرجا في نفسه فنكح بعضه ببعضه فولد مثل ذرية آدم ذكرانا وأناثا ثم نكح بعضهم بعضا فكان خلقه خنثى ولذلك هم الجان من عالم البرزخ لهم شبه بالبشر وشبه بالملائكة كالخنثى يشبه الذكر ويشبه الانثى وقد روينا فيما رويناه من الاخبار عن بعض أئمة الدين انه رأى رجلا ومعه ولدان وكان خنثى الواحد من ظهره والآخر من بطنه نكح فولد له ونكح فولد وسمي خنثى من الانخناث وهو الاسترخاء والرخاوة عدم القوة والشدة فلم تقو فيه قوة الذكورية فيكون ذكرا ولم تقو فيه قوة الانوثة فيكون أنثى فاسترخى عن هاتين القوتين فسمي خنثى والله أعلم ولما غلب على الجان عنصر الهواء والنار لذلك كان غذاؤهم ما يحمله الهواء مما في العظام من الدسم فان الله جاعل لهم فيها رزقا فانا نشاهد جوهر العظم وما يحمله من اللحم لا ينتقص منه شيء فعلمنا قطعا ان الله جاعل لهم فيها رزقا ولهذا قال النبي صلى الله عليه وسلم في العظام انها زاد اخوانكم من الجن وفي حديث ان الله جاعل لهم فيها رزقا وأخبرني بعض المكاشفين انه رأى الجن يأتون الى العظم فيشمونه كما تشم السباع ثم يرجعون وقد أخذوا رزقهم وغذاؤهم في ذلك الشم فسبحان اللطيف الخبير وأما اجتماع بعضهم ببعض عند النكاح فالتواء مثل ما تبصر الدخان الخارج من الاتون أو من فرن الفخار يدخل بعضه في بعضه فيلتذ كل واحد من الشخصين بذلك التداخل ويكون ما يلقونه كلقاح النخلة بمجرد الرائحة كغذائهم سواء وهم قبائل وعشائر وقد ذكر انهم محصورون في اثنتي عشرة قبيلة أصولا ثم يتفرعون الى افخاذ وتقع بينهم حروب عظيمة وبعض الزوابع قد يكون عين حربهم فان الزوبعة تقابل ريحين تمنع كل واحدة صاحبتها ان تخترقها فيؤدي ذلك المنع الى الدور

المشهود فى العبرة فى الحس التى آثارها تقابل الربعين المتضادين فمثل ذلك يكون حربهم وما كل زوبعة حربهم وحديث عمرو الجنى رحمه الله مشهورة مروية وقتله فى الزوبعة التى أبصرت فانقشعت عنه وهو على الموت فلبث ان مات وكان عبدا صالحا من الجان ولو كان هذا الكتاب مبناه على ايراد أخبار وحكايات لذكرنا منها طرفا وانما هذا كتاب علم المعانى فلينظر حكاياتهم فى تواريخ الادب وأشعارهم ثم نرجع ونقول وان هذا العالم الروحانى اذا تشكل وظهر فى صورة حسية يقيده البصر بحيث لا يقدر أن يخرج عن تلك الصورة مادام البصر ينظر اليه بالخاصية ولكن من الانسان فاذا قيده ولم يبرح ناظرا اليه وليس له موضع يتوارى فيه أظهر له هذا الروحانى صورة جعلها عليه كالستر ثم يخيل له مشى تلك الصورة الى جهة مخصوصة فيتبعها بصره فاذا اتبعها بصره خرج الروحانى عن تقييده فغاب عنه وبمغيبه تزول تلك الصورة عن نظر الناظر الذى اتبعها بصره فانها للروحانى كالنور مع السراج المنتشر فى الزوايا نوره فاذا غاب جسم السراج فقد ذلك النور فهكذا هذه الصورة فمن يعرف هذا وبحب تقييده لا يتبع الصورة بصره وهذا من الاسرار الالهية التى لا تعرف الا بتعريف الله وليست الصورة غير عين الروحانى بل هى عينه ولو كانت فى ألف مكان أو فى كل مكان ومختلفة الاشكال واذا اتفق قتل صورة من تلك الصور وماتت فى ظاهر الامر انتقل ذلك الروحانى من الحياة الدنيا الى البرزخ كما ننتقل نحن بالموت ولا يبقى له فى عالم الدنيا حديث مثلنا سواء ونسمى تلك الصور المحسوسة التى تظهر فيها الروحانيات أجسادا وهو قوله تعالى وألقينا على كرسيه جسدا وقوله وما جعلناهم جسدا لا يأكلون الطعام والفرق بين الجان والملائكة وان اشتركوا فى الروحانية ان الجان غذاؤهم ما تحمله الاجسام الطبيعية من المطاعم والملائكة ليست كذلك ولهذا ذكر الله فى قصة ضيف ابراهيم الخليل فلما رأى أيديهم لا تصل اليه نكرهم يعنى الى العجل الحنيذ أى لا يأكلون منه وخاف وحين جاء وقت انشاء عالم الجان توجه من الامناء الذين فى الفلك الاول من الملائكة ثلاثة ثم أخذوا من نوابهم من السماء الثانية ما يحتاجون اليه منهم فى هذا النشئ ثم نزلوا الى السموات فأخذوا من النواب اثنين من السماء الثانية والسادسة من هناك ونزلوا الى الاركان فهيؤا المحل واتبعتهم ثلاثة أخر من الامناء وأخذوا من الثانية ما يحتاجون اليه من نوابهم ثم نزلوا الى السماء الثالثة والخامسة من هناك فأخذوا ملكين ومروا بالسماء السادسة فأخذوا نائبا آخر من الملائكة ونزلوا الى الاركان ليكملوا التسوية فنزلت الستة الباقية وأخذت ما بقى من النواب فى السماء الثانية وفى السموات فاجتمع الكل على تسوية هذه النشأة باذن العليم الحكيم فلما تمت نشأته واستقامت بنيته توجه الروح من عالم الامر فنفخ فى تلك الصورة روحا سرت فيه بوجودها الحياة فقام ناطقا بالحمد والثناء لمن أوجده جبلة جبل عليها وفى نفسه عزة وعظمة لا يعرف سببها ولا على من يعتز بها اذ لم يكن ثم مخلوق آخر من عالم الطبائع سواه فبقى عابدا لربه مصرا على عزته متواضعا لربوبية موجده بما يعرض له مما هو عليه فى نشأته الى أن خلق آدم فلما رأى الجان صورته غلب على واحد منهم اسمه الحارث بغض تلك النشأة وتجهم وجهه لرؤية تلك الصورة الآدمية وظهر ذلك منه لجنسه فعتبوه لذلك لما رأوه عليه من الغم والحزن لها فلما كان من أمر آدم ما كان أظهر الحارث ما كان يجد فى نفسه منه وأبى عن امتثال أمر خالقه بالسجود لآدم واستكبر على آدم بنشأته وافتخر بأصله وغاب عنه سر قوة الماء الذى جعل الله منه كل شئ حى ومنه كانت حياة الجان وهم لا يشعرون وتأمل ان كنت من أهل الفهم قوله تعالى وكان عرشه على الماء لحيى العرش وما حوى عليه من المخلوقات وان من شئ الا يسبح بحمده فجاء بالنكرة ولا يسبح الا حى وورد فى الحديث الحسن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الملائكة قالت يارب فى حديث طويل هل خلقت شيأ أشد من النار قال نعم الماء فجعل الماء أقوى من النار فلو كان عنصر الهواء فى نشأة الجان غير مشتعل بالنار لكان الجان أقوى من بنى آدم فان الهواء أقوى من الماء فان الملائكة قالت فى هذا الحديث يارب فهل خلقت شيأ أشد من الماء قال نعم الهواء ثم قالت يارب فهل خلقت شيأ أشد من الهواء قال نعم ابن آدم الحديث فجعل النشأة الانسانية أقوى من الهواء وجعل الماء أقوى من النار وهو العنصر الاعظم فى الانسان كما ان النار العنصر الاعظم فى الجان ولهذا قال فى الشيطان ان كيد الشيطان كان ضعيفا فلم ينسب اليه من القوة شيأ ولم يرد على العزيز فى قوله

ان كيد كن عظيم ولأ كذبه مع ضعف عقل المرأة عن عقل الرجل فان النساء ناقصات عقل فما ظنك بقوة الرجل ؛ وسبب ذلك ان النشأة الانسانية تعطى التؤدة فى الامور والاناة والفكر والتدبير لغلبة العنصر بن الماء والتراب على مزاجه فيكون وافر العقل لان التراب يثبطه ويمسكه والماء يلينه ويسهله والجن ليس كذلك فانه ليس لعقله ما يمسكه عليه ذلك الامساك الذى للانسان ولهذا يقال فلان خفيف العقل وسخيف العقل اذا كان ضعيف الرأى هاباجة وهذا هو نعت الجان وبه ضل عن طريق الهدى لخفة عقله وعدم تثبته فى نظره فقال أنا خير منه فجمع بين الجهل وسوء الادب لخفته فمن عصى من الجان كان شيطانا أى مبعودا من رحمة الله وكان أول من سمى شيطانا من الجن الحارث فابلسه الله أى طرده من رحمته وطرد الرحمة عنه ومنه تفرعت الشياطين باجمعها فمن آمن منهم مثل هامة بن الهام بن لاقيس بن ابليس التحق بالمؤمنين من الجن ومن بقى على كفره كان شيطانا وهى مسئلة خلاف بين علماء الشريعة فقال بعضهم ان الشيطان لا يسلم أبدا وتأول قوله عليه السلام فى شيطانه وهو القرين الموكل به ان الله أعانه عليه فاسلم روى برفع الميم وفتحها أيضا فتأول هذا القائل الرفع بانه قال فاسلم منه أى ليس له على سبيل وهكذا تأوله المخالف وتأول الفتح فيه على الانقياد قال فمعناه انقاد مع كونه عدوا فهو بعينه لا يامرنى الا بخير جبرا من الله وعصمة لرسول الله صلى الله عليه وسلم وقال المخالف معنى فاسلم بالفتح أى آمن بالله كما يسلم الكافر عندنا فيرجع مؤمنا وهو الاولى والاوجه وأكثر الناس يزعمون انه أول الجن بمنزلة آدم من الناس وليس كذلك عندنا بل هو واحد من الجن وان الاول فيهم بمنزلة آدم فى البشر انما هو غيره ولذلك قال الله تعالى الا ابليس كان من الجن أى من هذا الصنف من المخلوقين كما كان قابيل من البشر وكتبه الله شقيا فهو أول الاشقياء من البشر وابليس أول الاشقياء من الجن وعذاب الشياطين من الجن فى جهنم أكثر ما يكون بالزمهرير لا بالحرور وقد يعذب بالنار وبنو آدم أكثر عذابهم بالنار ووقفت يوما على مخبول العقل من الاولياء وعيناه تدمعان وهو يقول للناس لا تتفقوا مع قوله تعالى لأملأن جهنم منك لا بابليس فقط بل انظر والى اشارته سبحانه لكم بقوله لابليس جهنم منك فانه مخلوق من النار فيعود لعنه الله الى أصله وان عذب به فعذاب الفخار بالنار أشد فتحفظوا انما نظر هذا الولى من ذكر جهنم الا النار خاصة وغفل عن ان جهنم اسم لحرورها وزمهريرها وبجملتها سميت جهنم لانها كريهة المنظر والجهام السحاب الذى قد هرق ماءه والغيث رحمة الله فلما أزال الله الغيث من السحاب بازاله أطلق عليه اسم الجهام لزوال الرحمة الذى هو الغيث منه كذلك الرحمة أزالها الله من جهنم فكانت كريهة المنظر والمخبر وسميت أيضا جهنم لبعد قعرها يقال ركية جهنام اذا كانت بعيدة القعر نسأل الله العظيم لنا وللمؤمنين الامن منها ويكفى هذا القدر من هذا الباب

﴿الباب العاشر﴾

فى معرفة دورة الملك وأول منفصل فيها عن أول موجود وآخر منفصل فيها عن آخر منفصل عنه وبماذا عمر الموضع المنفصل عنه منهما وتمهيد الله هذه المملكة حتى جاء مليكها ومامرتبة العالم الذى بين عيسى ومحمد عليهما السلام وهو زمان الفترة

الملك لولا وجود الملك ماعرفا ＊ ولم تكن صفة مما به وصفا
فدورة الملك برهان عليه لذا ＊ قد التقت طرفاها هكذا كشفا
فكان آخرها كمثل أولها ＊ وكان أولها عن سابق سلفا
وعند ما كملت بالختم قام بها ＊ مليكها سيد الله معترفا
أعطاه خالقه فضلا معارفها ＊ وما يكون وما قد كان وانصرفا

اعلم أيدك الله انه ورد فى الخبر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال أنا سيد ولد آدم ولا فخر بالراء وفى رواية بالزاى وهو التبجح بالباطل وفى صحيح مسلم أنا سيد الناس يوم القيامة فثبتت له السيادة والشرف على أبناء جنسه من البشر وقال عليه السلام كنت نبيا وآدم بين الماء والطين يريد على علم بذلك فاخبره الله تعالى بمرتبته وهو روح قبل ايجاده الاجسام

الانسانية كما أخذ الميثاق على بنى آدم قبل ايجاد أجسامهم وألحقنا الله تعالى بأنبيائه بان جعلنا شهداء على أممهم معهم حين يبعث من كل أمة شهيدا عليهم من أنفسهم وهم الرسل فكانت الانبياء فى العالم نوّابه صلى الله عليه وسلم من آدم الى آخر الرسل عليهم السلام وقد أبان صلى الله عليه وسلم عن هذا المقام بامور منها قوله صلى الله عليه وسلم والله لو كان موسى حيا ما وسعه الا أن يتبعنى وقوله فى نزول عيسى بن مريم فى آخر الزمان انه يؤمنا أى يحكم فينا بسنة نبينا عليه السلام ويكسر الصليب ويقتل الخنزير ولو كان محمد صلى الله عليه وسلم قد بعث فى زمان آدم لكانت الانبياء وجميع الناس تحت حكم شريعته الى يوم القيامة حسا ولهذا لم يبعث عامة الا هو خاصة فهو الملك والسيد وكل رسول سواه فبعث الى قوم مخصوصين فلم تعم رسالة أحد من الرسل سوى رسالته صلى الله عليه وسلم فمن زمان آدم عليه السلام الى زمان بعث محمد صلى الله عليه وسلم الى يوم القيامة ملكه وتقدمه فى الآخرة على جميع الرسل وسيادته منصوص على ذلك فى الصحيح عنه فروحانيته صلى الله عليه وسلم موجودة وروحانية كل نبى ورسول فكان الامداد يأتى اليهم من تلك الروح الطاهرة بما يظهرون به من الشرائع والعلوم فى زمان وجودهم رسلا وتشريعه الشرائع كعلى ومعاذ وغيرهما فى زمان وجودهم ووجوده صلى الله عليه وسلم وكالياس وخضر عليهما السلام وعيسى عليه السلام فى زمان ظهوره فى آخر الزمان حاكما بشرع محمد صلى الله عليه وسلم فى أمته المقرر فى الظاهر لكن لما لم يتقدم فى عالم الحس وجود عينه صلى الله عليه وسلم أولا نسب كل شرع الى من بعث به وهو فى الحقيقة شرع محمد صلى الله عليه وسلم وان كان مفقود العين من حيث لا يعلم ذلك كما هو مفقود العين الآن وفى زمان نزول عيسى عليه السلام والحكم بشرعه وأما نسخ الله بشرعه جميع الشرائع فلا يخرج هذا النسخ ما تقدم من الشرائع أن يكون من شرعه فان الله قد أشهدنا فى شرعه الظاهر المنزل به صلى الله عليه وسلم فى القرآن والسنة النسخ مع اجماعنا واتفاقنا على ان ذلك المنسوخ شرعه الذى بعث به الينا فنسخ بالمتأخر المتقدم فكان تنبيهنا هذا النسخ الموجود فى القرآن والسنة على ان نسخه لجميع الشرائع المتقدمة لا يخرجها عن كونها شرعا له وكان نزول عيسى عليه السلام فى آخر الزمان حاكما بغير شرعه أو بعضه الذى كان عليه فى زمان رسالته وحكمه بالشرع المحمدى المقرر اليوم دليلا على انه لا حكم لاحد اليوم من الانبياء عليهم السلام مع وجود ما قرره صلى الله عليه وسلم فى شرعه ويدخل فى ذلك ما هم عليه أهل الذمة من أهل الكتاب ما داموا يعطون الجزية عن يد وهم صاغرون فان حكم الشرع على الاحوال تخرج من هذا المجموع كله انه ملك وسيد على جميع بنى آدم وان جميع من تقدمه كان ملكا له وتبعا والحاكمون فيه نوّاب عنه فان قيل فقوله صلى الله عليه وسلم لا تفضلونى فالجواب نحن ما فضلناه بل الله فضله فان ذلك ليس لنا وان كان قد ورد أولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده لما ذكر الانبياء عليهم السلام فهو صحيح فانه قال فبهداهم وهداهم من الله وهو شرعه صلى الله عليه وسلم أى الزم شرعك الذى ظهر به نوّابك من اقامة الدين ولا تتفرقوا فيه فلم يقل فبهم اقتده وفى قوله ولا تتفرقوا فيه تنبيه على أحدية الشرائع وقوله اتبع ملة ابراهيم وهو الدين فهو مأمور باتباع الدين فان الدين انما هو من الله لا من غيره وانظروا فى قوله عليه السلام لو كان موسى حيا ما وسعه الا أن يتبعنى فاضاف الاتباع اليه وأمر هو صلى الله عليه وسلم باتباع الدين وهدى الانبياء لا بهم فان الامام الاعظم اذا حضر لا يبقى لنائب من نوّابه حكم الا له فاذا غاب حكم النوّاب بمراسمه فهو الحاكم غيبا وشهادة وما أوردنا هذه الاخبار والتنبيهات الا لانسان لا يعرف هذه المرتبة من كشفه ولا أطلعه الله على ذلك من نفسه وأما أهل الله فهم على ما نحن عليه فيه فقد قامت لهم شواهد التحقيق على ذلك من عند ربهم فى نفوسهم وان كان يتصوّر على جميع ما أوردناه فى ذلك احتمالات كثيرة فذلك راجع الى ما تعطيه الالفاظ من القوّة فى أصل وضعها الا ما هو عليه الامر فى نفسه عند أهل الاذواق الذين يأخذون العلم عن الله كالخضر وأمثاله فان الانسان ينطق بالكلام يريد به معنى واحدا مثلا من المعانى التى يتضمنها ذلك الكلام فاذا فسر بغير مقصود المتكلم من تلك المعانى فانما فسر المفسر بعض ما تعطيه قوّة اللفظ وان كان لم يصب مقصود المتكلم ألا ترى الصحابة كيف شق عليهم قوله تعالى الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم فأتى به نكرة فقالوا وأينا لم يلبس ايمانه بظلم فهؤلاء الصحابة وهم العرب الذين نزل القرآن بلسانهم ما عرفوا

مقصود الحق من الآية والذى نظروه سائغ فى الكلمة غير منكور فقال لهم النبى صلى الله عليه وسلم ليس الامر كما ظننتم وانما أراد الله بالظلم هنا ما قال لقمان لابنه وهو يعظه يا بنى "لا تشرك بالله ان الشرك لظلم عظيم" فقوله الكلمة تعم كل ظلم وقصد المتكلم انما هو ظلم معين مخصوص فكذلك ما أوردناه من الاخبار فى أن بنى آدم سوقة وملك هذا السيد محمد صلى الله عليه وسلم هو المقصود من طريق الكشف كما كان الظلم هناك المقصود من المتكلم به الشرك خاصة ولذلك تتقوى التفاسير فى الكلام بقرائن الاحوال فانها المميزة للمعانى المقصودة للمتكلم فكيف من عنده "الكشف الالهى" والعلم اللدنى "الربانى" فينبغى للعاقل المنصف أن يسلم لهؤلاء القوم ما يخبرون به فان صدقوا فى ذلك فذلك الظن بهم واتصفوا بالتسليم حيث لم يرد المسلم ما هو حق فى نفس الامر وان لم يصدقوا لم يضر المسلم بل انتفعوا حيث تركوا الخوض فيما ليس لهم به قطع ورد وأعلم ذلك الى الله تعالى فوفوا الربوبية حقها اذ كان ما قاله أولياء الله ممكنا فالتسليم أولى بكل وجه وهذا الذى نزعنا اليه من دورة الملك قال به غيرنا كالامام أبى القاسم بن قسى فى خلعه وهو رويناه عن ابنه عنه وهو من سادات القوم وكان شيخه الذى كشف له على يديه من أكبر شيوخ المغرب يقال له ابن خليل من أهل لبلة فنحن ما نعتمد فى كل ما نذكره الا على ما يلقى الله عندنا من ذلك لا على ما تحتمله الالفاظ من الوجوه وقد تكون جميع المحتملات فى بعض الكلام مقصودة للمتكلم فنقول بها كلها فدورة الملك عبارة عما مهد الله من آدم الى زمان محمد صلى الله عليه وسلم من الترتيبات فى هذه النشأة الانسانية بما ظهر من الاحكام الالهية فيها فكانوا خلفاء الخليفة السيد فأول موجود ظهر من الاجسام الانسانية كان آدم عليه السلام وهو الاب الاول من هذا الجنس وسائر الآباء من الاجناس يأتى بعد هذا الباب ان شاء الله وهو أول من ظهر بحكم الله من هذا الجنس ولكن كما قررناه ثم فصل عنه أبا ثانيا لنا سماه أما فصح لهذا الاب الاول الدرجة عليها لكونه أصلا لها ختم النواب من دورة الملك بمثل ما به بدأ لينبه على ان الفضل بيد الله وان ذلك الامر ما اقتضاه الاب الاول لذاته فأوجد عيسى عن مريم فتنزلت مريم منزلة آدم وتنزل عيسى منزلة حواء فكما وجدت أنثى من ذكر وجد ذكر من أنثى ختم بمثل ما به بدأ فى ايجاد ابن من غير أب كما كانت حواء من غير أم فكان عيسى وحواء اخوان وكان آدم ومريم أبوان لهما ان مثل عيسى عند الله كمثل آدم فأوقع التشبيه فى عدم الابوة الذكرانية من أجل انه نصبه دليلا لعيسى فى براءة أمه ولم يوقع التشبيه بحواء وان كان الامر عليه لكون المرأة محل التهمة لوجود الحمل اذ كانت محلا موضوعا للولادة وليس الرجل بمحل لذلك والمقصود من الادلة ارتفاع الشكوك وفى حواء من آدم لا يقع الالتباس لكون آدم ليس محلا لما صدر عنه من الولادة وهذا لا يكون دليلا الا عند من ثبت عنده وجود آدم وتكوينه والتكوين منه وكما لا يعهد ابن من غير أب كذلك لا يعهد من غير أم فالمثل من طريق المعنى ان عيسى كحواء ولكن لما كان الدخل يتطرق فى ذلك من المنكر لكون الانثى كما قلنا محلا لما صدر عنها ولذلك كانت التهمة كان التشبيه بآدم لحصول براءة مريم مما يمكن فى العادة فظهور عيسى من مريم من غير أب كظهور حواء من آدم من غير أم وهو الاب الثانى ولما انفصلت حواء من آدم عمر موضعها منه بالشهوة النكاحية اليها التى وقع بها الغشيان لظهور التناسل والتوالد وكان الهواء الخارج الذى عمر موضعه جسم حواء عند خروجها اذ لا خلاء فى العالم فطلب ذلك الجزء الهوائى موضعه الذى أخذته حواء بشخصيتها فحرك آدم لطلب موضعه فوجده معمورا بحواء فوقع عليها فلما تغشاها حملت منه فجاءت بالذرية فبقى ذلك سنة جارية فى الحيوان من بنى آدم وغيره بالطبع لكن الانسان هو الكلمة الجامعة ونسخة العالم فكل ما فى العالم جزء منه وليس الانسان بجزء لواحد من العالم وكان سبب هذا الفصل وايجاد هذا المنفصل الاول طلب الانس بالمشاكل فى الجنس الذى هو النوع الاخص وليكون فى عالم الاجسام بهذا الالتحام الطبيعى "الانسانى" الكامل بالصورة الذى أراده الله ما يشبه القلم الاعلى واللوح المحفوظ الذى يعبر عنه بالعقل الاول والنفس الكل واذا فات القلم الاعلى فتفطن للاشارة التى تتضمن الكاتب وقصد الكتابة فيقوم معك معنى قول الشارع ان الله خلق آدم على صورته ثم عبارة الشارع فى الكتاب العزيز فى ايجاد الاشياء عن كن فأتى بحرفين اللذين هما بمنزلة المقدمتين وما يكون عند كن بالنتيجة وهذان الحرفان هما الظاهران والثالث الذى هو

الرابط

الرابط بين المقدمتين خفى فى كن وهو الواو المحذوف لالتقاء الساكنين كذلك اذا التقى الرجل والمرأة مع تلاقم عين ظاهرة فكان القاؤه النطفة فى الرحم غيبا لانه سر ولهذا عبر عن النكاح بالسر فى المسار فقال ولكن لاتواعدوهن سرا وكذلك عند الالقاء يسكن عن الحركة ويمكن اخفاء القلم كما خفى الحرف الثالث الذى هو واو من كن للساكنين وكان الواو لان له العلو لانه متولد عن الرفع وهو اشباع الضمة وهو من حروف العلة هذا الذى ذكرناه انما هو اذا كان الملك عبارة عن الاناسي خاصة فان نظرنا الى سيادته على جميع ماسوى الحق كما ذهب اليه بعض الناس للحديث المروى ان الله يقول لولاك يامحمد ماخلقت سماء ولا أرضا ولا جنة ولا نارا وذكر خلق كل ماسوى الله فيكون أول منفصل فيها النفس الكلية عن أول موجود وهو العقل الاول وآخر منفصل فيها حواء عن آخر موجود آدم فان الانسان آخر موجود من أجناس العالم فانه ماثم الاستة أجناس وكل جنس تحته أنواع وتحت الانواع أنواع فالجنس الاول الملك والثانى الجان والثالث المعدن والرابع النبات والخامس الحيوان وانتهى الملك وتمهد واستوى وكان الجنس السادس جنس الانسان وهو الخليفة على هذه المملكة وانما وجد آخرا ليكون اماما بالفعل حقيقة لا بالصلاحية والقوة فعندما وجد عينه لم يوجد الاواليا ساطانا ملحوظا ثم جعل له نوابا حين تأخرت نشأة جسده فاول نائب كان له وخليفة آدم عليه السلام ثم ولد واتصل النسل وعين فى كل زمان خلفاء الى أن وصل زمان نشأة الجسم الطاهر محمد صلى الله عليه وسلم فظهر مثل الشمس الباهرة فاندرج كل نور فى نوره الساطع وغاب كل حكم فى حكمه وانقادت جميع الشرائع اليه وظهرت سيادته التى كانت باطنة فهو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم فانه قال أوتيت جوامع الكلم وقال عن ربه ضرب بيده بين كتفى فوجدت برد انامله بين ثديى فعلمت علم الاولين والآخرين فحصل له التخلق والنسب الالهى من قوله تعالى عن نفسه هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم وجاءت هذه الآية فى سورة الحديد الذى فيه بأس شديد ومنافع للناس فلذلك بعث بالسيف وأرسل رحمة للعالمين وكل منفصل عن شئ فقد كان عامرا لما عنه انفصل وقد قلنا انه لاخلاء فى العالم فعمر موضع انفصاله بظله اذ كان انفصاله الى النور وهو الظهور فلما قابل النور بذاته امتد ظله فعمر موضع انفصاله فلم يفقده من انفصل عنه فكان مشهودا لمن انفصل اليه ومشهودا لمن انفصل عنه وهو المعنى الذى أراده القائل بقوله (شهدتك موجودا بكل مكان) فمن أسرار العالم انه مامن شئ يحدث الا وله ظل يسجد لله ليقوم بعبادة ربه على كل حال سواء كان ذلك الامر الحادث مطيعا أو عاصيا فان كان من أهل الموافقة كان هو وظله على السواء وان كان مخالفا ناب ظله منابه فى الطاعة لله قال الله تعالى وظلالهم بالغدو والآصال السلطان ظل الله فى الارض اذ كان ظهوره بجميع صور الاسماء الالهية التى لها الاثر فى عالم الدنيا والعرش ظل الله فى الآخرة فالظلالات أبدا تابعة للصورة المنبعثة عنها حسا ومعنى فالحس قاصر لايقوى قوة الظل المعنوى للصورة المعنوية لانه يستدعى نورا مقيدا لما فى الحس من التقييد والضيق وعدم الاتساع ولهذا نبهنا على الظل المعنوى بما جاء فى الشرع من أن السلطان ظل الله فى الارض فقد بان لك ان بالظلالات عمرت الاماكن فنحن قد ذكرنا طرفا مما يليق بهذا الباب ولم نمعن فيه مخافة التطويل وفيما أوردناه كفاية لمن تنبه ان كان ذا فهم سليم وتذكرة لمن شاهد وعلم واشتغل بما هو أعلى أو غفل بما هو أنزل فيرجع الى ماذكرناه عندما ينظر فى هذا الباب

﴿فصل﴾ وأما من نبأ العالم الذى بين عيسى عليه السلام ومحمد صلى الله عليه وسلم وهم أهل الفترة فهم على مراتب مختلفة بحسب مايتجلى لهم من الاسماء عن علم منهم بذلك وعن غير علم فمنهم من وحد الله بما تجلى لقلبه عند فكره وهو صاحب الدليل فهو على نور من ربه ممتزج بكون من أجل فكره فهذا يبعث أمة وحده كقس بن ساعدة وأمثاله فانه ذكر فى خطبته مايدل على ذلك فانه ذكر المخلوقات واعتباره فيها وهذا هو الفكر ومنهم من وحد الله بنور وجده فى قلبه لايقدر على دفعه من غير فكرة ولا روية ولا نظر ولا استدلال فهم على نور من ربهم خالص غير ممتزج بكون فهؤلاء يحشرون أحفياء أبرياء ومنهم من ألقى فى نفسه واطلع من كشفه لشدة نوره وصفاء سره لخلوص يقينه على منزلة محمد

صلى الله عليه وسلم وسيادته وعموم رسالته باطنا من زمان آدم الى وقت هذا المكاشف فآمن به فى عالم الغيب على شهادة منه وبينة من ربه وهو قوله تعالى أفمن كان على بينة من ربه ويتلوه شاهد منه يشهد له فى قلبه بصدق ما كوشف به فهذا يحشر يوم القيامة فى ضمان خلقه وفى باطنية محمد صلى الله عليه وسلم ومنهم من تبع ملة حق ممن تقدمه كمن تهود أو تنصر أو اتبع ملة ابراهيم أو من كان من الانبياء لما علم وأعلم انهم رسل من عند الله يدعون الى الحق لطائفة مخصوصة فتبعهم وآمن بهم وسلك سننهم فحرم على نفسه ما حرمه ذلك الرسول وتعبد نفسه مع الله بشريعته وان كان ذلك ليس بواجب عليه اذ لم يكن ذلك الرسول مبعوثا اليه فهذا يحشر مع من تبعه يوم القيامة ويتميز فى زمرته فى ظاهريته اذ كان شرع ذلك النبى قد تقرر فى الظاهر ومنهم من طالع فى كتب الانبياء شرف محمد صلى الله عليه وسلم ودينه وثواب من اتبعه فآمن به وصدق على علم وان لم يدخل فى شرع نبى ممن تقدم وأتى مكارم الاخلاق فهذا أيضا يحشر فى المؤمنين بمحمد صلى الله عليه وسلم لا فى العاملين ولكن فى ظاهريته صلى الله عليه وسلم ومنهم من آمن بنبيه وأدرك نبوة محمد صلى الله عليه وسلم فآمن به فله أجران وهؤلاء كلهم سعداء عند الله ومنهم من عطل فلم يقر بوجود عن نظر قاصر وذلك القصور هو بالنظر اليه غاية قوته لضعف فى مزاجه عن قوة غيره ومنهم من عطل لا عن نظر بل عن تقليد فذلك شقى مطلق ومنهم من أشرك عن نظر أخطأ فيه طريق الحق مع بذل المجهود الذى تعطيه قوته ومنهم من أشرك لا عن استقصاء نظر فذلك شقى ومنهم من أشرك عن تقليد فذلك شقى ومنهم من عطل بعد ما أثبت عن نظر بلغ فيه أقصى القوة التى هو عليها لضعفها ومنهم من عطل بعد ما أثبت لا عن استقصاء فى النظر أو تقليد فذلك شقى فهذه كلها مراتب أهل الفترة الذين ذكرناهم فى هذا الباب

﴿الباب الحادى عشر فى معرفة آبائنا العلويات وأمهاتنا السفليات﴾

أنا ابن آباء أرواح مطهرة * وأمهات نفوس عنصريات
ما بين روح وجسم كان مظهرنا * عن اجتماع بتعنيق ولذات
ما كنت عن واحد حتى أوحده * بل عن جماعة آباء وأمات
هم لاله اذا حققت شأنهمو * كصانع صنع الاشياء بآلات
فنسبة الصنع للنجار ليس لها * كذاك أوجدنا رب البريات
فيصدق الشخص فى توحيد موجده * ويصدق الشخص فى اثبات علات
فان نظرت الى الآلات طال بنا * اسناد عنعنة حتى الى الذات
وان نظرت اليه وهو يوجدنا * قلنا بوحدته لا بالجماعات
انى ولدت وحيد العين منفردا * والناس كلهمو أولاد علات

اعلم أيدك الله انه لما كان المقصود من هذا العالم الانسان وهو الامام لذلك أضفنا الآباء والامهات اليه فقلنا آباؤنا العلويات وأمهاتنا السفليات فكل مؤثر أب وكل مؤثر فيه أم هذا هو الضابط لهذا الباب والمتولد بينهما من ذلك الاثر يسمى ابنا ومولدا وكذلك المعانى فى انتاج العلوم انما هو بمقدمتين تنكح احداهما الاخرى بالمفرد الواحد الذى يتكرر فيهما وهو الرابط وهو النكاح والنتيجة التى تصدر بينهما هى المطلوبة فالارواح كلها آباء والطبيعة أم لما كانت محل الاستحالات وتتوجه هذه الارواح على هذه الاركان التى هى العناصر القابلة للتغيير والاستحالة تظهر فيها المولدات وهى المعادن والنبات والحيوان والجان والانسان أكملها وكذلك جاء شرعنا أكمل الشرائع حيث جرى مجرى الحقائق الكلية فأوتى جوامع الكلم واقتصر على أربع نسوة وحرم ما زاد على ذلك بطريق النكاح الموقوف على العقد فلم يدخل فى ذلك ملك اليمين وأباح ملك اليمين فى مقابلة الامر الخامس الذى ذهب اليه بعض العلماء كذلك الاركان من عالم الطبيعة أربعة وبنكاح العالم العلوى لهذه الاربعة يوجد الله ما يتولد فيها واختلفوا فى ذلك على ستة مذاهب (فطائفة) زعمت ان كل واحد من هذه الاربعة أصل فى نفسه وقالت طائفة ركن النار هو الاصل

فما كثف منه كان هواء وما كثف من الهواء كان ماء وما كثف من الماء كان ترابا وقالت طائفة ركن الهواء هو الاصل فما خف منه كان نارا وما كثف منه كان ماء وقالت طائفة ركن الماء هو الاصل وقالت طائفة ركن التراب هو الاصل وقالت طائفة الاصل أمر خامس ليس واحدا من هذه الاربعة وهذا هو الذي جعلناه بمنزلة ملك اليمين فعمت شريعة في النكاح ثم المذاهب ليندرج فيها جميع المذاهب وهذا المذهب بالاصل الخامس هو الصحيح عندنا وهو المسمى بالطبيعة فان الطبيعة معقول واحد عنها ظهر ركن النار وجميع الاركان فيقال ركن النار من الطبيعة ما هو عينها ولا يصح أن يكون المجموع الذي هو عين الاربعة فان بعض الاركان منافر للآخر بالكلية وبعضها منافر لغيره بأمر واحد كالنار والماء متنافران من جميع الوجوه والهواء والتراب كذلك ولهذا رتبها الله في الوجود ترتيبا حكميا لاجل الاستحالات فلو جعل المنافر مجاور المنافره لما استحال اليه وتعطلت الحكمة فجعل الهواء يلي ركن النار والجامع بينهما الحرارة وجعل الماء يلي الهواء والجامع بينهما الرطوبة وجعل التراب يلي الماء والجامع بينهما البرودة فالمحيل أب والمستحيل أم والاستحالة نكاح والذي استحال اليها ابن فالمتكلم أب والسامع أم والتكلم نكاح والموجود من ذلك في فهم السامع ابن فكل أب علوي فانه مؤثر وكل أم سفلية فانها مؤثر فيها وكل نسبة بينهما معينة نكاح وتوجه وكل نتيجة ابن ومن هنا يفهم قول المتكلم لمن يريد قيامه قم فيقوم المراد بالقيام عن أثر لفظة قم فان لم يقم السامع وهو أم بلا شك فهو عقيم واذا كان عقيما فليس بأم في تلك الحالة وهذا الباب انما يختص بالامهات فاول الآباء العلوية معلوم وأول الامهات السفلية شيئية المعدوم الممكن وأول نكاح القصد بالامر وأول ابن وجود عين تلك الشيئية التي ذكرنا فهذا أب سارى الابوة وتلك أم سارية الامومة وذلك النكاح سار في كل شيء والنتيجة دائمة لا تنقطع في حق كل ظاهر العين فهذا يسمى عندنا النكاح السارى في جميع الذرارى يقول الله تعالى في الدليل على ما قلناه انما قولنا لشيء اذا أردناه أن نقول له كن فيكون ولنا فيه كتاب شريف منيع الحمى البصير فيه أعمى فكيف من حل به العمى فلو رأيت تفصيل هذا المقام وتوجهات هذه الاسماء الالهية الاعلام لرأيت أمرا عظيما وشاهدت مقاما هائلا عجيبا فلقد تنزه العارفون بالله وبصنعه الجميل باولى وبعد ان أشرت الى فهمك الثاقب ونظرك الصائب بالاب الاول السارى وهو الاسم الجامع الاعظم الذي تتبعه جميع الاسماء في رفعه ونصبه وخفضه السارى حكمه والام الاولية الآخرية السارية في نسبة الانوثة في جميع الابناء فللشرع في الآباء الذين هم أسباب موضوعة بالوضع الالهي والامهات واتصالهما بالنكاح المعنوى والحسى المشروع حتى يكون الابناء أبناء حلال الى ان أصل الى التناسل الانسانى وهو آخر نوع تكون وأول مبدع بالقصد تعين فنقول ان العقل الاول الذي هو أول مبدع خلق وهو القلم الاعلى ولم يكن ثم محدث سواه وكان مؤثرا فيه بما أحدث الله فيه من انبعاث اللوح المحفوظ عنه كانبعاث حواء من آدم في عالم الاجرام ليكون ذلك اللوح موضعا ومحلا لما يكتب فيه هذا القلم الاعلى الالهي وتخطيط الحروف الموضوعة للدلالة على ما جعلها الحق تعالى أدلة عليه فكان اللوح المحفوظ أول موجود انبعاثي وقد ورد في الشرع ان أول ما خلق الله القلم ثم خلق اللوح وقال للقلم اكتب قال القلم وما أكتب قال الله له اكتب وأنا أملى عليك فخط القلم في اللوح ما يملى عليه الحق وهو علمه في خلقه الذي يخلق الى يوم القيامة فكان بين القلم واللوح نكاح معنوى معقول وأثر حسى مشهود ومن هنا كان العمل بالحروف المرقومة عندنا وكان ما أودع في اللوح من الاثر مثل الماء الدافق الحاصل في رحم الانثى وما ظهر من تلك الكتابة من المعانى المودعة في تلك الحروف الجرمية بمنزلة أرواح الاولاد المودعة في أجسامهم فافهم والله يقول الحق وهو يهدى السبيل وجعل الحق في هذا اللوح العاقل عن الله ما أوحى به اليه المسبح بحمده الذي لا يفقه تسبيحه الا من أعلمه الله به وفتح سمعه لما يورده كما فتح سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن حضر من أصحابه لادراك تسبيح الحصى في كفه الطاهرة الطيبة صلى الله عليه وسلم وانما قلنا افتح سمعه اذ كان الحصى ما زال منذ خلقه الله مسبحا بحمد موجده فكان خرق العادة في الادراك السمعى لا فيه ثم أوجد فيه صفتين صفة علم وصفة عمل فبصفة العمل تظهر صور العلم عنه كما تظهر صورة التابوت المعين عند عمل النجار فيها بعطى

الصور والصورة على قسمين صور ظاهرة حسية وهي الاجرام وما يتصل بها حسا كالاشكال والالوان والاكوان وصور باطنة معنوية غير محسوسة وهي ما فيها من العلوم والمعارف والارادات وبين تلك الصفتين ظهر ما ظهر من الصور فالصفة العلامة أب فانها المؤثرة والصفة العاملة أم فانها المؤثر فيها وعنها ظهرت الصور التي ذكرناها فان النجار المهندس اذا كان عالما ولا يحسن العمل فيلقي ما عنده على سمع من يحسن عمل النجارة وهذا الالقاء نكاح فكلام المهندس أب وقبول السامع أم ثم يصير السامع أبا وجوارحه أما وان شئت قلت فالمهندس أب والصانع الذي هو النجار أم من حيث ما هو مصغ لما يلقي اليه المهندس فاذا أثر فيه فقد أنزل ما في قوته في نفس النجار والصورة التي ظهرت للنجار في باطنه مما ألقى اليه المهندس وحصلت في وجود خياله قائمة ظاهرة له بمنزلة الولد الذي ولد له فهمه من المهندس ثم عمل النجار فهو أب في الخشب الذي هو أم النجارة بالآلات التي يقع بها النكاح وانزال الماء الذي هو أثر كل ضربة بالقدوم أو قطع بالمنشار وكل قطع وفصل وجمع في القطع المنجورة لانشاء الصورة فظهر التابوت الذي هو بمنزلة الولد المولود الخارج للحس فهكذا فلتفهم الحقائق في ترتيب الآباء والامهات والابناء وكيفية الانتاج فكل أب ليس عنده صفة العمل فليس هو أب من ذلك الوجه حتى انه لو كان عالما ومنع آلة التوصيل بالكلام أو الاشارة ليقع الافهام وهو غير عامل لم يكن أبا من جميع الوجوه وكان أما لما حصل في نفسه من العلوم غير ان الجنين لم يخلق فيه الروح في بطن أمه أو مات في بطن أمه فاخانته طبيعة الام الى ان تصرف ولم يظهر له عين فافهم وبعد ان عرفت الاب الثاني من الممكنات وانه أم ثانية للقلم الاعلى كان مما ألقى اليها من الالقاء الاقدس الروحاني الطبيعة والهباء فكان أول أم ولدت توأمين فاول ما ألقت الطبيعة ثم تبعتها بالهباء فالطبيعة والهباء أخ وأخت لاب واحد وأم واحدة فانكح الطبيعة الهباء فولد بينهما صورة الجسم الكلي وهو أول جسم ظهر فكان الطبيعة الاب فان لها الاثر وكان الهباء الام فان فيها ظهر الاثر وكانت النتيجة الجسم ثم نزل التوالد في العالم الى التراب على ترتيب مخصوص ذكرناه في كتابنا المسمى بعقلة المستوفز وفيه طول لا يسعه هذا الباب فان الغرض الاختصار ونحن لا نقول بالمركز وانما نقول بنهاية الاركان وان الاعظم يجذب الاصغر ولهذا نرى البخار والنار يطلبان العلو والحجر وما أشبهه يطلب السفل فاختلفت الجهات وذلك على الاستقامة من الاثنين أعني طالب العلو والسفل فان القائل بالمركز يقول انه أمر معقول دقيق تطلبه الاركان ولولا التراب لدار به الماء ولولا الماء لدار به الهواء ولولا الهواء لدار به النار ولو كان كما قال لكنا نرى البخار يطلب السفل والحس يشهد بخلاف ذلك وقد بينا هذا الفصل في كتاب المركز لنا وهو جزء لطيف فاذا ذكرناه في بعض كتبنا انما نسوقه على جهة مثل النقطة من الاكرة التي منها يحدث المحيط لما ناسب ذلك من الغرض المتعلق بالمعارف الالهية والنسب لكون الخطوط الخارجة من النقطة الى المحيط على السواء لتساوي النسب حتى لا يقع هناك تفاضل فانه لو وقع تفاضل أدى الى نقص المفضول والامر ليس كذلك وجعلناه محل العنصر الاعظم تنبيها على ان الاعظم يحكم على الاقل وذكرناه مشارا اليه في عقلة المستوفز ولما أدار الله هذه الافلاك العلوية وأوجد الايام بالفلك الاول وعينه بالفلك الثاني الذي فيه الكواكب الثابتة للابصار ثم أوجد الاركان ترابا وماء وهواء ونارا ثم سوى السموات سبعا طباقا وفتقها أي فصل كل سماء على حدة بعدما كانت رتقا اذ كانت دخانا وفتق الارض الى سبع أرضين سماء أولى لارض أولى وثانية لثانية الى سبع وخلق الجواري الخنس خمسة في كل سماء كوكب وخلق القمر وخلق أيضا الشمس فحدث الليل والنهار بخلق الشمس في اليوم وقد كان اليوم موجودا فجعل النصف من هذا اليوم لاهل الارض نهارا وهو من طلوع الشمس الى غروبها وجعل النصف الآخر منه ليلا وهو من غروب الشمس الى طلوعها واليوم عبارة عن المجموع ولهذا خلق السموات والارض وما بينهما في ستة أيام فان الايام كانت موجودة بوجود حركة فلك البروج وهي الايام المعروفة عندنا لا غير فقال الله خلق العرش والكرسي وانما قال خلق السموات والارض في ستة أيام فاذا دار فلك البروج دورة واحدة فذلك هو اليوم الذي خلق الله فيه السموات والارض ثم أحدث الله الليل والنهار عند وجود الشمس لا الايام وأما ما يطرأ فيهما من الزيادة والنقصان أعني في الليل والنهار لا في الساعات فانها أربع وعشرون ساعة وذلك لحلول الشمس في منطقة البروج وهي حائلية بالنسبة

البنا

فيها بين فيطول النهار اذا كانت الشمس فى المنازل العالية حيث كانت واذا حلت الشمس فى المنازل النازلة قصر
النهار حيث كانت وانما قلنا حيث كانت فانه اذا طال الليل عندنا طال النهار عند غيرنا ويكون الشمس فى المنازل العالية
بالنسبة اليهم وفى المنازل النازلة بالنسبة الينا فاذا قصر النهار عندنا طال الليل عندهم لما ذكرناه واليوم هو اليوم بعينه
اربع وعشرون ساعة لا يزيد ولا ينقص ولا يطول ولا يقصر فى موضع الاعتدال فهذا هو حقيقة اليوم ثم يسمى
النهار وحده يوما بحكم الاصطلاح فافهم وقد جعل الله هذا الزمان الذى هو الليل والنهار يوما ولزمن هو اليوم والليل
والنهار موجودان فى الزمان جعلهما أبا وأما لما يحدث الله فيهما كما قال يغشى الليل النهار كمثل قوله فى آدم فلما تغشاها
حملت فاذا غشى الليل النهار كان الليل أبا وكان النهار أما وصار كل ما يحدث الله فى النهار بمنزلة الاولاد التى تلد المرأة واذا
غشى النهار الليل كان النهار أبا وكان الليل أما وكان كل ما يحدث الله من الشؤن فى الليل بمنزلة الاولاد التى تلد الام وقد
بينا هذا الفصل فى كتاب الشأن لنا تكلمنا فيه على قوله تعالى كل يوم هو فى شأن وسيأتى ان شاء الله فى هذا الكتاب
ان ذكرنا الله به من معرفة الايام طرفا شافيا وكذلك قال تعالى أيضا يولج الليل فى النهار ويولج النهار فى الليل فزاد بيانا
فى النكاح وأبان سبحانه بقوله وآية لهم الليل نسلخ منه النهار أن الليل أم له وأن النهار متولد عنه كما ينسلخ المولود من أمه
اذا خرج منها والحية من جلدها فيظهر مولدا فى عالم آخر غير العالم الذى يحويه الليل والاب هو اليوم الذى ذكرناه وقد بينا
ذلك فى كتاب الزمان لنا ومعرفة الدهر فهذا الليل والنهار أبوان بوجه وأمان بوجه وما يحدث الله فيهما فى عالم الاركان
من المولدات عند تصريفهما يسمون أولاد الليل والنهار كما قررناه ولما أنشأ الله اجرام العالم كله القابل للتكوين فيه
جعل من حد ما يلى مقعر السماء الدنيا الى باطن الارض عالم الطبيعة والاستحالات وظهور الاعيان التى تحدث عند
الاستحالات وجعلها بمنزلة الام وجعل من مقعر فلك السماء الدنيا الى آخر الافلاك بمنزلة الاب وقدر فيها منازل وزينها
بالانوار الثابتة والسابحة فالسابحة تقطع فى الثابتة والثابتة والسابحة تقطع فى الفلك المحيط بتقدير العزيز بدليل انه روى
فى بعض الاهرام التى بديار مصر مكتوبا بقلمهم يذكر فى ذلك تاريخ الاهرام انها بنيت والنسر فى الاسد ولا شك انه الآن فى
الجدى كذا ندركه فدل على أن الكواكب الثابتة تقطع فى فلك البروج الاطلس والله يقول فى القمر والقمر قدرناه
منازل وقال فى الكواكب كل فى فلك يسبحون وقال تعالى والشمس تجرى لمستقر لها وقد قرئ لا مستقر
لها وليس بين القراءتين تناف ثم قال ذلك تقدير العزيز العليم ينظر الى قوله فى القمر انه قدره منازل وقال
لا الشمس ينبغى لها أن تدرك القمر ولا الليل سابق النهار وكل فى فلك يسبحون أى فى شئ مستدير وجعل لهذه
الانوار المسماة بالكواكب أشعة متصلة بالاركان تقوم اتصالاتها بها مقام نكاح الآباء للامهات فيحدث الله تعالى عند
اتصال تلك الشعاعات النورية فى الاركان الاربعة من عالم الطبيعة ما يتكون فيها مما نشاهده حسا فهذه الاركان لها
بمنزلة الاربعة النسوة فى شرعنا وكما لا يكون نكاح شرعى عندنا حلالا الا بعقد شرعى كذلك أوحى فى كل سماء أمرها
فكان من ذلك الوحى تنزل الامر بينهن كما قال تعالى يتنزل الامر بينهن يعنى الامر الالهى وفى تفسير هذا التنزل
اسرار عظيمة تقرب مما نشير اليه فى هذا الباب وقد روى عن ابن عباس انه قال فى هذه الآية لو فسرتها لقلتم انى كافر
وفى رواية لرجمتمونى وانها من أسرار آى القرآن قال تعالى خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن ثم قال يتنزل
الامر بينهن ثم تمم وأبان فقال لتعلموا ان الله على كل شئ قدير وهو الذى أشرنا اليه بصفة العمل الذى ذكرناه
آنفا من ايجاد الله صفة العلم والعمل فى الاب الثانى فان القدرة للايجاد وهو العمل ثم تمم فى الاخبار فقال وان الله قد
أحاط بكل شئ علما وقد أشرنا اليه بصفة العلم التى أعطاها الله للاب الثانى الذى هو النفس الكلية المنبعثة فهو العليم
سبحانه بما يوجد القدير على ايجاد ما يريد ايجاده لا مانع له فجعل الامر يتنزل بين السماء والارض كالولد يظهر بين
الابوين وأما اتصال الاشعة النورية الكوكبية عن الحركة الفلكية السماوية بالاركان الاربعة التى هى أم المولدات فى
الحين الواحد لكل معا جعله الحق مثالا للعارفين فى نكاح أهل الجنة فى الجنة جميع نسائهم وجواريهم فى الآن الواحد
نكاحا حسيا كما ان هذه الاتصالات حسية فينكح الرجل فى الجنة جميع من عنده من المنكوحات اذا اشتهى ذلك فى

الآن الواحد نكاحا جسميا محسوسا بايلاج ووجود لذة خاصة بكل امرأة من غير تقدم ولا تأخر وهذا هو النعيم الدائم والاقتدار الالهي والعقل يعجز عن ادراك هذه الحقيقة من حيث فكره وانما يدرك هذا بقوة أخرى الهية في قلب من يشاء من عباده كما أن الانسان في الجنة في سوق الصور اذا اشتهى صورة دخل فيها كما تشكل الروح هنا عندنا وان كان جسما ولكن أعطاه الله هذه القدرة على ذلك والله على كل شئ قدير وحديث سوق الجنة ذكره أبو عيسى الترمذي في مصنفه فانظره هناك فاذا اتصلت الاشعة النورية في الاركان الاربعة ظهرت المولدات عن هذا النكاح الذي قدره العزيز العليم فصارت المولدات بين آباء وهي الافلاك والانوار العلوية وبين أمهات وهي الاركان الطبيعية السفلية وصارت الاشعة المتصلة من الانوار بالاركان كالنكاح وحركات الافلاك وسباحات الانوار بمنزلة حركات الجامع وكان حركات الاركان بمنزلة المخاض للمرأة لاستخراج الزبد الذي يخرج بالمخض وهو ما يظهر من المولدات في هذه الاركان للعين من صورة المعادن والنبات والحيوان ونوع الجن والانس فسبحان القادر على ما يشاء لا اله الا هو رب كل شئ ومليكه قال تعالى أن اشكر لي ولوالديك فقد تبين لك أيها الولي آباؤك وأمهاتك من هم الى أقرب أب لك وهو الذي ظهر عينك به وأمك كذلك القريبة اليك الى الاب الاول وهو الجد الاعلى الى ما بينهما من الآباء والامهات فشكرهم الذي يسرون به ويفرحون بالثناء عليهم هو أن تنسبهم الى مالكهم وموجدهم وتسلب الفعل عنهم وتلحقه بمستحقه الذي هو خالق كل شئ فاذا فعلت ذلك فقد أدخلت سرورا على آبائك بفعلك ذلك وادخال هذا السرور عليهم هو عين برك بهم وشكرك اياهم واذا لم تفعل هذا ونسيت الله بهم فما شكرتهم ولا امتثلت أمر الله في شكرهم فانه قال أن اشكر لي فقدم نفسه ليعرفك انه السبب الاول والاولى ثم عطف وقال ولوالديك وهي الاسباب التي أوجدك الله عندها لتنسبها اليه سبحانه ويكون لها عليك فضل التقدم بالوجود خاصة لا فضل التأثير لانه في الحقيقة لا أثر لها وان كانت أسبابا لوجود الآثار فبهذا القدر صح لها الفضل وطلب منك الشكر وأنزلها الحق لك وعندك منزلته في التقدم عليك لا في الاثر ليكون الثناء بالتقدم والتأثير لله تعالى وبالتقدم والتوقف للوالدين ولكن على ما شرطناه ولا تشرك بعبادة ربك أحدا فاذا أثنيت على الله تعالى وقلت ربنا ورب آبائنا العلويات وأمهاتنا السفليات فلا فرق بين أن أقولها أنا أو يقولها جميع بني آدم من البشر فلم يخاطب شخصا بعينه حتى يسوق آباءه وأمهاته من آدم وحواء الى زمانه وانما القصد هذا النشء الانساني فكنت مترجما عن كل مولود بهذا التحميد من عالم الاركان وعالم الطبيعة والانسان ثم ترتقي في النيابة عن كل مولد بين مؤثر ومؤثر فيه فتحمده بكل لسان وتتوجه اليه بكل وجه فيكون الجزاء لنا من عند الله من ذلك المقام الكلي كما قال لي بعض مشيختي اذا قلت السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أو قلت السلام عليكم اذا سلمت في طريقك على أحد فاحضر في قلبك كل صالح لله من عباده في الارض والسماء وميت وحي فانه من ذلك المقام يرد عليك فلا يبقى ملك مقرب ولا روح مطهر يبلغه سلامك الا و يرد عليك وهو دعاء فيستجاب فيك فتفلح ومن لم يبلغه سلامك من عباد الله المهيمين في جلاله المشتغلين به المستفرغين فيه وأنت قد سلمت عليهم بهذا الشمول فان الله ينوب عنهم في الرد عليك وكفى بهذا شرفا في حقك حيث يسلم عليك الحق فليته لم تسمع أحدا ممن سلمت عليه حتى ينوب عن الجميع في الرد عليك فانه بك أشرف قال تعالى تشريفا في حق يحيي عليه السلام وسلام عليه يوم ولد ويوم يموت ويوم يبعث حيا وهذا سلام فضيلة واخبار فكيف سلام واجب ناب الحق مناب من أجاب عنه وجزاء الفرائض أعظم من جزاء الفضائل في حق من قيل فيه وسلام عليه يوم ولد فيجمع له بين الفضيلتين وقد وردت صلاة الله علينا ابتداء وما وصل الي هل ورد السلام ابتداء كما وردت الصلاة أم لا فمن روى في ذلك شيأ وتحققه فقد جعلت أمانة في عنقه أن يلحقه في هذا الموضع الى جانب صلاة الله علينا في هذا الباب ليكون بشرى للمؤمنين وشرفا لكتابي هذا والله المعين والموفق لا رب غيره وأما الآباء الطبيعيون والامهات فلم نذكرهم فلنذكر الامر الكلي من ذلك وهم أبوان وأمان فالابوان هما الفاعلان والامان هما المنفعلان وما يحدث عنهما هو المنفعل عنهما فالحرارة والبرودة فاعلان والرطوبة واليبوسة منفعلان فنكحت

الحرارة

الحرارة اليبوسة فأنتجا ركن النار ونكحت الحرارة الرطوبة فأنتجا ركن الهواء ثم نكح البرودة الرطوبة وأنتجا ركن الماء ونكح البرودة اليبوسة فانتجا ركن التراب فحصلت فى الابناء حقائق الآباء والامهات فكانت النار حارة يابسة فحرارتها من جهة الاب ويبوستها من جهة الام وركن الهواء حارا رطبا فحرارته من جهة الاب ورطوبته من جهة الام وكان الماء باردا رطبا فبرودته من جهة الاب ورطوبته من جهة الام وكانت الارض باردة يابسة فبرودتها من جهة الاب ويبوستها من جهة الام فالحرارة والبرودة من العلم والرطوبة واليبوسة من الارادة هذا احد تعلقيها فى وجودها من العلم الالهى وما يتولد عنهما من القدرة ثم يقع التوالد فى هذه الاركان من كونها أمهات لآباء الانوار العلوية لا من كونها آباء وان كانت الابوة فيها موجودة فقد عرفتك أن الابوة والبنوة من الاضافات والنسب فالاب ابن لاب هو ابن له والابن أب لابن هو اب له وكذلك باب النسب فانظر فيه والله الموفق لا رب غيره ولما كانت اليبوسة منفعلة عن الحرارة وكانت الرطوبة منفعلة عن البرودة قلنا فى الرطوبة واليبوسة انهما منفعلتان وجعلناهما بمنزلة الام للاركان ولما كانت الحرارة والبرودة فاعلين جعلناهما بمنزلة الاب للاركان ولما كانت الصنعة تستدعى صانعا ولابد والمنفعل يطلب الفاعل بذاته فانه منفعل لذاته ولو لم يكن منفعلا لذاته لما قبل الانفعال والاثر وكان مؤثرا فيه بخلاف الفاعل فانه يفعل بالاختيار ان شاء فعل فيسمى فاعلا وان شاء ترك وليس ذلك للمنفعل ولهذه الحقيقة ذكر تعالى وهو من فصاحة القرآن وإعجازه ولا رطب ولا يابس الا فى كتاب مبين فذكر المنفعل ولم يذكر ولا حار ولا بارد لما كانت الرطوبة واليبوسة عند العلماء بالطبيعة تطلب الحرارة والبرودة اللتين هما منفعلتان عنهما كما تطلب الصنعة الصانع لذلك ذكرهما دون ذكر الاصل وان كان الكل فى الكتاب المبين فلقد جاء الله سيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم بعلوم ما نالها أحد سواه كما قال فعلمت علم الاولين والآخرين فى حديث الضرب باليد فالعلم الالهى هو أصل العلوم كلها واليه ترجع وقد استوفينا ما يستحقه هذا الباب على غاية الايجاز والاختصار فان الطول فيه انما هو بذكر الكيفيات وأما الاصول فقد ذكرناها ومهدناها والله يقول الحق وهو يهدى السبيل انتهى الجزء الثانى عشر

(بسم الله الرحمن الرحيم)

(الباب الثانى عشر)

فى معرفة دورة فلك سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم وهى دورة السيادة وان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلقه الله تعالى

الا بأبى من كان ملكا وسيدا * وآدم بين الماء والطين واقف
فذاك الرسول الابطحى محمد * له فى العلى مجد تليد وطارف
أتى بزمان السعد فى آخر المدى * وكانت له فى كل عصر مواقف
أتى لانكسار الدهر يجبر صدعه * فأثنت عليه ألسن وعوارف
اذا رام أمرا لا يكون خلافه * وليس لذاك الامر فى الكون صارف

اعلم أيدك الله انه لما خلق الله الارواح المحصورة المدبرة للاجسام بالزمان عند وجود حركة الفلك لتعيين المدة المعلومة عند الله وكان عند أول خلق الزمان بحركته خلق الروح المدبرة روح محمد صلى الله عليه وسلم ثم صدرت الارواح عند الحركات فكان لها وجود فى عالم الغيب دون عالم الشهادة واعلمه الله بنبوته و بشره بها وآدم لم يكن الا كما قال بين الماء والطين وانتهى الزمان بالاسم الباطن فى حق محمد صلى الله عليه وسلم الى وجود جسمه وارتباط الروح به انتقل حكم الزمان فى جريانه الى الاسم الظاهر فظهر محمد صلى الله عليه وسلم بذاته جسما وروحا فكان الحكم له باطنا أولا فى جميع ما ظهر من الشرائع على أيدى الانبياء والرسل سلام الله عليهم أجمعين ثم صار الحكم له ظاهرا فنسخ كل شرع أبرزه الاسم الباطن بحكم الاسم الظاهر لبيان اختلاف حكم الاسمين وان كان المشرع واحدا وهو صاحب الشرع فانه قال كنت نبيا وما قال كنت انسانا ولا كنت موجودا وليست النبوة الا بالشرع المقرر عليه من عند الله فأخبر انه صاحب

النبوة قبل وجود الانبياء الذين هم نوابه في هذه الدنيا كما قررناه فيما تقدم من أبواب هذا الكتاب فكانت استدارته
انتهاء دورته بالاسم الباطن وابتداء دورة أخرى بالاسم الظاهر فقال استدار كهيئته يوم خلقه الله في نسبة الحكم لنا
ظاهرا كما كان في الدورة الاولى منسوبا الينا باطنا أي الى محمد وفي الظاهر منسوبا الى من نسب اليه من شرع ابراهيم
وموسى وعيسى وجميع الانبياء والرسل وبين الانبياء من الزمان أربعة حرم هود وصالح وشعيب سلام الله عليهم ومحمد
صلى الله عليه وسلم وعينها من الزمان ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب مضر ولما كانت العرب تنسأ في الشهور فترد
المحرم منها حلالا والحلال منها حراما وجاء محمد صلى الله عليه وسلم فرد الزمان الى أصله الذي حكم الله به عند خلقه فعين
الحرم من الشهور على حد ما خلقها الله عليه فلهذا قال في اللسان الظاهر ان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلقه الله
كذلك استدار الزمان فاظهر محمدا صلى الله عليه وسلم كما ذكرناه جسما وروحا بالاسم الظاهر حسا فنسخ من شرعه
المتقدم ما أراد الله ان ينسخ منه وأبقى ما أراد الله ان يبقى منه وذلك من الاحكام خاصة لا من الاصول ولما كان ظهوره
بالميزان وهو العدل في الكون وهو معتدل لان طبعه الحرارة والرطوبة كان من حكم الآخرة فان حركة الميزان متصلة
بالآخرة الى دخول الجنة والنار ولهذا كان العلم في هذه الامة أكثر مما كان في الاوائل وأعطى محمد صلى الله عليه وسلم
علم الاولين والآخرين لان حقيقة الميزان تعطي ذلك وكان الكشف أسرع في هذه الامة مما كان في غيرها لغلبة البرد
واليبس على سائر الامم قبلنا وان كانوا أذكياء وعلماء فآحاد منهم معينون بخلاف ما هم الناس اليوم عليه الا ترى هذه
الامة قد ترجمت جميع علوم الامم ولو لم يكن المترجم عالما بالمعنى الذي دل عليه لفظ المتكلم به لما صح ان يكون هذا مترجما
ولا كان ينطلق على ذلك اسم الترجمة فقد علمت هذه الامة علم من تقدم واختصت بعلوم لم تكن للمتقدمين ولهذا
أشار صلى الله عليه وسلم بقوله فعلمت علم الاولين وهم الذين تقدموه ثم قال والآخرين وهو علم ما لم يكن عند المتقدمين
وهو ما تعلمه أمته من بعده الى يوم القيامة فقد أخبر ان عندنا علوما لم تكن قبل فهذه شهادة من النبي صلى الله عليه
وسلم لنا وهو الصادق بذلك فقد ثبت له صلى الله عليه وسلم السيادة في العلم في الدنيا وثبت له أيضا السيادة في الحكم
حيث قال لو كان موسى حيا ما وسعه الا ان يتبعني ويتبين ذلك عند نزول عيسى عليه السلام وحكمه فينا بالقرآن
فصحت له السيادة في الدنيا بكل وجه ومعنى ثم أثبت السيادة له على سائر الناس يوم القيامة بفتحه باب الشفاعة
ولا يكون ذلك لنبي يوم القيامة الا له صلى الله عليه وسلم فقد شفع صلى الله عليه وسلم في الرسل والانبياء ان تشفع نعم
وفي الملائكة فأذن الله تعالى عند شفاعته في ذلك لجميع من له شفاعة من ملك ورسول ونبي ومؤمن ان يشفع فهو
صلى الله عليه وسلم أول شافع باذن الله وارحم الراحمين آخر شافع يوم القيامة فيشفع الرحيم عند المنتقم ان يخرج من النار
من لم يعمل خيرا قط فيخرجهم المنعم المتفضل وأي شرف أعظم من دائرة تدار يكون آخرها أرحم الراحمين وآخر الدائرة
متصل بأولها فأي شرف أعظم من شرف محمد صلى الله عليه وسلم حيث كان ابتداء هذه الدائرة حيث اتصل بها آخرها
لكمالها فبه سبحانه ابتدأت الاشياء وبه كملت وما أعظم شرف المؤمن حيث تلت شفاعته بشفاعة أرحم الراحمين
فالمؤمن بين الله وبين الانبياء فان العلم في حق المخلوق وان كان له الشرف التام الذي لا يجهل مكانته ولكن لا يعطي
السعادة في القرب الالهي الا بالايمان فنور الايمان في المخلوق أشرف من نور العلم الذي لا ايمان معه فاذا كان الايمان
يحصل عنه العلم فنور ذلك العلم المولد من نور الايمان أعلى وبه يمتاز على المؤمن الذي ليس بعالم فيرفع الله الذين أوتوا
العلم من المؤمنين درجات على المؤمنين الذين لم يؤتوا العلم ويزيد العلم بالله فان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول
لاصحابه أنتم أعلم بمصالح دنياكم فلا فلك أوسع من فلك محمد صلى الله عليه وسلم فان له الاحاطة وهي لمن خصه الله بها من
أمته بحكم التبعية فلنا الاحاطة بسائر الامم ولذلك كنا شهداء على الناس فأعطاه الله من وحي أمر السموات ما لم يعط غيره
في طالع مولده فمن الامر المخصوص بالسماء الاولى من هناك لم يبدل حرف من القرآن ولا كلمة ولو ألقى الشيطان في تلاوته
ما ليس منه بنقص أو زيادة لنسخ الله ذلك وهذا عصمة ومن ذلك الثبات ما نسخت شريعته بغيرها بل ثبتت محفوظة
وثبتت بكل عين ملحوظة ولذلك تستشهد بها كل طائفة ومن الامر المخصوص بالسماء الثانية من هناك أيضا خص

بعلم

بعلم الاولين والآخرين والتودد والرحمة والرفق وكان بالمؤمنين رحيما وما أظهر في وقت غلظة على أحد الاعن أمر الحق حين قيل له جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم فأمر به لما لم يقتض طبعه ذلك وان كان بشرا يغضب لنفسه ويرضى لنفسه فقد قدم لذلك دواء نافعا يكون في ذلك الغضب رحمة من حيث لا يشعر بها في حال الغضب فكان بدل بغضبه مثل ذلك برضاه وذلك لاسرار عرفناها ويعرفها أهل الله منا نصحت له السيادة على العالم من هذا الباب فان غير أمته قيل فيهم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون فاضلهم الله على علم وتولى الله فينا حفظ ذكره فقال انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون لانه سمع العبد وبصره ولسانه ويده واستحفظ كتابه غيرهذه الامة فحرفوه ومن الأمر المخصوص من وحي السماء الثالثة من هناك أيضا السيف الذي بعثه به والخلافة واختص بقتال الملائكة معه منها أين الملائكة هذه السماء قاتلت معه يوم بدر ومن هذه السماء أيضا بعث من قوم ليس لهم همة الا في قرى الاضياف ونحر الجزر والحروب الدائمة وسفك الدماء وبهذا يتمدحون ويمدحون قيل في بعضهم

ضروب بنصل السيف سوق سمانها * اذا عدموا زادا فانك عاقر

﴿وقال الآخر منهم يمدح قومه﴾

لا يبعدن قومي الذين همو * سم العداة وآفة الجزر

النازلون بكل معترك * والطيبون معاقد الازر

فمدحهم بالكرم والشجاعة والعفة يقول عنترة بن شداد في حفظ الجار في أهله

وأغض طرفي ما بدت لي جارتي * حتى يواري جارتي مأواها

ولا خفاء عند كل أحد بفضل العرب على العجم بالكرم والحماسة والوفا وان كان في العجم كرماء وشجعان ولكن آحاد كما ان في العرب جبناء وبخلاء ولكن آحاد وانما الكلام في الغالب لا في النادر وهذا مالا ينكره أحد فهذا مما أوحى الله في هذه السماء فهذا كله من الامر الذي يتنزل بين السماء والارض لمن فهم ولو ذكرنا على التفصيل ما في كل سماء من الامر الذي أوحى الله سبحانه فيها لابرزنا من ذلك عجائب ربما كان ينكرها بعض من ينظر في ذلك العلم من طريق الرصد والتسيير من أهل التعاليم ويحار المنصف منهم فيه اذا سمعه ومن الوحي المأمور به في السماء الرابعة نسخه بشريعته جميع الشرائع وظهور دينه على جميع الاديان عند كل رسول ممن تقدمه وفي كل كتاب منزل فلم يبق لدين من الاديان حكم عند الله الا ما قرر منه فبتقريره ثبت فهو من شرعه وعموم رسالته وان كان بقي من ذلك حكم فليس هو من حكم الله الا في أهل الجزية خاصة وانما قلنا ليس هو حكم الله لانه سماه باطلا فهو على من اتبعه لا له فهذا أعني بظهور دينه على جميع الاديان كما قال النابغة في مدحه

ألم تر أن الله أعطاك سورة * ترى كل ملك دونها يتذبذب

بأنك شمس والملوك كواكب * اذا طلعت لم يبد منهن كوكب

وهذه منزلة محمد صلى الله عليه وسلم ومنزلة ما جاء به من الشرع من الانبياء وشرائعهم سلام الله عليهم أجمعين فان أنوار الكواكب اندرجت في نور الشمس فالنهار له والليل وحده لاهل الكتب اذا أعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون وقد بسطنا في التنزلات الموصلية من أمر كل سماء ما اذا وقفت عليه عرفت بعض ما في ذلك ومن الوحي المأمور به في السماء الخامسة من هناك المختص بمحمد صلى الله عليه وسلم انه ما ورد قط عن نبي من الانبياء انه حبب اليه النساء الا محمد صلى الله عليه وسلم وان كانوا قد رزقوا منهن كثيرا كسليمان عليه السلام وغيره ولكن كلامنا في كونه حبب اليه وذلك انه صلى الله عليه وسلم كان نبيا وآدم بين الماء والطين كما قررناه وعلى الوجه الذي شرحناه فكان منقطعا الى ربه لا ينظر معه الى كون من الاكوان اشتغله بالله عنه فان النبي مشغول بالتلقي من الله ومراعاة الادب فلا يتفرغ الى شيء دونه فحبب الله اليه النساء فاحبهن عناية من الله بهن فكان صلى الله عليه وسلم يحبهن بكون الله حببهن اليه خرج مسلم في صحيحه في أبواب الايمان ان رجلا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم اني أحب أن يكون نعلي حسنا وثوبي

حسن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله جميل يحب الجمال ومن هذه السماء حب الطيب وكان من سنته النكاح
لا التبتل وجعل النكاح عبادة للسر الالهى الذى أودع فيه وليس الا فى النساء وذلك ظهور الاعيان للثلاثة الاحكام
التى تقدم ذكرها فى الانتاج عن المقدمتين والرابط الذى جعله علة الانتاج فهذا الفضل وما شاكله مما اختص به محمد
صلى الله عليه وسلم وزاد فيه بنكاح الهبة كما جعل فى أمته فيما بين لها من النكاح ان لا شئ له من الاعواض بما يحفظه
من القرآن خاصة لانه يعلمها وهذا وان لم يقو قوة الهبة ففيه اتساع للامة وليس فى الوسع استيفاء ما أوحى الله من الامر
فى كل سماء ومن الامر الموحى فى السماء السادسة اعجاز القرآن والذى أعطيه صلى الله عليه وسلم من جوامع الكلم من
هذه السماء تنزل اليه ولم يعط ذلك نبى قبله وقد قال أعطيت ستا لم يعطهن نبى قبلى وكل ذلك أوحى فى السموات من قوله
وأوحى فى كل سماء أمرها فجعل فى كل سماء ما يصلح تنفيذه فى الارض فى هذا الخلق فكان من ذلك ان بعث وحده
الى الناس كافة فعمت رسالته وهذا مما أوحى الله به فى السماء الرابعة ونصر بالرعب وهو مما أوحى الله به فى السماء الثالثة
من هناك ومنها ما حلل الله له من الغنائم وجعلت له الارض مسجدا وطهورا من السماء الثانية من هناك أوتيت جوامع
الكلم من أمر وحى السماء السادسة ومن أمر هذه السماء ما خصه الله به من اعطائه اياه مفاتيح خزائن الارض ومن
الوحى المأمور به فى السماء السابعة من هذه وهى السماء الدنيا التى تلينا كون الله خصه بصورة الكمال فكملت به
الشرائع وكان خاتم النبيين ولم يكن ذلك لغيره صلى الله عليه وسلم فبهذا وأمثاله انفرد بالسيادة الجامعة للسيادات كلها
والشرف المحيط الاعم صلى الله عليه وسلم فهذا قد نبهنا على ما حصل له فى قوله من بعض ما أوحى الله به فى كل سماء من
أمره وقوله الزمان ولم يقل الدهر ولا غيره ينبه على وجود الميزان فانه ما خرج عن الحروف التى فى الميزان بذكر الزمان
وجعل ياء الميزان مما يلى الزاى وخفف الزاى وعددها فى الزمان اشعارا بان فى هذه الزاى حرفا مدغما فكان أول وجود
الزمان فى الميزان للعدل الروحانى وفى الاسم الباطن لمحمد صلى الله عليه وسلم بقوله كنت نبيا وآدم بين الماء والطين ثم
استدار بعد انقضاء دورة الزمان التى هى ثمانية وسبعون ألف سنة ثم ابتدأت دورة أخرى من الزمان بالاسم
الظاهر فظهر فيها جسم محمد صلى الله عليه وسلم وظهرت شريعته على التعيين والتصريح لا بالكناية واتصل الحكم
بالآخرة فقال تعالى ونضع الموازين القسط ليوم القيامة وقيل لنا وأقيموا الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان
وقال تعالى والسماء رفعها ووضع الميزان فبالميزان أوحى فى كل سماء أمرها وبه قدر فى الارض أقواتها ونصب
الحق فى العالم فى كل شئ فميزان معنوى وميزان حسى لا يخطى أبدا فدخل الميزان فى الكلام وفى جميع الصنائع
المحسوسة وكذلك فى المعانى اذ كان أصل وجود الاجسام والاجرام وما تحمله من المعانى عند حكم الميزان وكان وجود
الميزان وما فوق الزمان عن الوزن الالهى الذى يطلبه الاسم الحكيم ويظهره الحكم العدل لا اله الا هو وعن الميزان
ظهر العقرب وما أوحى الله فيه من الامر الالهى والقوس والجدى والدلو والحوت والحمل والثور والجوزا
والسرطان والاسد والسنبلة وانتهت الدورة الزمانية الى الميزان لتكرار الدور فظهر محمد صلى الله عليه وسلم وكان له فى
كل جزء من أجزاء الزمان حكم اجتمع فيه بظهوره صلى الله عليه وسلم وهذه الاسماء أسماء ملائكة خلقهم الله وهم
الاثنا عشر ملكا وجعل لهم الله مراتب فى الفلك المحيط وجعل بيد كل ملك ما شاء أن يجعله مما يبرزه فمن هو دونهم ال
الارض حكمة فكانت روحانية محمد صلى الله عليه وسلم تكتسب عند كل حركة من الزمان اخلاقا بحسب ما أودع الله فى
تلك الحركات من الامور الالهية فما زالت تكتسب هذه الصفات الروحانية قبل وجود تركيبها الى أن ظهرت صورة
جسمه فى عالم الدنيا بما جبله الله عليه من الاخلاق المحمودة فقيل فيه وانك لعلى خلق عظيم فكان ذا خلق لم يكن
ذا تخلق ولما كانت الاخلاق تختلف أحكامها باختلاف المحل الذى ينبغى أن يقابل بها احتاج صاحب الخلق الى علم يكون
عليه حتى يصرف فى ذلك المحل الخلق الذى يليق به عن أمر الله فيكون قربة الى الله فلذلك نزلت الشرائع لتبين
للناس محال أحكام الاخلاق التى جبل الانسان عليها فقال الله فى مثل ذلك ولا تقل لهما أف لوجود التأفيف فى خلـ
فابان عن المحل الذى لا ينبغى أن يظهر فيه حكم هذا الخلق ثم بين المحل الذى ينبغى أن يظهر فيه هذا الخلق فقال أ

لحكم

لكم ولما تعبدون من دون الله وقال تعالى فلا تخافوهم فأبان عن المحل الذي ينبغي أن لا يظهر فيه خلق الخوف ثم قال لهم خافوني فأبان لهم حيث ينبغي أن يظهر حكم هذه الصفة وكذلك الحسد والحرص وجميع ما في هذه النشأة الطبيعية الظاهر حكم روحانيتها فيها قد أبان الله لنا حيث نظهرها وحيث نمنعها فانه من المحال ازالتها عن هذه النشأة الا بزوالها لانها عينها والشيء لا يفارق نفسه قال صلى الله عليه وسلم لا حسد الا في اثنتين وقال زادك الله حرصا ولا تعد وانما قلنا الظاهر حكم روحانيتها فيها تحرزنا بذلك من أجل أهل الكشف والعلماء الراسخين في العلم من المحققين العالمين فان المسمى بالجماد والنبات عندنا لهم أرواح بطنت عن ادراك غير أهل الكشف اياها في العادة فلا يحس بها مثل ما يحسها من الحيوان فالكل عند أهل الكشف حيوان ناطق بل حي ناطق غير ان هذا المزاج الخاص يسمى انسانا لا غير بالصورة ووقع التفاضل بين الخلائق في المزاج فانه لا بد في كل ممتزج من مزاج خاص لا يكون الا له به يتميز عن غيره كما يجتمع مع غيره في أمر فلا يكون عين ما يقع به الافتراق والتميز عين ما يقع به الاشتراك وعدم التميز فاعلم ذلك وتحققه قال تعالى وان من شيء الا يسبح بحمده وشيء نكرة ولا يسبح الا حي عاقل عالم بمسبحه وقد ورد ان المؤذن يشهد له مدى صوته من رطب ويابس والشرائع والنبوات من هذا القبيل مشحونة ونحن زدنا مع الايمان بالاخبار الكشف فقد سمعنا الاحجار تذكر الله رؤية عين بلسان نطق تسمعه آذاننا منها وتخاطبنا مخاطبة العارفين بجلال الله مما ليس يدركه كل انسان فكل جنس من خلق الله أمة من الامم فطرهم الله على عبادة تخصهم أوحى بها اليهم في نفوسهم فرسوخهم من ذواتهم اعلام من الله بالهام خاص جبلهم عليه كعلم بعض الحيوانات باشياء يقصر عن ادراكها المهندس النحرير وتعلمهم على الاطلاق بمنافعهم فيما يتناولونه من الحشائش والمأكل وتجنب ما يضرهم من ذلك كل ذلك في فطرتهم كذلك المسمى جمادا ونباتا أخذ الله بابصارنا وأسماعنا عما هم عليه من النطق ولا تقوم الساعة حتى تكلم الرجل فخذه بما فعله أهله جعل الجهلاء من الحكماء هذا اذا صح ايمانهم به من باب العلم بالاختلاج يريدون به علم الزجر وان كان علم الزجر علما صحيحا في نفس الامر وانه من أسرار الله ولكن ليس هو مقصود الشارع في هذا الكلام فكان له صلى الله عليه وسلم الكشف الاتم فيرى ما لا نرى ولقد نبه عليه السلام على أمر عمل عليه أهل الله فوجدوه صحيحا قوله لولا تزييد في حديثكم وتمريج في قلوبكم لرأيتم ما أرى ولسمعتم ما أسمع نخص برتبة الكمال في جميع أموره ومنها الكمال في العبودية فكان عبدا صرفا لم يقم بذاته ربانية على أحد وهي التي أوجبت له السيادة وهي الدليل على شرفه على الدوام وقد قالت عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر الله على كل أحيانه ولنا منه ميراث وافر وهو أمر يختص بباطن الانسان وقوله وقد يظهر خلاف ذلك بافعاله مع تحققه بالمقام فيلتبس على من لا معرفة له بالاحوال فقد بينا في هذا الباب ما مست الحاجة اليه والله يقول الحق وهو يهدي السبيل

﴿الباب الثالث عشر في معرفة حملة العرش﴾

العرش والله بالرحمن محمول • وحاملوه وهذا القول معقول
وأي حول لمخلوق ومقدرة • لولا هو جاء به عقل وتنزيل
جسم وروح وأقوات ومرتبة • مالم غير الذي رتبت تفصيل
فذا هو العرش ان حققت سورته • والمستوي باسمه الرحمن مأمول
وهم ثمانية والله يعلمهم • واليوم أربعة ما فيه تعليل
محمد ثم رضوان ومالكهم • وآدم وخليل ثم جبريل
والحق ميكال اسرافيل ليس هنا • سوى ثمانية غر بهاليل

اعلم أيدك الله الولي الحميم ان العرش في لسان العرب يطلق ويراد به الملك يقال ثل عرش الملك اذا دخل في ملكه خلل ويطلق ويراد به السرير فاذا كان العرش عبارة عن الملك فتكون حملته هم القائمون به واذا كان العرش السرير فتكون حملته ما يقوم عليه من القوائم أو من يحمله على كواهلهم والعدد يدخل في حملة العرش وقد جعل الرسول

فہرست

علی برادران تاجرانِ کتب
نزد جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد

نائب غریب نواز مرشدِ فریدؒ قطب الاقطاب قطب الواصلین
سیدنا و مرشدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی
رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف

دلیل العارفین

ہدیہ ۸ روپے

اردو ترجمہ جناب پروفیسر اختر چیمہ صاحب

معالی الہمم

یعنی ——— ہمتوں کی بلندیاں

تصنیفِ لطیف
رہبر شریعت و طریقت۔ رموزِ دقیقِ حقیقت و معرفت عارف باللہ
جناب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

ہدیہ

By

MUHYIUDDIN IBN-UL-ARABI

(II65-1240)

Translated By

ALLAMA SAIM CHISHTEE
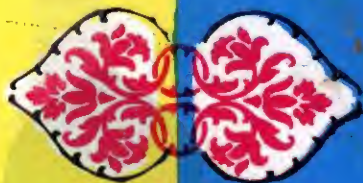
ALI BROTHERS

Book Sailors Jhang Bazar, Faisalabad